ان ھٰذا القرآن یھدی للتی ھی اقوم
بے شک یہ قرآن ایسے طریقہ کی ہدایت کرتا ہے جو بالکل سیدھا ہے
تفسیر
مدارک
اردو
تالیف
امام المفسرین عبداللہ بن احمد نسفی حنفی
اردو ترجمانی
مولانا سید محمد انظر شاہ صاحب کشمیری استاذ دارالعلوم دیوبند
ابن امام العصر حضرت العلامہ مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری
ناشر: خضر راہ بک ڈپو دیوبند یوپی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

إِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ

تفسیر مدارک اردو

تالیف

امام عبداللہ بن احمد نسفی حنفی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ قرآن مجید

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمانی

مولانا محمد انظر شاہ صاحب کشمیری

پارہ اول وثانی، جزء ثانی

شائع کردہ

خضر راہ بکڈپو، دیوبند (یوپی)

(خواجہ برقی پریس دہلی)

قیمت:- دو روپے

گذارشات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ تفسیر "مدارک" کا دوسرا جزء ہدیہ قارئین ہے، مسلسل اسفار اور دار العلوم سے متعلق تدریسی فرائض کی بناء پر کچھ تاخیر ضرور ہوگئی لیکن بہت زیادہ نہیں۔ تاہم ناظرین عفو و صفح سے کام لیں۔ اس بار آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ کتابت و طباعت، حواشی و اضافوں کے اعتبار سے یہ پارہ پہلے پارہ سے بہتر رہا اب اگر یہ توقع کیجائے کہ ہمارا آئندہ کام، ذہنی منصوبوں کے مطابق، بہتر ہی ہوتا جائیگا تو ایک بے محل توقع نہ ہوگی، صرف اللہ تعالیٰ کا فضل اور آپ کا دینی تعاون مطلوب ہے۔

حواشی میں مشہور و معروف تفاسیر سے جو امداد لیگئی انشاء اللہ آپ کے لئے خوشی و مسرّت کا باعث ہوگی، ضرورت کے مطابق، اہم مباحث کیلئے مفید کتابوں سے مراجعت میں جو عرق ریزی کرنا پڑی اسکا صلہ فلاح دارین کی شکل میں خدا تعالیٰ عنایت فرمائیں وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

فقہی مسائل بھی کافی جمع کر دیئے گئے، عربی عبارتوں کے تراجم، پہلے یا بعد میں اس طرح لئے گئے کہ ترجمہ، مترجم کی عبارت ہوگیا اس لئے امید ہے کہ "عبارت عربی" اردو خواں قارئین پر بار نہ ہوگی۔ پہلے پارہ کی اشاعت پر اکثر معاونین کی طرف سے یہ شکایت ہوئی کہ پارہ مکمل نہیں آیا۔ شاید ہمارے اعلان کا مضمون آپکے سامنے نہیں رہا اس میں ۹۶ صفحات کا پارہ دینے کا اعلان کیا گیا تھا قرآن مجید کے مکمل پارہ کا اعلان نہیں تھا۔ اس بار پورا ایک پارہ آپکے سامنے آرہا ہے "مدارک" ایک مختصر تفسیر ہے جو جلد ہی ختم ہو جائیگی، اگر معاونین اس طرح عجلت کریں گے تو خاکسار کے پیش نظر خدمت قرآن کا جو منصوبہ ہے یعنی اردو میں "مدارک" کے ترجمہ کے ذیل میں ایک مکمل تفسیر قرآن جو ضرورت کے تمام مباحث سے مرصّع ہو، رہجائے گی میں سمجھتا ہوں کہ ایک مکمل اردو تفسیر کو عجلت کی نظر کر دینا خود آپکا بھی مقصود نہ ہوگا، مفید مشوروں کا منتظر ہوں آئندہ پارہ سے، اہم کتابوں پر تبصرہ کا اضافہ کیا جا رہا ہے۔ اس سے مقصود اپنے قارئین کو اہم علمی تصانیف سے باخبر رکھنا ہے، انھیں تالیفات پر تبصرہ ہوگا جو ہمارے مکتبہ سے مہیا ہو سکیں، میں آپ کے تعاون اور جذبہ دینی کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور تعاون علی البر والتقی کی مزید توقع رکھتا ہوں۔

انظر شاہ کشمیری

۱۹ جمادی الثانی ۱۴۰۳ھ

فہرست مضامین

بقیہ ص ۹۶ اب تفسیر مدارک کے ترجمہ کا کام شروع کیا ہے۔ تفسیر مدارک قدیم تفاسیر میں ایک معتبر اور جامع تفسیر سمجھی گئی ہے اسکی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے مصنف امام المفسرین عبداللہ بن احمد نسفی حنفی المذہب تھے انھوں نے مسلک حنفیت کی مکمل رعایت کے ساتھ یہ تفسیر مرتب کی تھی، حقائق قرآن کو روایت ودرائت کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے، پھر مولینا انظر شاہ نے اپنے حواشی میں ان گتھیوں کو سلجھانے کی پوری کوشش کی ہے جنکی تفہیم عوامی طبقہ کے لئے بڑی حد تک مشکل تھی، ترجمہ کی زبان اور خود مولینا انظر شاہ کے حواشی کا اسلوب بہت دلنشیں ہے۔ مضامین قرآن کو ایسے اختصار و جامعیت کے ساتھ سمیٹا گیا ہے کہ پڑھنے والے کو انکا سمجھنا اور اپنے ذہن میں محفوظ کر لینا آسان ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ تفسیر مدارک کا یہ اردو ترجمہ مکمل صورت میں چھپکر اردو داں طبقہ کیلئے ایک بڑی نعمت ثابت ہوگا، ہماری سفارش ہے کہ تفسیر کے آئندہ حصوں میں مترجم موصوف جدید مسائل پر بھی روشنی ڈالیں اور امت اسلامیہ کیلئے ان مسائل میں ایک اطمینان بخش راہ عمل پیدا کرنے کی کوشش کریں اس تفسیر کا ایک ایک جزء ہر دو ماہ کے بعد مکتبہ خضر راہ دیوبند" کی طرف سے شائع ہوگا۔ ایک روپیہ پیشگی اس پتہ پر بھیجکر شائقین اس کے مستقل ممبروں میں نام درج کرا سکتے ہیں، عہ رفیس ممبری ادا کردینے پر انھیں تفسیر کا ہر جز رعایتی قیمت پر روانہ ہوتا رہے گا۔

قیصر

نومبر ۱۹۶۳ء

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِیَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَ

ایسے ایسے واقعات کے بعد تمہارے دل پھر بھی سخت ہی رہے (تو یوں کہنا چاہئے کہ) ان کی مثال پتھر کی سی ہے بلکہ سختی میں پتھر سے بھی زیادہ، سخت (اور) بعضے

اِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا یَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا یَشَّقَّقُ فَیَخْرُجُ

پتھر تو ایسے ہیں کہ جن سے (بڑی بڑی) نہریں پھوٹ کر چلتی ہیں اور ان ہی پتھروں میں بعضے ایسے ہیں کہ جو شق ہو جاتے ہیں پھر ان سے (اگر زیادہ

مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا یَهْبِطُ مِنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ ؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝

نہیں تو تھوڑا ہی) پانی نکل آتا ہے اور ان ہی پتھروں میں بعضے ایسے ہیں جو اللہ کے خوف سے اوپر سے نیچے لڑھک آتے ہیں ۔ اور اللہ تمہارے اعمال کی طرف سے بے خبر نہیں

قساوت قلبی

ارشاد ہے اس پر بھی تمہارے دل اس کے بعد بھی سخت ہی رہے چنانچہ وہ پتھر کی مانند ہیں بلکہ سختی میں ان سے بڑھ کر ہی ہیں اور پتھر تو کوئی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس سے دریا پھوٹ نکلتے ہیں اور کوئی ان میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ پھٹ جاتا ہے اور اس میں سے پانی نکلنے لگتا ہے اور ان میں کوئی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کی ہیبت سے نیچے آگرتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے غافل نہیں" مطلب ان آیات کا یہ ہے کہ جو عظیم اور حیرت انگیز نشانیاں تم کو اے یہود دکھائی جاتی رہیں اور خصوصاً اس گائے کے واقعہ میں چاہیئے تو یہ تھا کہ ان سب کو دیکھ کر تمہارے دل نرم پڑتے لیکن ہوا یہ کہ تمہارے دل اور سخت ہو گئے اور قلب کی قساوت یہی ہے کہ آدمی نہ واقعات سے عبرت حاصل کرے اور نہ مشاہدات کو اپنے لئے نصیحت کا ذریعہ بنائے ۔ ہماری اس تفسیر کے پیش نظر "ذالکؐ" کا مشار الیہ یا تو یہی گائے کا حیرت انگیز واقعہ ہے یا وہ تمام نشانیاں جواب تک خدا تعالےٰ نے بیان فرمائیں فرماتے ہیں کہ بس یوں سمجھنا چاہیئے کہ تمہارے قلوب قساوت میں مثل پتھر کے ہیں یا ان سے بھی زیادہ ۔

ترکیب نحوی کے اعتبار سے اشد کا عطف "کاف" پر ہو رہا ہے پوری عبارت یہ ہے کہ "او مثل اشدّ قسوہ" اس میں سے مضاف حذف کر دیا گیا اور اس کی جگہ مضاف الیہ رکھدیا گیا ، اور ہو سکتا ہے کہ ارشاد ربانی کا حاصل یہ ہو کہ تمہارے دل خود ہی بے حد سخت ہیں بلکہ جو بھی تمہارے دل کی سختی کو دیکھے گا تو وہ صلابت و قساوت میں اس کو پتھر یا اس سے بھی زیادہ کسی سخت چیز سے تشبیہ دے گا ، مثلاً فولاد سے ، یہاں قرآن مجید نے اشدّ قسوة اور اقسی اسم تفضیل کا صیغہ استعمال نہیں کیا یہ اس لئے کہ موجودہ ترکیب یعنی "اشدّ قسوة" اس مقصود پر جو خدا تعالےٰ چاہتے ہیں ، زیادہ واضح دلالت کرتی ہے ، پھر آنے والی آیات میں اس کی دلیل پیش کی جارہی ہے کہ یہود کے قلوب ، پتھر سے بھی زیادہ سخت کیوں ہیں ۔ "تفجّر" کے معنے تیزی سے بہنے کے آتے ہیں مطلب یہ ہے کہ بعض پتھر ایسے ہیں کہ ان میں جگہ جگہ شگاف ہوتے ہیں اس لئے اس کا پانی بکثرت بہتا ہے ۔ اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں صرف طول میں یا عرض میں شگاف ہوتا ہے اور اس سے پانی بہتا رہتا ہے ، بہر حال پتھر جیسی سخت چیز بھی بہہ جاتی ہے لیکن یہودی بس ایک ایسی مخلوق ہے جن کے دل میں ذرا سی بھی نرمی نہیں ۔ اور یہ جو ارشاد فرمایا کہ بعض پتھر اللہ کی ہیبت و خوف کی وجہ سے زمین پر آگرتے ہیں تو بعض مفسرین اس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ اس کی مراد صرف یہ ہے کہ پتھر بھی خدا تعالےٰ کے احکام کے تابع اور مسخر ہیں یعنی جو کچھ خدا تم ان کے ساتھ کرنا چاہتے ہیں وہ اس سے گریز نہیں کرتے ، لیکن یہ یہودی ایسے ہیں کہ نہ تو ان کے قلوب خدا تعالیٰ کی اطاعت کرتے ، اور نہ ہی یہ خدا تعالےٰ کے حکم کی پابندی اور تعمیل کرتے ہیں ۔ اور بعض مفسرین کی رائے ہے کہ حقیقی خشیت مراد ہے ، اگرچہ خشیت کے لئے حیات اور تمیز ضروری ہے ، خدا تعالےٰ اپنی قدرت سے اگر پتھروں میں حیات اور تمیز پیدا کر دیتا ہو تو اس میں کوئی بعد نہیں اہل سنت کے یہاں بھی حیات اور تمیز کے لئے کوئی مخصوص جسم ضروری نہیں کہ مثلاً وہ انسان ہی میں پائی جائے ، اور دوسروں میں نہ ہو ۔ اس لئے اگر پتھر میں خدا تعالےٰ خشیت پیدا کر دے تو کچھ ناممکن نہیں ۔ اسی کے ہم معنے

وہ آیت بھی ہے جس میں ارشاد ہے کہ اگر ہم قرآن مجید کو پہاڑ پر نازل کرتے تو وہ بھی خشیت الٰہی سے تھرا جاتا" بہر حال ارشاد ہے کہ خدا تعالیٰ تمہارے اعمال خوب دیکھ رہا ہے اور وہ کسی عمل سے بے خبر نہیں ہے [عـ٥]

أَفَتَطْمَعُونَ أَنْ يُؤْمِنُوا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِنْ

(اے مسلمانو) کیا (۱) اب بھی تم توقع رکھتے ہو کہ یہ (یہودی) تمہارے کہنے سے ایمان لے آوینگے حالانکہ (۲) ان میں کچھ لوگ ایسے گذرے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام سنتے تھے اور اسکو کچھ کا کچھ کر ڈالتے تھے

بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝ وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا ج وَإِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ

(اور) اسکو سمجھنے کے بعد (ایسا کرتے) اور (لطف یہ کہ) جانتے (بھی) تھے (۳) اور جب ملتے ہیں (منافقین یہود) مسلمانوں سے تو (ایسے لوگ) کہتے ہیں کہ ہم (بھی) ایمان لے آئے ہیں اور جب تنہائی

إِلَىٰ بَعْضٍ قَالُوا أَتُحَدِّثُونَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَاجُّوكُمْ بِهِ عِنْدَ رَبِّكُمْ

دوسرے بعض (علانیہ) یہودیوں کے پاس (۴) تو وہ ان سے کہتے ہیں کہ تم (یہ) کیا (غضب کرتے ہو کہ) مسلمانوں کو وہ باتیں بتلاتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے (توریت میں) تم پر منکشف کر دی ہیں (۵)

أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ أَوَلَا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ۝

نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ لوگ تمکو حجت میں مغلوب کر دینگے کہ یہ مضمون اللہ کے پاس سے ہے۔ کیا تم (اتنی موٹی بات) نہیں سمجھتے (۶) کیا ان کو اسکا علم نہیں ہے کہ حق تعالیٰ کو سب خبر ہے ان چیزوں کی بھی جنکو وہ

ایک غلط تمنا

ارشاد ہے "تو کیا تم اس کی توقع رکھتے ہو کہ وہ لوگ تمہارے کہنے سے ایمان لے آئیں گے درانحالیکہ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ اللہ کا کلام سنتے ہیں پھر اسے کچھ کا کچھ کر دیتے ہیں بعد اس کے کہ اسے سمجھ چکے ہیں اور وہ اسے خوب جانتے بھی ہیں۔ اور جب وہ ان سے ملتے ہیں جو ایمان لا چکے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان لے آئے ہیں، اور جب آپس میں تنہا ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ارے کیا تم انھیں وہ بتا دیتے ہو جو خدا نے تم پر منکشف کیا ہے، جس سے تمہیں وہ تمہارے پروردگار کے حضور میں قائل کریں گے، سو کیا تم نہیں سمجھتے؟ کیا یہ اتنا بھی نہیں جانتے کہ اللہ کو اس کی بھی خبر ہے جسے یہ چھپاتے ہیں اور اس کی بھی جسے یہ جتلاتے ہیں"۔

جیسا کہ معلوم ہے کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور مومنین کو اس بات کی بڑی دھن تھی کہ کافر ایمان لے آئیں اور ادھر ان کے قلوب اس درجہ سخت ہو چکے تھے کہ کسی انسان کے کلام سے متاثر ہونا تو درکنار وہ خدا تعالیٰ ہی کے کلام میں جان بوجھ کر تحریف کرتے تھے۔ اس لئے مومنین اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان آیات میں بتایا گیا کہ آپ کفار سے اسطرح کی توقعات مت رکھئے ان کا معاملہ بہت آگے بڑھ چکا ہے، ایمان کے معنی دعوت قبول کرنے کے بھی آتے ہیں جیسا کہ حضرت لوط علیہ السلام کے واقعہ میں ارشاد ہے فآمن لہ لوط، یہاں ایمان قبولیت ہی کے معنے میں استعمال ہوا ہے، ایسے ہی ان آیات میں ایمان، دعوت کے معنے میں لیا گیا ہے چنانچہ مطلب یہ ہوا کہ اے مومنین اور اے رسول کیا تم اس بات کی توقع رکھتے ہو کہ وہ تمہاری سعی وکوشش پر ایمان لے آئیں گے ورنہ ظاہر ہے کہ بظاہر آیات سے جو معلوم ہو رہا ہے یعنی کفار تمہارے پر ایمان لے آئیں، سو اسطرح کی دعوت تو مومن کبھی پیش ہی نہیں کرتا، وہ خدا تعالیٰ پر ایمان کی دعوت دیتا ہے تو دیر ایمان لانے کا مطالبہ اس کی طرف سے نہیں ہوتا۔ ارشاد ہے کہ ان کے ایمان لانے کی توقعات اس لئے ختم

عـ٥ پہلے پتھر جن سے پانی خوب بہتا ہے، بعض نکتہ آفریں مفسرین کے یہاں ان سے انسانوں کی آبادی میں حضرات انبیاء علیہم السلام مراد ہیں جن سے ایک عالم سیراب ہوتا ہے، دوسرے پتھر جن کی فیض رسانی پہلے پتھر کے مقابلہ میں کم ہے، انسانوں میں اس سے مراد اولیاء اللہ لئے گئے ہیں جو مخلوق خدا کو، فائدہ پہنچاتے ہیں اگرچہ وہ فائدہ ایسا نہیں جیسا کہ انبیاء علیہم السلام کا ہے۔ اور تیسرے پتھر جو ہیبت الٰہی سے گر جاتے ہیں کہا جاتا ہے اس سے مراد عام مومنین ہیں جو ارشاد وہدایت کا کام اگرچہ نہیں کرتے تاہم، ہدایت الٰہی سے خود متاثر ہوتے ہیں

ایک چیز خاص طور قابل غور ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز میں حیات اور لوازمات حیات پیدا کئے ہیں اگرچہ یہ سب کچھ اسی چیز کے مناسب ہوتے ہیں، بہر حال پتھر میں بھی زندگی ہے، تمیز ہے، شعور ہے، لیکن پتھر ہی کی سطح کے مناسب ایسی حیات نہیں جیسا کہ انسانوں میں ہے اور کیونکہ ہر ذرۂ زمین وہر مخلوق خدا تعالیٰ کے قوانین کے باہر بہر حال نہیں اس لئے اس طرح کی تعبیر جیسا کہ یہاں پتھر کے متعلق کی گئی بے معنی نہیں ہے۔

ہوگئیں کہ ان میں سے ایک جماعت تورات کو سنتی بھی اور اس میں پھر تحریف کرتی جیسا کہ خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق صفحات میں کھلے تصرفات کئے، اور ایسے ہی آیت رجم کے سلسلہ میں تغیر و تبدل سے کام لیا، اور یہ جرم، ہمرز دبھی جب ہوتا کہ خوب ان چیزوں کو سمجھ لیتے جو کلام الٰہی میں ہوتیں (بلا سمجھے ہوئے اگر تصرف کرتے تو کسی حد تک معذور بھی ہوتے)

اور اس پر مزید ظلم کہ خود بھی جانتے تھے کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں وہ بالکل غلط اور باطل ہے، تو ایسے بد باطنوں سے آپ کس طرح ایمان کی توقع رکھتے ہیں؟ اور ان کا تو یہ حال ہے کہ جب مومنین سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ میاں ہم بھی تمہاری طرح ایمان لے آئے، چنانچہ ہم بھی محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالےٰ کا نبی اور تم کو حق پر مانتے ہیں، اور جب وہ لوگ جو بالکل کافر ہیں ان منافقین سے ملتے ہیں تو بڑے غصہ سے ان سے کہتے ہیں کہ میاں تم یہ کیا غضب کر رہے ہو کہ تورات میں جو کچھ چیزیں محمد ص سے متعلق آئیں ہیں تم ان کو بے تکلف محمد ص کے اصحاب سے کہہ دیتے ہو، اس کا نتیجہ تو یہ نکلے گا، کہ جب ہم خدا تعالےٰ کے سامنے محمد ص کے متعلق لاعلمی کا اظہار کریں گے اور کہیں گے کہ ہم کو ان کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں تھا اگر معلوم ہوتا کہ یہ سچے نبی ہیں تو ہم تو سب سے پہلے ان پر ایمان لاتے، تو اس وقت یہ مسلمان ہم کو قائل کریں گے کہ تم جھوٹ کہتے ہو تمہاری کتاب میں فلاں فلاں موقع پر آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق تفصیلی تذکرے موجود تھے، تم بھی کیسے گئے گذرے ہو، اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ یہ اقدام خود تمہارے لئے مصیبت بنے گا۔

اس پر اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ اس طرح کی باتیں کر رہے ہیں گویا کہ خدا تعالےٰ کو کچھ معلوم نہیں ہے اور اس کا علم (معاذ اللہ) کسی کے بتانے اور نہ بتانے پر موقوف ہے حالانکہ اس کے غیر محدود و وسیع علم کا تو یہ عالم ہے کہ جو کچھ یہ کہتے ہیں اس کو تو وہ جانتا ہی ہے اور جو یہ چھپاتے ہیں خدا تعالےٰ اس پر بھی خوب مطلع ہے مثلاً وہ یہ بھی خوب جانتا ہے کہ یہ کفر کو چھپائے ہوئے ہیں اور جھوٹ ایمان کا دعوی کرتے ہیں۔

وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتٰبَ إِلَّآ أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ○ فَوَيْلٌ

اور ان (یہودیوں) میں بہت سے ناخواندہ (بھی) ہیں جو کتابی علم نہیں رکھتے لیکن (بلا سند) دل خوش کن باتیں (بہت یاد ہیں) اور وہ لوگ اور کچھ نہیں (ایسے ہی بے بنیاد) خیالات پکا لیتے ہیں، بڑی

لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتٰبَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هٰذَا مِنْ عِندِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوا

خرابی انکی ہوگی جو لکھتے ہیں (بدل بدل کر) کتاب (توریت) کو اپنے ہاتھوں سے پھر (عوام سے) کہدیتے ہیں کہ یہ حکم خدا کیطرف سے (یوں ہی آیا) ہے، اور غرض (صرف) یہ ہوتی ہے کہ اس کے ذریعہ

بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا يَكْسِبُونَ ○

سے کچھ نقد قدرے قلیل وصول کرلیں سو بڑی خرابی (پیش) آدیگی انکو اسکی بدولت (بھی) جسکو انکے ہاتھوں نے لکھا تھا اور بڑی خرابی ہوگی انکو اس (نقد) کی بدولت (بھی) جسکو وہ وصول کرلیا کرتے تھے

کتنا بڑا جرم

فرماتے ہیں کہ ان میں ان پڑھ بھی ہیں جو کتاب الٰہی کا کوئی علم نہیں رکھتے بجز جھوٹی آرزوؤں کے اور یہ محض خوامخواہ کے خیالات میں پڑے رہتے ہیں سو بڑی خرابی ہے ان لوگوں کے لئے جو کتاب الٰہی کو اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں پھر کہدیتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے ہے تاکہ اس سے معمولی سا معاوضہ حاصل کریں، سو خرابی ہے ان کے لئے اس کی بدولت جو وہ اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں اور خرابی ہے ان کے لئے اس کی بدولت جو وہ حاصل کرتے ہیں

امی، ان پڑھ کو کہتے ہیں مطلب یہ ہوا کہ کچھ یہودی ایسے بھی ہیں جو پڑھے لکھے نہیں ہیں نہ وہ خود براہ راست تورات کا مطالعہ کر سکتے، اور نہ انکو یہ معلوم کہ تورات میں اصل مضامین کیا ہیں؟ ہاں چند غلط تمنائیں ان کے دل و دماغ میں

عـہ قرآن مجید نے اس موقع پر امنیۃ کی جمع امانی استعمال کی ہے جسکے ایک معنی تو یہی ہیں کہ یہ لوگ محض اپنی آرزوؤں کو اپنے دل میں پالتے رہتے ہیں حالانکہ حقیقت کچھ بھی نہیں چنانچہ امام رازی نے لکھا ہے کہ "الامنیۃ ما تخیله الانسان" اور ابن جریر ہیں کہ "التمنی فی ھذا الموقع ھو تخلق الکذب و تخرجہ" اور دوسرے معنے یہ کئے گئے ہیں کہ جھوٹی باتیں، بے سند اور بے تکی تھے، اکثر مفسرین نے یہاں یہی دوسرے معنے کئے ہیں، چنانچہ ابوحیان اندلسی لکھتے ہیں

باقی حاشیہ صفحہ ۸ پر

موجزن رہتی ہیں، مثلاً یہی کہ اللہ تعالےٰ ہم کو معاف کر دے گا۔ اور جہنم کی آگ چند ہی دن کے لئے ہم کو تکلیف پہنچائے گی، یا کچھ جھوٹی باتیں ہیں جو ان کو ان کے علمار سے پہنچیں اور انھوں نے بلا تحقیق ان پر یقین کر لیا، گویا کہ تمنا، غلط باتوں کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے چنانچہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ "وما تمنیت منذ اسلمت" کہ جب سے میں اسلام لایا ہوں تو میں نے کوئی تمنا نہیں کی مطلب وہی ہے کہ کسی غلط اور جھوٹی بات پر یقین نہیں کیا اور نہ کبھی جھوٹ بولا۔

بس گویا کہ چند خیالی باتوں میں مبتلا ہیں، علمار نے قصداً از راہ مخالفت آپکی نبوت کا انکار کیا اور جہلا انکی تقلید میں وہی کہنے لگے جو اپنے غلط کار علمار سے سنتے ہیں، اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ ان کے لئے تباہی ہے "ویل" جیسا کہ حدیث میں آیا ہے جہنم کی ایک وادی ہی کا نام ہے) جو کتاب میں اپنے ہاتھ سے مضامین بڑھاتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ یہ حکم خدا تعالیٰ کا نازل کردہ ہے اور فلاں بات اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے۔ وغیرہ۔ اور یہ سب کچھ تصرفات محض چند کوڑیوں کے لئے ہوتے ہیں[عه]۔ یاد رکھو کہ ان کے یہ تصرفات اور اس پر حاصل شدہ یہ سرمایہ سب ان کے لئے بڑی تباہی کا سبب ہوگا۔

وَقَالُوا لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّآ أَيَّامًا مَّعْدُودَةً ۚ قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِندَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَن يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ ۖ أَمْ

اور یہود لوگوں نے یہ بھی کہا کہ ہرگز ہمکو آتش (دوزخ) چھوئے گی (بھی) نہیں مگر (بہت) تھوڑے روز جو انگلیوں پر شمار کر لیے جا سکیں آپ فرما دیجئے کہ کیا تم لوگوں نے حق تعالےٰ سے

تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ بَلَىٰ مَن كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ

اللہ تم اپنے معاہدہ کے خلاف نہ کریں گے یا اللہ تعالیٰ کے ذمہ ایسی بات لگاتے ہو جسکی کوئی علمی سند اپنے پاس نہیں رکھتے ہو کیوں نہیں جو شخص قصداً بری باتیں کرتا رہے اور اسکو اسکی خطا اور قصور

النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝

اس طرح احاطہ کرلے کہ کہیں نیکی کا اثر تک نہ رہے) سو ایسے لوگ اہل دوزخ ہوتے ہیں (اور) وہ اسمیں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور جو لوگ (اللہ اور رسول پر) ایمان لاویں اور نیک کام کریں ایسے لوگ اہل جنت

خیالی تمناؤں کی ایک مثال

فرماتے ہیں کہ یہود کہتے ہیں کہ ہم کو تو جہنم کی آگ چھوئے گی بھی نہیں بجز چند گنے چنے دنوں کے[عه] آپ کہئے کہ کیا تم اللہ کے یہاں سے کوئی وعدہ پا چکے ہو تب اللہ اپنے وعدہ کا خلاف نہ کرے گا (یا یونہی) اللہ پر وہ جوڑ رہے ہو جسکا علم تم نہیں رکھتے (نہیں) بلکہ اصل یہ ہے کہ جو کوئی بھی بدی اختیار کریگا اور اس کا گناہ اس کو گھیر لیگا۔ سو یہی لوگ اہل دوزخ ہیں اس میں ہمیشہ پڑے رہنے والے، اور جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں تو یہی لوگ اہل جنت ہیں اس میں ہمیشہ رہنے والے۔

اوپر بیان ہوا تھا کہ یہود خواہ مخواہ کی تمنائیں جنھیں واقعیت سے دور کا بھی تعلق نہیں ہوتا اپنے دل میں پالتے ہیں ان آیات میں انھیں خیالی تمناؤں کی ایک مثال پیش فرما رہے ہیں! یہود کہتے تھے کہ جہنم کی آگ ہم کو نہیں چھونے کی، سوائے ان چالیس دنوں کے جن میں ہمارے آبار واجداد نے گوسالہ پرستی کی تھی، مجاہد کہتے ہیں کہ یہود کہتے تھے کہ دنیا کی کل عمر سات ہزار سال ہے ہر ایک ہزار سال کے بدلے میں ہم کو صرف ایک دن کی سزا ہوگی[عه]۔ یہودیوں پر الزام حجت کے طور پر دریافت

بقیہ حاشیہ صک :- "اکاذیب مختلفۃ سمعوها من علمائهم فتقلوها على التقليد"

عه فخر رازی اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ آیت میں یہود کی دو شقاوتوں کیجانب توجہ دلائی گئی ہے ایک تو یہ کہ کلام الٰہی تک میں تحریف سی یہ ظالم نہ چوکے اور دوسرا ظلم یہ کہ اس تحریف سے بھی مقصود کوئی دینی مقصد نہیں بلکہ تمام تر مال وجاہ ہی تھا قلیل کی قید سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اگر زیادہ مال ودولت ملے تو تحریف جائز ہوگی یہ تو محض ایک صورت واقعہ کی حکایت کردی ورنہ تو تحریف قطعاً حرام ہے کم دولت کے معاوضہ میں ہو یا بڑے سرمایہ کے عوض میں۔

صه دنوں کی یہی تعداد پادری واڑول نے اپنے انگریزی ترجمہ قرآن کے حاشیہ پر بعض یہود اکابر کی مستند کتابوں سے درج کی ہے بلکہ جوش ان سائکلوپیڈیا میں تو یہود کا یہ عقیدہ درج ہوا ہے کہ "آتش دوزخ یہود کو چھوئے گی بھی نہیں اس لئے کہ وہ درجہنم پر پہنچتے ہی اپنے گناہوں کا اقرار کرلیں گے اور خدا کے پاس واپس جائینگے جلد ۵ صـ۵۸۳ مقدس نوشتہ تالمود کے صـ۱۹ پر ہے جہنم کی آگ اسرائیلی گنہ گاروں پر کوئی قدرت نہیں رکھتی * * * *

فرماتے ہیں کہ کیا خدا تعالےٰ نے تم سے کوئی اس سلسلہ میں وعدہ کیا ہے کہ تم کو عذاب صرف اسی مدت مقررہ میں دیا جائے گا جو تم بیان کرتے ہو۔ واقعی اگر اللہ نے ایسا وعدہ کیا ہوتا تو اپنے وعدہ کا خلاف نہ کرتا (لیکن اس نے تو کوئی ایسا وعدہ کیا ہی نہیں) پھر فرماتے ہیں کہ کچھ بھی نہیں۔ صرف تم کچھ باتیں گھڑ کر خدا تعالےٰ کی طرف منسوب کرتے ہو، (سنو ایک آخری بات تم کو بتائیں) ہمارا قانون یہ ہے کہ جس نے شرک کیا (سیئۃ کی تفسیر ابن عباس سے یہاں شرک ہی منقول ہے اور مجاہد وغیرہ بھی یہی کہتے ہیں) اور نجات کی تمام راہیں اس کے حق میں بند ہو گئی ہوں یعنی وہ کفر ہی پر مرا ہو اس لئے کہ اگر مومن مرتا تو ظاہر ہے کہ ایمان سے بڑھکر اور کوئی عبادت نہیں ہے اس صورت میں گناہ اس کو گھیرے ہوئے نہ ہوں گے۔ مومن تو اس آیت سے خارج ہو گیا اسی معنے کے پیش نظر، معتزلہ اور خوارج، جو گناہ کبیرہ کے مرتکب مومن کو بھی کافر کہتے ہیں اس آیت سے کوئی استدلال اپنے مدعا پر نہیں کر سکتے اور بعض مفسرین نے یہ بھی ترجمہ کیا ہے کہ گناہ اسکو اس طرح گھیر لیں گے جیساکہ دشمن اپنے دشمنوں کو ہر طرف سے گھیر لیتا ہے اور یہ گناہ، توبہ نہ کرنے کی وجہ سے کم بھی نہ ہوئے ہوں تو ایسے لوگ جہنمی ہیں جو جہنم میں ہمیشہ رہیں گے، اور یہ بھی سنو کہ مومن جن کے اعمال بھی اچھے ہوں وہ جنت میں اسی طرح رہیں گے جیساکہ جہنمی، دوزخ میں ہمیشہ ہی[عـــه] رہیں گے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ

اور وہ زمانہ یاد کرو) جب لیا ہم نے (توریت میں) قول و قرار بنی اسرائیل سے کہ عبادت مت کرنا کسی کی بجز اللہ تعالیٰ کے اور ماں باپ کی اچھی خدمت گذاری کرنا اور

ذِی الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا

اہل قرابت کی بھی اور بے ماں باپ کے بچوں کی بھی اور غریب محتاجوں کی بھی اور عام لوگوں سے بات اچھی طرح (خوش خلقی سے) کہنا اور پابندی رکھنا نماز کی اور ادا

الزَّكٰوةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ○ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ

کرتے رہنا زکوٰۃ پھر تم (قول و قرار کر کے) اس سے پھر گئے بجز معدودے چند کے اور تمہاری تو معمولی عادت ہے اقرار کر کے ہٹ جانا۔ اور وہ زمانہ بھی یاد کرو جب ہم نے تم سے

لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ

یہ قول و قرار (بھی) لیا کہ باہم خونریزی مت کرنا اور ایک دوسرے کو ترک وطن مت کرانا۔ پھر تم نے اقرار بھی کر لیا۔ اور وہ اقرار بھی ضمناً نہیں بلکہ ایسا صریح جیسے) تم

تَشْهَدُوْنَ ○ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ

شہادت دیتے ہو۔ پھر (اس صریح اقرار کے بعد) تم (جیسے ہو) یہ آنکھوں کے سامنے موجود ہی، ہو کہ، قتل و قتال بھی کرتے ہو اور ایک دوسرے کو ترک وطن بھی کراتے ہو (اس طور پر کہ) ان اپنوں کے

تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ

مقابلہ میں (ان مخالف قوموں کی) امداد کرتے ہو گناہ اور ظلم کے ساتھ (۳) اور اگر ان لوگوں میں سے کوئی گرفتار ہو کر تم تک پہنچ جاتا ہے تو ایسوں کو کچھ خرچ کر کے رہا کرا دیتے ہو حالانکہ یہ بات (بھی معلوم ہی)

عـــه ایمان کے ساتھ، نیک عمل کی قید قرآن مجید اکثر بڑھا دیتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ عمل صالح بہترین چیز ہے لیکن ایمان اس سے (بھی) اہم اور پسندیدہ شئے ہے۔ ایمان کی حقیقت، نیت، عمل اور فکر کی صحت ہے اور ظاہر ہے کہ عقیدہ کی درستگی عمل پر مقدم ہے۔ یہی ترتیب طبعی ہے جسکو قرآن ملحوظ رکھتا ہے۔

عـــه خلود کے معنے اگرچہ طویل زمانہ کے بھی آتے ہیں لیکن اہل دوزخ کے لئے جہاں یہ لفظ آیا ہے بالاتفاق اس کا ترجمہ ابدی سے کیا گیا ہے کیونکہ قرآن مجید نے خود خالدین کے ساتھ جا بجا "ابدا" کا لفظ استعمال کیا ہے چنانچہ روح المعانی میں ہے کہ "والمراد بالخلود الدوام"

إِخْرَاجُهُمْ ۚ أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَفْعَلُ

کر نکلوانا ان کا ترک خون کرا دینا (م) نیز ممنوع ہی کیا تو (بس یوں کہو کہ) کتاب (توریت) کے بعض (احکام پر) تم ایمان رکھتے ہو اور بعض پر نہیں رکھتے سو اور کیا سزا ہونا چاہیئے

ذَٰلِكَ مِنْكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّونَ إِلَىٰ أَشَدِّ

ایسے شخص کی جو تم لوگوں میں سے ایسی حرکت کرے بجز اس کے کہ رسوائی ہو دنیوی زندگانی میں اور روز قیامت کو بڑے سخت عذاب میں ڈالدیئے

الْعَذَابِ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ○ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْحَيَاةَ

جائیں اور اللہ تعالیٰ (کچھ) بے خبر نہیں ہیں تمہاری (زشت) سے یہ وہ لوگ ہیں کہ انھوں نے احکام کی مخالفت کرکے دنیاوی زندگانی (کے حظوظ) کو لے لیا

الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ ۖ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ○

بے عوض (نجات) آخرت کے بیوینہ (بجوز کیطرف سے) ان کی سزا میں کچھ تخفیف دی جاوے گی اور نہ کوئی (ر) انکی طرفداری (و بیروی) کرنے پاوے گا۔

ع ۱۰ ۱۰

یہود کی عہد شکنی

فرماتے ہیں کہ وہ وقت یاد کرو جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ عبادت نہ کرنا کسی کی بجز اللہ کے، اور حسن سلوک سے پیش آنا اپنے ماں باپ سے۔ اور قرابتداروں اور یتیموں اور محتاجوں سے بھی، اور لوگوں سے بالعموم بھلی بات کہنا اور نماز قائم رکھنا اور زکوٰۃ دیتے رہنا پھر تم سب ان احکام سے پھر گئے بجز تم میں کے (معدودے) چند کے، اور تم تو ہو ہی گردن کش، اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تم سے عہد لیا کہ اپنوں کا خون نہ بہانا اور اپنے لوگوں کو انکے وطن سے مت نکالنا پھر تم نے اس کا تو اقرار کرلیا، اور تم اس کے گواہ ہو، پھر تم ہی وہ ہو کہ اپنوں کو قتل بھی کرتے ہو اور اپنے ہی ایک گروہ کو ان کے وطن سے نکال بھی دیتے ہو اور ان کے مقابلہ میں گناہ وظلم کے ساتھ ان کے مخالفین کی مدد بھی کرتے ہو۔ اور اگر وہ تم تک قیدی ہو کر پہنچ جاتے ہیں تو تم ان کو فدیہ دے کر چھڑا لیتے ہو حالانکہ ان کا وطن سے نکالنا بھی تم پر حرام تھا تو کیا تم کتاب کے ایک حصہ کو مانتے ہو اور ایک حصہ سے انکار کرتے ہو پس تم میں سے جو ایسا کرے اس کی سزا کیا ہے بجز دنیاوی زندگی میں رسوائی کے اور قیامت کے دن یہ سخت ترین عذاب میں بھی ڈالے جائیں گے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے بے خبر نہیں، یہی لوگ ہیں جنھوں نے دنیاوی زندگی خریدی ہے آخرت کے عوض میں سو ان پر سے نہ عذاب ہلکا کیا جائیگا اور نہ انھیں مدد ہی پہنچیگی"۔

میثاق، مضبوط ترین عہد کو کہتے ہیں، لا تعبدون الا اللہ، گویا کہ نہی ہے اگرچہ اس کی ظاہر صورت جملہ خبریہ جیسی ہے جیسا کہ آپ کسی سے کہیں "میاں فلاں کے پاس جاؤ گے تو یہ کہنا"، دیکھیئے کہ یہ ایک حکم ہے اگرچہ امر کی صورت میں نہیں ہے، عربی اسلوب میں گفتگو کا یہ پیرایہ، امر و نہی کے صریح جملوں سے زیادہ بلیغ سمجھا جاتا ہے کیونکہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا مخاطب نے بہت جلد حکم کی تعمیل کی جس چیز کا حکم تھا، اس کو بجا لایا اور ان چیزوں سے رک گیا جن سے اس کو روکا جا رہا تھا بہر حال یہود کو سب سے پہلا حکم تو یہ تھا کہ خدائے واحد و یکتا کی عبادت کریں[ع]۔

اور دوسرا حکم یہ تھا کہ والدین کے ساتھ اچھا معاملہ کرو اور ایسے ہی رشتہ داروں سے، یتیموں سے اور مسکینوں سے "یتیم" اس کو کہتے ہیں جس کا باپ مرگیا ہو اور یہ اس وقت تک کہا جاتا رہے گا تاوقتیکہ وہ بالغ نہ ہو۔ بلوغ کے بعد وہ یتیم کہلانے کا مستحق نہیں چنانچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "بلوغ کے بعد یتیمی نہیں ہے" اور مساکین، مسکین کی

ع خود تورات آج تک شرک سے بالکل اجتناب اور پرہیز کے حکم سے بھری ہوئی ہے چنانچہ ملاحظہ ہو "میرے حضور تیرے لئے دوسرا خدا نہ ہو تو اپنے لئے کوئی مورت یا کسی چیز کی صورت جو اوپر آسمان پر یا زمین پر یا پانی میں زمین کے نیچے ہے مت بنا تو ان کے آگے اپنے تئیں کو مت جھکا۔ اور نہ انکی عبادت کر" (خروج ۲۰ - ۲ - ۵) ایسے ہی ماں باپ، یتیم اور مسکین سے متعلق احکام بھی تورات میں موجود ہیں

جمع ہے اس کو کہتے ہیں جو اپنی ضرورتیں پوری کرنے پر قادر نہ ہو۔ اور لوگوں سے اچھی بات کہنا، حسن کا مطلب یہ ہے کہ وہ بات اتنی اچھی ہو کہ خود اس کو حسن کہہ سکیں ص اور یہ بھی ان سے عہد لیا تھا کہ نماز پڑھیں گے اور زکوۃ دیں گے، لیکن یہودی، بجز معدودے چند کے، ان کئے ہوئے مضبوط عہد و پیمان سے پھر گئے اور گویا کہ ان وعدوں پر وہی قائم رہے جو اسلام لے آئے تھے اور بات تو اصل میں یہ ہے کہ یہودیوں کی تو عادت تخلف اور عہد شکنی کی ہے اور ان سے یہ بھی کہا گیا کہ تم ایک دوسرے کا خون نہ بہانا، اور ایک دوسرے کو وطن سے بے وطن نہ کرنا گویا کہ قرآن مجید نے یہاں دین و قرابت کی رعایت سے ایک دوسرے کے ضرر کو، ذاتی نقصان قرار دیا اور بعض کا خیال ہے کہ کسی دوسرے کو قتل کرنا گویا کہ خود ہی کو قتل کرنا ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ قاتل، بدلہ میں ضرور قتل ہوگا اس لئے وہ دوسرے کو قتل نہیں کر رہا ہے بلکہ اپنے ہاتھوں سے اپنی جان ضائع کر رہا ہے۔ یہودیوں نے اس عہد پر قائم رہنے کا بڑی تاکید کے ساتھ وعدہ کیا تھا اور آج بھی یہود اپنے اسلاف کے کئے ہوئے اس عہد کی شہادت دیتے ہیں (وانتم تشھدون)

پھر ان تمام قول و قرار کے بعد اے یہود یہ بے عنوانیاں جو تم سے سرزد ہو رہی ہیں یعنی تم ایک دوسرے کو قتل کر رہے ہو جلا وطن کر رہے ہو اور تعدی و تجاوز میں سب سے پیش پیش، آخر کیا ہے، بڑی حیرت ہے تمہاری اس روش پر۔ اور بڑی عجیب روش ہے تمہاری یہ کہ اگر کچھ قیدی ع یہود بن کر آتے ہیں تو انکو فدیہ دے کر چھڑا لیتے ہو حالانکہ تم کو سوچنا چاہئے تھا کہ ان کو جلا وطن کرنا ہی تمہارے لئے حرام تھا۔ تو کیا تم نے فدیہ دینے کے سلسلہ میں تو احکام الہی کی رعایت کی اور بعض دوسرے احکام مثلاً قتل نہ کرنا، ان کو جلا وطن کرنے سے پرہیز کرنا ان کو تم نے بے تکلف نظر انداز کر دیا۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہود سے چار عہد لئے تھے، ایک تو یہ کہ قتل نہ کریں گے، دوسرا یہ کہ جلا وطن نہ کریں گے، تیسرا حکم یہ تھا کہ ایک دوسرے پر ظلم و عدوان کرنے سے بچیں گے، اور اگر کوئی قیدی آئے گا تو فدیہ دے کر اس کو چھڑا لیں گے، یہ چوتھا حکم تھا یہود نے سب احکام کی پرزور مخالفت کی صرف ایک حکم پر ان کا عمل رہا یعنی فدیہ دینے پر۔

فرماتے ہیں کہ اے یہود جن لوگوں کی یہ عادت ہو کہ وہ احکام میں سے کچھ پر عمل کریں اور کچھ کو چھوڑ دیں ان کی سزا صرف یہی ہو سکتی ہے کہ دنیاوی زندگی میں ان کے لئے رسوائی اور فضیحت ہو اور قیامت میں ایسے عذاب میں مبتلا کیا جائیگا جسمیں راحت

ص یعنی بات چیت میں لوگوں سے اچھی طرح پیش آتے رہنا چنانچہ بحر المحیط میں ہے کہ "قولوا للناس مقالۃ حسنۃ" گویا کہ قرآن مجید نے انسانیت کا ایک سہل ترین فریضہ بتا دیا کہ کم از کم گفتگو تو آدمی کی تند، تیز، تلخ نہ ہونی چاہئے بعض مفسرین کی رائے ہے کہ یہ آیت جہاد کی آیت سے منسوخ ہو گئی، لیکن یہ صحیح نہیں بلکہ "قول حسن" کہنا اب بھی ضروری ہے حضرت باقر رحمۃ اللہ علیہ کی رائے بھی یہی ہے جیسا کہ امام رازی نے لکھا ہے مسلمانوں سے تو خندہ پیشانی سے ملنا بھی گویا کہ ایک طرح کا صدقہ ہے

ع جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں یہود کے جو قبائل، مدینہ، اور مدینہ کے قرب و جوار میں آباد تھے وہ اکثر خانہ جنگی میں مبتلا رہتے۔ ادھر مدینہ میں رہنے والے مشرکین دو جماعتوں میں بٹے ہوئے تھے جن میں سے ایک کا نام "اوس" تھا اور دوسرے کا "خزرج" اور یہود کی بھی دو مشہور پارٹیاں تھیں یعنی "بنو نضیر" اور "بنو قریظہ" اب اگر مشرکین کی دونوں جماعتوں میں جھگڑا ہوتا تو "بنو نضیر" ایکطرف ہو جاتے اور "بنو قریظہ" دوسری طرف، جنگ شروع ہوتی تو بنو نضیر کے ہاتھ سے بنو قریظہ اور بنو قریظہ والوں کی تلوار سے بنو نضیر کا آدمی مارا بھی جاتا اور جلا وطن بھی ہوتا۔ اور جنگ کے ختم ہونے پر جب قیدی بنکر یہود آتے تو قریظہ کا آدمی اگر ہوتا تو بنو نضیر والے فدیہ دیکر چھڑا لیتے۔ اور بنو نضیر کے آدمی کو، قریظہ والے دے دلا کر رہائی دلاتے اور کہتے کہ اسکا ہم کو خدا تعالیٰ نے پابند کیا ہے، اسی پر ان آیات میں یہود کو متنبہ کیا جا رہا ہے کہ صرف فدیہ ہی دینے کا حکم تھوڑا ہی تھا دو حکم اور بھی تو تھے ایک یہ کہ باہمی قتال و خونریزی نہ کرو گے اور دوسرا ایک دوسرے کو وطن سے بے وطن نہ کرو گے۔ یہ کیا ہے کہ کتاب اللہ کے کچھ احکام پر تو عمل کرتے ہو اور کچھ پر عمل کرنے سے گریز کرتے ہو؟

کبھی حل ہی نہ سکے بلکہ وہ دنیا کے عذاب محض سے بہت زیادہ ہو۔ اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ تعالےٰ اس سے غافل نہیں ہے فرماتے ہیں کہ یہ وہ ایسے ہیں کہ انھوں نے اخروی زندگی پر دنیا کی اس چند روزہ زندگی کو ترجیح دی اس لئے قیامت میں نہ ان سے عذاب ہی ہٹایا جائے گا اور نہ ایک دوسرے کی مدد کر کے، یہ اس تکلیف سے نجات پا سکیں گے

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ

اور ہم نے (اے بنی اسرائیل) موسیٰ علیہ السلام کو کتاب (توریت) دی اور پھر انکے بعد (درمیان میں) ایکے بعد دیگرے (برابر مختلف) پیغمبروں کو بھیجتے رہے اور پھر بھیجا عیسیٰ ابن مریم

الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ

کو ثبوت کیلئے (صحیح دلائل) عطا فرمائے اور ہم نے انکو روح القدس سے تائید دی تو کیا جب کبھی (بھی) کوئی پیغمبر تمہارے پاس ایسے احکام لائے جن کو تمہارا

اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ○ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ

دل نہ چاہتا تھا جب ہی تم نے تکبر کرنا شروع کر دیا بعضوں کو تو (نعوذ باللہ) جھوٹا بتلایا اور بعضوں کو بیدردی سے قتل ہی کر ڈالتے تھے اور وہ (یہودی انتہا یہ) کہتے ہیں کہ ہمارے

لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ○ وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ

ان کے کفر کے سبب ان پر خدا کی مار ہے سو بہت ہی تھوڑا سا ایمان رکھتے ہیں اور جب انکو ایک ایسی کتاب پہنچی (یعنی قرآن) جو منجانب اللہ ہے

مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا

(اور) اس کتاب کی (بھی) تصدیق کرنیوالی ہے جو پہلے سے انکے پاس ہے (یعنی توریت) حالانکہ اس سے قبل خود بیان کیا کرتے تھے کفار سے مگر پھر جب وہ چیز

جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ؗ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ○ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا

آپہنچی جسکو وہ خوب جانتے پہچانتے ہیں اس کا صاف انکار کر بیٹھے سو بس خدا کی مار ہو ایسے منکروں پر وہ حالت بہت ہی بری ہے جس کو

بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ

اختیار کر کے وہ اپنی جانوں کو چھڑانا چاہتے ہیں اور وہ حالت یہ ہے کہ کفر کرتے ہیں ایسی چیز کا جو حق تعالےٰ نے نازل فرمائی محض اسی ضد پر کہ اللہ تعالےٰ اپنے

مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ○

فضل سے جس بندہ پر اسکو منظور ہو نازل فرماتے لوگ غضب بالائے غضب کے مستحق ہو گئے اور ان کفر کرنیوالوں کو ایسی سزا ہوگی جس میں ذلت ہے

وہ کتاب جس کے احکام میں یہ کتربیونت ہو رہی تھی

فرماتے ہیں کہ اور ہم نے (حضرت) موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا کی تھی اور ان کے پیچھے ہم پے در پے پیغمبر بھیجے اور عیسیٰ بن مریم کو ہم نے روشن نشانات عطا کئے اور ہم نے روح القدس کے ذریعہ ان کی تائید کی تو کیا جب کبھی کوئی پیغمبر تمہارے پاس ان احکام کے ساتھ آیا جو تم کو اچھے معلوم نہ ہوتے تو تم اکڑنے لگے پھر بعض کو تم نے جھٹلایا اور بعض کو تم قتل ہی کرنے لگے، اور یہ کہتے ہیں کہ ہمارے قلوب محفوظ ہیں (ایسا نہیں ہے) بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت کر رکھی ہے اور ان کے پاس ایمان بہت ہی تھوڑا ہے۔ اور جب ان کے پاس ایک کتاب اللہ کی پہنچ گئی جو اس کتاب کی تصدیق کرتی تھی جو پہلے سے ان کے پاس موجود ہے اور اس سے پہلے یہ خود کافروں سے بیان کرتے تھے۔

پھر جب ان کے پاس وہ آگیا جس کو خوب پہچانتے تھے تو اس کا انکار کر بیٹھے سو اللہ کی لعنت ہو کافروں پر، بری ہے وہ چیز جس کے عوض انھوں نے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا ہے کہ انکار کرتے ہیں اس کلام کا جو اللہ نے نازل کیا ہے محض اس ضد پر کہ اللہ نے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہا اپنا فضل خاص نازل کیا سو وہ مستحق ہوں گے غضب بالائے غضب کے۔ اور کافروں کیلئے عذاب ذلت والا ہے۔

جس کتاب کا اوپر ذکر آیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی تھی وہ توراۃ تھی جو ایک ہی بار کل کی کل آپ پر نازل کردی گئی تھی۔ قفی، کے معنی پیچھے چلنے کے آتے ہیں ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ کے بعد پھر بہت سے انبیار آتے رہے مثلاً حضرت یوشع، شموئیل، شمعون، داؤد، سلیمان، شعیار، ارمیا، عزیز، حزقیل، الیاس، الیسع، یونس، زکریا، یحییٰ علیہم السلام وغیرہ، اور ان کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نشانیاں دیکر بھیجا گیا ؎۔

مریم کے معنے خادمہ کے آتے ہیں، نحویین کی تحقیق کے مطابق اس کا وزن "منفعل" ہے کیونکہ مبنیات کے اوزان میں "فعیل" کے وزن پر کوئی اسم نہیں، اور وہ نشانیاں جو خدا تعالےٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دی تھیں ان کے مشہور معجزات تھے یعنی مردوں کو زندہ کر دینا، مادر زاد اندھوں کو بینا کر دینا۔ جذامی کو اچھا کر دینا اور پوشیدہ باتوں کی خبر دینا وغیرہ۔

فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تائید "روح القدس" سے کی قدس کے معنی طہارت کے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ ایک ایسی روح جو ہر حیثیت سے پاک وصاف تھی روح کی صفت میں قدس کا لفظ استعمال کرنا گویا کہ خصوصیت وقرب کے اظہار کے لئے ہے۔ روح القدس سے حضرت جبرئیل علیہ السلام ہی مراد لئے گئے ہیں کیونکہ خدا تعالےٰ کیطرف سے انبیار علیہم السلام پر ایسی چیز لے کر آتے ہیں (وحی) جو دلوں کے لئے زندگی جاوید کا باعث ہوتی ہے اور حضرت جبرئیل کی تائید ہر ہر موقع پر تھی، خصوصاً اس وقت تو اس تائید کا کھل کر مظاہرہ ہوا جب خدا تعالےٰ کے حکم سے، انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر پہنچایا جس وقت یہودیوں نے حضرت عیسیٰ ؑ کو نرغہ میں لے کر قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا بعض لوگوں کے خیال میں "روح القدس" سے مراد وہ کتاب بھی ہے جو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی یعنی "انجیل" جیساکہ خدا تعالےٰ نے، قرآن مجید میں اس کتاب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے "روحا من امرنا" گویا کہ انجیل کے لئے روح کا لفظ اختیار فرمایا۔

اور کچھ کہتے ہیں کہ روح سے مراد "اسم اعظم" ہے جس کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ فرمایا کرتے تھے۔

یہود کی روش

فرماتے ہیں کہ اے یہود پھر تمہارا معاملہ یہ رہا کہ جب کبھی کسی نبی نے کوئی ایسی بات تمہارے سامنے پیش کی جو تمہاری خواہشات کے مطابق نہیں تھی تو تم کو اس کو قبول کرنے سے صرف تمہارا کبر وغرور مانع رہا اور اس وجہ سے تم نے کچھ انبیار کو تو جھٹلایا۔ جیساکہ حضرت عیسیٰ اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور کچھ انبیار علیہم السلام

؎ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سلسلہ بنی اسرائیل کے آخری نبی ہیں، سن عیسوی آپ کے نام سے جاری اور مشہور ہے، ملک شام کے علاقہ ارض گلیل میں ایک چھوٹی سی جگہ ناصرہ کے نام سے ہے وہی آپ کا وطن ہے، پیدائش، بیت المقدس کے ایک گوشہ میں ہوئی، ۳۳ سال کی عمر میں تمام اہل سنت والجماعت کے متفقہ عقیدہ کے مطابق، آپ زندہ، جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر اٹھا لئے گئے اور قیامت کے قریب دنیا میں پھر تشریف لائیں گے، مریم آپ کی والدہ بنت عمران بن ماشان اسرائیل کے ایک معزز خاندان کی لڑکی، پاکدامن، پاکیزہ صورت اور بڑی پاک نہاد تھیں۔ قرآن مجید ہمیشہ عیسیٰ ابن مریم استعمال کرتا ہے، یہی بتانے کے لئے کہ عیسیٰ صرف ایک انسان ایک عورت کے بطن سے پیدا ہونے والے انسان تھے، وہ خدا، یا مثل خدا جیساکہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے ہرگز نہ تھے۔

؎ اکثر علمار تفسیر نے روح القدس سے حضرت جبرئیل ہی مراد لئے ہیں چنانچہ روح المعانی میں ہے کہ "ای جبرئیل علیہ السلام والاطلاق الروح علیہ شائع" امام راغب نے بھی لکھا ہے کہ "والمراد بہ جبرئیل"، مسیحیوں کی مذہبی کتابوں میں روح القدس سے مراد تین خداؤں (اقنوم ثلاثہ) میں کا تیسرا خدا یعنی جبرئیل مراد ہیں یہ سادہ مراد ہرگز نہیں کیونکہ خدا تعالےٰ تو شائبہ شرک سے بھی بری ہے۔

کو قتل ہی کر دیا جیسا کہ حضرت زکریا و حضرت یحییٰ علیہم السلام یہودیوں ہی کے ہاتھوں قتل ہوئے۔
قرآن مجید نے اس موقع پر یوں نہیں ارشاد فرمایا کہ "ففریقا قتلتم" جیسا کہ اس سے پہلے "ففریقا کذبتم" فرما چکے تھے یہ اس لئے تاکہ عبارت میں فواصل اور سجع باقی رہے "قتلتم" کہنے کی صورت میں یہ بات ختم ہوجاتی ہے۔ نیز اس سے زیادہ جاندار بات اس اسلوب میں یہ بھی ہے کہ "تقتلون" سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کی خون آشامی کے جنون سے ابھی تک رہا نہیں ہوئے اور یہ واقعہ بھی ہے اس لئے کہ یہود برابر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جان مبارک لینے کی فکر میں لگے رہے اگر خداتعالےٰ حفاظت نہ فرماتا تو ان ظالموں نے تو مخالفانہ کوششوں میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی چنانچہ آپ پر جادو بھی کیا، اور آپ کو کھانے میں زہر بھی دیا، بہرحال اگر "قتلتم" استعمال کرتے تو معلوم ہوتا کہ اب یہودی انبیاء کے قتل کا جرم نہیں کرتے، اور "تقتلون" سے معلوم ہوا کہ اب بھی وہ اس ظالمانہ فعل کے فکر میں رہتے ہیں جیسا کہ ان کی وہ تمام سازشیں خبر دیتی ہیں جو وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف آئے دن کرتے رہے۔

کیسی مضحکہ خیز بات

اور اس پر کہتے ہیں کہ ہمارے دل محفوظ ہیں۔ غلف، اغلف کی جمع ہے کسی ایسی چیز کو کہتے ہیں جو بالکل محفوظ اور چھپی ہوئی ہو، اغلف غیر مختون کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے بہرحال یہ فخریہ طور پر کہتے ہیں کہ ہمارے دل ایسے ڈھل مل نہیں کہ جو محمدؐ کہتے ہیں انکو قبول کرنے کے لئے آمادہ ہوجائیں بلکہ ہم بڑے پختہ کار ہیں کوئی ہمیں کاہے کو بہکا سکے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بالکل غلط کہتے ہو خداتعالیٰ کسی کے دل کو ایسا ہرگز پیدا نہیں فرماتے کہ اس میں قبول حق کی صلاحیت نہ ہو۔ نہیں بلکہ اللہ تعالےٰ نے تو ہر ایک کو ایک ایسا سلیم قلب عنایت فرمایا کہ اگر وہ چاہے تو حق کو حق، اور باطل کو باطل فوراً جان لے۔ بہرحال یہ کوئی خلقی بات نہیں بلکہ اے کفار تمہارے کفر کا نتیجہ ہے کہ تمہارے دل قبولیت حق کے بارے میں پتھر کے ہوگئے گویا کہ جو کچھ لعنت تم پر ہوئی وہ تمہارے کفر و عناد کا نتیجہ ہے فرماتے ہیں یہی وجہ ہے کہ تم بہت ہی کم ایمان لاتے ہو، ترکیب کے اعتبار سے "قلیلاً"، ایک محذوف مصدر کی صفت ہے یعنی ایماناً قلیلاً اصلی عبارت ہے اس میں "ما" زائد ہے اور رہا ان کا قلیل ایمان تو وہ یہی تھا کہ کتاب کے بعض اجزا کو قابل عمل قرار دیتے تھے اور بعض پر عمل کرنے سے انکو انکار تھا۔ اگرچہ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ قلت یہاں "عدم" کے معنے میں ہے یعنی مطلب یہ ہے کہ ان کے پاس ایمان بالکل ہی نہیں۔ غلف کے متعلق بعض علماء کی رائے یہ بھی ہے کہ یہ غلاف کی جمع ہے اس صورت میں معنے یہ ہوں گے کہ وہ کہتے کہ ہمارے قلوب علوم کے ظرف ہیں، اس لئے ہم کسی دوسرے سے استفادہ کرنے یا سیکھنے کے قطعاً محتاج نہیں اور ہوسکتا ہے کہ مطلب ان کا یہ ہو کہ ہم تو علم کے پیاسے، طالب حق اور باطل سے نفرت کرنے والے ہیں۔ اس لئے اگر محمدؐ جو کہتے ہیں وہ حق ہوتا تو اس کو سب سے پہلے ہم قبول کرتے۔

صاف انکار کر بیٹھے

فرماتے ہیں کہ یہود کے پاس جب اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن مجید) آگئی جو انکے پاس موجود کتاب یعنی تورات کی تصدیق کرتی ہے تو یہ اس کتاب (قران مجید) کا انکار

کر بیٹھے، حالانکہ اس سے پہلے یہ کفار کے مقابلہ میں ہمیشہ قرآن مجید کا ذکر کرتے تھے اور قرآن سے مددؔ چاہتے تھے چنانچہ مشرکین کے مقابل میں ان کی ہمیشہ یہ دعا رہی کہ ؎

"اے اللہ ہماری اس نبی سے مدد فرما جو آخری زمانہ میں مبعوث ہونے والے ہیں
جن کے متعلق تو نے تورات میں اطلاع دی ہے!!"

اور خود مشرکین مکہ سے کہتے کہ دیکھو نبی آخرالزماں کی بعثت کا وقت بالکل قریب آگیا، وہ جلد آئے گا، اور ان تمام باتوں کی تصدیق کرے گا جو ہم کہتے رہے ہیں اس وقت ہم اس کے زیر علم تم سے لڑیں گے اور اس طرح تم کو ختم کر دیں گے جیسا کہ عاد و ارم کا دنیا میں نام نشان نہ رہا۔ لیکن ہوا یہ کہ جب ان کی جانی پہچانی چیز آگئی تو یہی سب سے پہلے اس کا انکار کرنے لگے، اور یہ انکار بھی صرف حسد و بغض، عناد و مخالفت کے جذبہ سے ہوا کسی اچھی نیت کے ساتھ ان کا یہ اقدام بھی نہ تھا فرماتے ہیں پس لعنت ہے ایسے کافروں پر اللہ کی۔

کتنی بُری حرکت

فرماتے ہیں کہ کتنی بری ہے وہ چیز جس کے عوض میں ان یہودیوں نے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا "بئس ما" میں ما نکرہ موصوفہ ہے جو کہ "بئس" کے فاعل کی تفسیر کرتا ہے گویا کہ اصل عبارت "بئس شیئاً" ہے ذرا دیکھئے تو انکار کرتے ہیں اور اس چیز کا انکار کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی یعنی قرآن مجید اور یہ انکار بھی محض بغض و عناد اور حسد کی وجہ سے ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و رحمت سے اپنا ایک مخصوص فضل (وحی) اپنے بندوں میں سے جس پر چاہا کیوں نازل کر دیا گویا کہ نبوت کے جلیل القدر عہدہ پر محمدؐ کیوں فائز کئے گئے ؎ اس لئے یہود اپنی معاندانہ روش کی وجہ سے غضب بالائے غضب کے مستحق ہوگئے۔ انھوں نے ایک نبی برحق کا انکار کیا۔ اور اس سے پہلے عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا اور اب آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کا اس لئے غضب بالائے غضب، ان کے متعدد جرائم کی منصفانہ سزا ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ متعدد غضب ان پر اس لئے ہوئے ہوں کہ انھوں نے حضرت عزیرؑ کو خدا تعالیٰ کا (معاذاللہ) بیٹا کہا اور یہ بھی کہا کہ (معاذاللہ) اللہ تعالیٰ بخیل ہے۔ جرائم خواہ کچھ بھی ہوں لیکن یہود کے جرائم بہت تھے جس پر ان کو ذلت والا عذاب دیا جائیگا ؎

ع۔ ہم نے اس موقع پر یستفتحون کے دو معنی ذکر کئے ہیں، ایک "بیان کرنا" اور دوسرے معنی فتح و نصرت چاہنا یستفتحون کو بعض اہل علم نے یفتحون کا ہم معنی بھی قرار دیا ہے، اور فتح کے معنی لغت میں خبر دینے کے آتے ہیں چنانچہ کشاف میں ہے کہ "یفتحون علیھم و یعرفونھم" لیکن اس کے باوجود اکثر مفسرین نے اس لفظ کو اس کے عام اور کثیر الاستعمال معنی ہی میں لیا یعنی فتح و نصرت طلب کرنا چنانچہ ابن جریر میں ہے کہ "معنی الاستفتاح الاستغفار" امام رازی بھی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ یسألون الفتح والنصرۃ خاکسار مترجم نے دونوں معنی کو ترجمہ میں لے لیا۔

سے۔ جیسا کہ ابن ہشام نے اپنی مشہور کتاب "سیرت ابن ہشام" میں باب خبر ارتداد یہود برسول اللہ کے تحت میں ایک نومسلم صحابی کا اس سلسلہ میں مفصل بیان نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ قبل ظہور اسلام جب ہم یہودیوں کو شکست دیتے تو وہ کہتے کہ "ٹھہر جاؤ نبی آخرالزماں کے ساتھ مل کر ہم تم کو کیسا مزہ چکھائیں گے حضرت عیسیٰؑ کا انکار کرنے کے بعد ایک آخری نجات دہندہ کی آمد کا یہود کو برابر انتظار رہا۔

للعہ۔ گویا کہ قرآن اس حقیقت کو خوب صاف کرتا ہے کہ یہود نے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کیا تھا وہ کوئی اس وجہ سے نہیں کہ انکو واقعی آنحضورؐ کے بارے میں کوئی شبہ تھا، نہیں بلکہ وہ دیدہ و دانستہ انکار کر رہے تھے وہ نبوت کو اپنا موروثی حق سمجھتے تھے اب کہ "بنواسمٰعیل" کے ایک عظیم فردؐ کیجانب سے دعویٰ نبوت ہوا تو انکار کرنے لگے امام رازی کی اس حقیقت پر خوب نظر ہے چنانچہ انھوں نے تفسیر کبیر میں تفصیل سے لکھا ہے کہ نسلیت اور قومیت کی لعنت انکار کا بڑا سبب تھی۔

صہ۔ بعض مفسرین نے غضب کا تکرار، جرم کے تعدد کیلئے نہیں بلکہ تاکید کے لئے لیا ہے چنانچہ رازی لکھتے ہیں کہ "المراد بہ تاکید الغضب و تکثیرہ" توہین آمیز عذاب ان کے قومی غرور کو جھاڑنے کے لئے بڑی مناسب سزا ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم ایمان لاؤ ان (تمام) کتابوں پر جو اللہ تعالیٰ نے (متعدد پیغمبروں پر) نازل فرمائی ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو صرف اس (ہی) کتاب پر ایمان لاویں گے جو ہم پر

وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ؕ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○

نازل کی گئی ہے (یعنی تورات) اور جتنی اسکے علاوہ ہیں ان سب کا انکار کرتے ہیں حالانکہ وہ بھی حق ہیں اور تصدیق کرنیوالی بھی ہیں اس کی جو انکے پاس ہے (یعنی توراۃ) کی آپ (یہ) کہئے کہ (اچھا تو) پھر کیوں قتل کیا کرتے تھے

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ○

اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) تم لوگوں کے پاس صاف صاف دلیلیں لائے (مگر اس پر بھی تم لوگوں نے گوسالہ کو (معبود) تجویز کر لیا موسیٰ علیہ السلام کے (طور پر جانے کے) بعد اور تم (اس تجویز میں) ستم ڈھا رہے تھے

ایک بے باکانہ جواب

فرماتے ہیں کہ "یہود سے جب کہا جاتا ہے کہ اس کلام پر ایمان لاؤ جو خدا تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر تو ایمان رکھتے ہیں جو ہمارے اوپر نازل ہوا ہے اور جو کچھ اس کے علاوہ ہے اس سے یہ کفر کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ خود بھی حق ہے اور اس کی بھی تصدیق کرنے والا ہے جو ان کے پاس ہے۔ اچھا آپ ان سے کہئے کہ تم اس سے پہلے انبیاء کو کیوں قتل کرتے رہے ہو؟ اگر تم واقعی ایمان والے تھے اور موسیٰ تمہارے پاس کھلے ہوئے نشان لے کر آئے اس پر بھی تم نے ان کے پیچھے گوسالہ اختیار کر لیا اور تم تو ہو ہی ظالم"۔

قرآن مجید یا ہر آسمانی کتاب پر ایمان لانے کا جب بھی یہود سے مطالبہ ہوا تو وہ تورات کے علاوہ اور کسی پر ایمان لانے کیلئے تیار نہ ہوئے حالانکہ قرآن مجید انکی مذہبی کتاب یعنی تورات کی تصدیق کرتا تھا دونوں میں کوئی مخالفت نہ تھی بلکہ بعض مفسرین نے تو اس موقع پر یہ بھی لکھا ہے کہ جب یہود نے قرآن مجید کے ان اجزاء اور واقعات کا انکار کیا جو تورات کے مضامین کی تصدیق کرتے تھے تو گویا کہ انہوں نے تورات کا بھی انکار کیا۔ دریافت فرماتے ہیں کہ تم اس سے پہلے انبیاء کو کیوں قتل کرتے رہے ہو۔ آیت میں مستقبل کا صیغہ یعنی تقتلون، ماضی یعنی قتلتم کے معنے میں استعمال ہوا ہے یعنی گذشتہ زمانہ میں یہ عظیم جرم قتل انبیاء کا تم سے کیوں سرزد ہوا ہے؟ اگر تم واقعی محمدؐ سے پہلے انبیاء پر ایمان رکھتے تھے۔ یہ انکے ایک غلط دعوی یعنی تورات پر ایمان کا اعلان کا تردیدی جواب ہے کہ اگر تم تورات پر ایمان رکھتے تھے جیسا کہ تم کہتے ہو پھر بتاؤ تم نے انبیاء کو کیوں قتل کیا؟ کیا تورات میں کوئی حکم انبیاء کو قتل کرنے کے سلسلہ میں دیا گیا تھا جو تم نے ایسا کیا۔؟

ایک ضعیف روایت کے مطابق، بیت المقدس میں صرف ایک دن میں تین سو نبی، یہود کے ہاتھ قتل ہوئے۔ فرماتے ہیں کہ کچھ نہیں انکار و کفر تو یہود کی عادت ہی ہے۔ دیکھو حضرت موسیٰؑ ان کے پاس کیا کیا معجزات، دلائل اور نشانیاں لے کر آئے تھے لیکن جب وہ طور پر خدا تعالیٰ کے حکم کے مطابق تورات کے لئے گئے تو انھوں نے ان کی عدم موجودگی میں سامری کے کہنے سے گوسالہ کی عبادت شروع کر دی تھی اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ تمہاری عادت تو انکار و کفر کی خوگر ہو گئی ہے، چنانچہ قرآن مجید کا انکار اس وجہ سے نہیں کہ تم تورات پر ایمان رکھتے ہو بلکہ یہ انکار بھی محض تمہاری خوئے بد کا مظاہرہ ہے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ؕ قَالُوْا

اور (وہ زمانہ یاد کرو) جب ہم نے تمہارا قول و قرار لیا تھا اور طور کو تمہارے (سروں کے) اوپر لا کھڑا کیا تھا اور (حکم دیا کہ) جو کچھ (احکام) ہم تمکو دیتے ہیں ہمت (اور پختگی) کیساتھ اور سنو

سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ۗ وَاُشْرِبُوْا فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ؕ قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ

اسوقت انھوں نے (زبان سے تو) کہدیا کہ ہم نے سن لیا اور ... اور ہم سے عمل نہ ہو گا ... اور وجہ اسکی یہ ہے کہ انکے قلوب میں (وہی) گوسالہ پیوست ہو گیا تھا انکے کفر (سابق) کی وجہ سے۔

إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۝ قُلْ إِن كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِندَ اللَّهِ خَالِصَةً مِّن

اگر تم (اب بھی) اہل ایمان ہو۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر (بقول تمہارے) عالم آخرت محض تمہارے ہی لئے نافع ہے بلا شرکت غیرے تو تم (اس کی تصدیق کے لئے ذرا)

دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝ وَلَن يَتَمَنَّوْهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ

موت کی تمنا کر (کے دکھلا) دو اگر تم (اس دعوی میں) سچے ہو۔ اور وہ ہرگز کبھی اس (موت) کی تمنا نہ کریں گے بوجہ (خوف سزا) ان اعمال (کفریہ) کے جو اپنے

وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ۝ وَلَتَجِدَنَّهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ عَلَىٰ حَيَاةٍ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا

اور اللہ تو خوب اطلاع ہے ان ظالموں (کے حال) کی۔ اور آپ ان کو حیات (دنیویہ) کا حریص اور (عام) آدمیوں سے (بھی) بڑھکر پاویں گے۔ اور مشرکین سے بھی ان میں کا ایک ایک

يَوَدُّ أَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ أَلْفَ سَنَةٍ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهِ مِنَ الْعَذَابِ أَن يُعَمَّرَ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ۝

(شخص) اس ہوس میں ہے کہ اس کی عمر ہزار برس کی ہو جائے اور یہ امر عذاب سے تو نہیں بچا سکتا کہ کسی کی بڑی عمر ہو جائے اور حق تعالیٰ کے سب پیش نظر ہیں ان کے اعمال (بد) (۹۶)

الربع — ع ۱۰

عہد اور اس سے روگردانی

"فرماتے ہیں (اور وہ وقت بھی یاد کرو) جب ہم نے تم سے قول و قرار لیا تھا، اور تمہارے اوپر کوہ طور بلند کیا تھا کہ جو کچھ ہم نے تم کو دیا ہے اسے مضبوطی کے ساتھ پکڑو اور سنو، یہ (اس وقت) بولے تھے کہ (ہاں) ہم نے تو سُن لیا مگر ہم نے مانا نہیں اور ان کے دلوں میں گوسالہ ان کے سابق کفر کی وجہ سے پیوست ہو گیا تھا۔ آپ کہہ دیجئے کہ (کیسی) بری بات ہے وہ جس کا علم تم کو تمہارا ایمان دے رہا ہے اگر تم واقعی ایمان والے ہو۔ آپ کہہ دیجئے اگر عالم آخرت خاص تمہارے ہی لئے ہے دوسروں کو چھوڑ کر تو موت کی آرزو کر دیکھو اگر تم سچے ہو لیکن وہ اس کی آرزو ہرگز کبھی بھی نہ کریں گے، بہ سبب ان بداعمالیوں کے جو یہ اپنے ہاتھوں سمیٹ چکے ہیں۔ اللہ ظالموں سے خوب واقف ہے اور آپ انہیں زندگی پر حریص سب لوگوں سے بڑھ کر پائیں گے یہاں تک کہ مشرکوں سے بھی بڑھ کر ان میں سے ایک ایک یہ چاہتا ہے کہ ہزار ہزار برس کی عمر پائے حالانکہ اتنی عمر اگر وہ پا بھی جائے تو یہ امر اسے عذاب سے تو نہیں بچا سکتا اور جو کچھ وہ کر رہے ہیں اللہ اسے خوب دیکھ رہا ہے۔"

یہ واقعہ رفع طور کا اگرچہ اس سے پہلے آچکا تھا لیکن بعض خاص فوائد کے تحت پھر نقل فرما رہے ہیں ان سے تورات میں موجود احکام پر عمل کا پرزور مطالبہ تھا لیکن انہوں نے بظاہر تو حکم سن لیا لیکن دل ان کے احکام کی اطاعت سے منکر رہے، خدا تعالیٰ چاہتے تھے کہ احکام کو سننے کے بعد عمل ہونا چاہئے اور یہودی صرف سننے کی حد تک بات رکھنا چاہتے تھے، عمل کا کوئی جذبہ ان میں موجزن نہ تھا۔ گوسالہ (بچھڑے) کی محبت ان کے دلوں میں بیٹھ چکی تھی اور اسی کی عبادت کرنا چاہتے تھے۔ یہ تمنا اُن کے رگ و پے میں اس طرح سرایت کر چکی تھی جیسا کہ کپڑے پر رنگ چڑھ جاتا ہے باطل پرستی کا بڑھتا ہوا یہ رجحان، ان کے کفر کی وجہ سے ان میں پیدا ہوا نیز اس وجہ سے کہ وہ خدا تعالیٰ کو عام مخلوقات ہی جیسا (معاذ اللہ) سمجھتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ ان سے فرمائیے کہ ایمان کے ہوتے ہوئے اگر ان خرافات میں مبتلا ہو تو ماننا پڑے گا کہ تمہارا ایمان تم کو بری چیز کا حکم دیتا ہے کیونکہ تورات جس پر تم یقین رکھتے ہو اس میں تو کہیں گوسالہ کی عبادت کا ذکر آیا نہیں خدا تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ تمہارا ایمان تم کو برا حکم دے رہا ہے، ایک محاورہ کی گفتگو ہے ورنہ ظاہر ہے کہ ایمان تو ایک خدا ہی کی عبادت کی دعوت دیتا ہے، غیر اللہ کی پرستش کی جانب۔ صحیح ایمان ہرگز نہیں بلاتا بلکہ انکی طرف تو ایمان کی نسبت بھی ایک غلط چیز ہے کیونکہ ان کے پاس ایمان تھا ہی کہاں؟ لیکن اس کے باوجود ایمان کے دعویدار تھے اس لئے گفتگو میں یہ لب و لہجہ اختیار فرمایا۔[ع] ورنہ ظاہر ہے کہ

ع اس آیت میں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہود نے عصینا زبان سے کہا، اور پھر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اگر وہ زبان سے (باقی بر صـ ۱۸)

وہ ہرگز مومن نہ تھے اور نہ خدا تعالےٰ کو انکا ایمان کا دعویٰ تسلیم تھا جیسا کہ خود فرما رہے ہیں، "ان کنتم مومنین" یعنی اگر تم مومن ہو۔

عجیب مطالبہ فرماتے ہیں کہ ان سے کہیئے کہ اگر جنت صرف تمہارے لئے مخصوص ہے جیسا کہ تم کہتے ہو اور تمہارے علاوہ کسی اور کو نہ ملے گی۔ (یہود کہتے تھے کہ لن یدخل الجنۃ الا من کان ھودًا) تو ذرا موت کی تمنا کرو، اگر تمہارا یقین ہے کہ جنت کے مستحق صرف تم ہی ہو یہ واقعہ ہے کہ جس کو یہ یقین ہوتا ہے کہ جنت مجھ کو ضرور ملے گی اس کو موت کا شدید اشتیاق ہوتا ہے، دنیا کی مصیبتوں کو چھوڑ کر، فردوس بریں کی نعمتوں سے لذت کام و دہن اس کا سب سے بڑا مقصود ہوگا۔ چنانچہ وہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین جن کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جنت کی خوشخبری دی تھی، موت کے طالب اور اس کے بہت خواہشمند تھے[سه] فرماتے ہیں کہ ہم بتائیں کہ یہود ہرگز مرنے کی تمنا نہ کریں گے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے

بقیہ حاشیہ صکا۔: "ہم نے مانا نہیں" کہہ رہے تھے تو خدا تعالےٰ نے کیوں طور کو ہٹالیا؟ اس اشکال کو حل کرنے کے لئے بعض مفسرین نے کہا کہ زبان سے کہنا ضروری نہیں بلکہ اس وقت ان کی دلی کیفیت یہ تھی کہ انہوں نے اس کو سنا لیکن نافرمانی کے بھرپور جذبہ کے ساتھ قبول کیا اسی حقیقت کی تعبیر خدا تعالےٰ نے "قول" سے کردی حالانکہ انہوں نے اس سلسلہ میں زبان سے کوئی بات نہیں کی تھی چنانچہ فخر رازی لکھتے ہیں کہ "قال ابومسلم وجائز ان یکون المعنی سمعوہ وتلقوہ بالعصیان فعبر عن ذلک بالقول وان لم یقولوہ" اور بعض نے کہا ہے کہ "زبان حال" کے لئے "قول" کا لفظ مجازاً استعمال کیا گیا ہے جیسا کہ روح المعانی میں ہے کہ المعنی قالوا بلسان القال سمعنا، وبلسان الحال عصینا " ویسے بھی عربی میں لفظ "قول" بہت سے معنوں میں استعمال ہے صرف "کہنا" ہی اس کے معنے نہیں ہیں۔

سه چنانچہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق لکھا ہے کہ صفین کی لڑائی میں جب ان کے نور نظر حضرت حسین رضؓ نے انکو نہایت بے باکانہ انداز میں ادھر اُدھر پھرتے دیکھا تو عرض کیا کہ ذرا احتیاط سے قدم اٹھائیے لڑائی کا موقع ہے اور آپ اس قدر بے پروائی سے کام لے رہے ہیں حضرت علی رضؓ نے فرمایا کہ "لخت جگر! آج کیا، موت سے کبھی بھی خوف تمہارے باپ پہ طاری نہ ہوا خواہ موت مجھ پر آپڑے، یا میں موت پر جا پڑوں"۔

ابن رواحہ رضی اللہ عنہ روم کے محاذ پر جوش و مسرت میں یہ رزمیہ بار بار پڑھتے، لو وہ جنت قریب آگئی جس کا انتظار تھا مبارک ہو مبارک ہو کیسی پاکیزہ جگہ اور کتنا خوشگوار ہوگا وہاں کا پانی - اور روم سو اس پر عذاب الٰہی و قہر خداوندی بس پڑنے ہی کو ہے، حضرت عمارؓ، صفین کی لڑائی میں بار بار پر از مسرت لہجہ میں کہتے کہ "کل محمدؐ اور ان کے اصحابؓ سے ملاقات ضرور ہوگی" مفسرین نے یہاں بھی بحث کی ہے کہ موت کی تمنا درست ہے؟ اگر درست ہے تو احادیث میں موت کی تمنا اور دعا سے کیوں منع کیا گیا؟ اور اگر غلط ہے تو پھر یہودیوں سے اس طرح کا مطالبہ کیسے صحیح تھا؟ جواب یہ ہے کہ جنت کے شوق، خدا تعالےٰ کے دیدار کی تمنا میں موت کی دعا اور تمنا بری بات نہیں بلکہ ایک بہترین جذبہ ہے۔ لیکن زندگی کی مصیبتوں سے گھبرا کر موت کی دعا، یا خواہش اچھی بات نہیں، اور اسی سے روکا گیا ہے۔ چنانچہ علامہ آلوسی زادہ صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ ان تمنی الموت لاجل الاشتیاق الی دار النعیم ولقاء الکریم غیر منہی عنہ انما المنہی عنہ تمنیہ لاجل ضر اصابہ فانہ اثر الجزع وعدم الرضاء بالقضاء وفی الحدیث لا یتمنین احدکم الموت لضر نزل بہ" روح المعانی ص۳۲۸ جلد اول ہمارے قدیم مفسرین نے اس آیت پر ایک عجیب اشکال یہ کیا ہے کہ اگر الٹ کر یہی مطالبہ یہود، مسلمانوں سے کر دیتے تو کیا ہوتا یعنی اگر یہود کہتے کہ اچھا تم ہی مرنے کی تمنا کرو۔ پھر مفسرین نے اپنے اپنے انداز میں اس کو حل کیا ہے، لیکن اسکا سب سے دلنشین حل یہ ہے کہ مسلمانوں اور یہود کے تصورات وافکار میں تو ایک کھلا اور بنیادی فرق یہ ہے کہ مسلمان کبھی بھی نجات کو، اپنا پیدائشی یا

باقی بر صـ۱۹

محمدؐ کی رسالت تسلیم کرنے سے انکار کیا، اللہ کی نازل کردہ کتاب میں تحریف کی اور اس کے علاوہ بہت سے گناہ کئے جس کے بعد اخروی زندگی کی تباہی کا انکو یقین ہے اور جس کو یہ یقین ہو وہ کبھی بھی مرنا نہ چاہے گا خدا تعالےٰ کا یہ ارشاد، ایک معجزہ ہے، کیونکہ اسمیں غیب کی ایک خبر دی گئی ہے اور ایسا ہی ہوا کہ واقعی یہود نے موت کی تمنا نہیں کی اور اگر کرتے تو تاریخ اسکو ضرور محفوظ رکھتی جیساکہ تاریخ نے دوسرے حوادث و واقعات کو ہمیشہ کے لئے محفوظ رکھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے اس لئے اس کے عذاب سے یہ بچ کر کہاں جائیں گے؟

فرماتے ہیں کہ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ آپ ان یہودیوں کو لمبی زندگی کا سب سے زیادہ خواہشمند پائیں گے۔ تا آنکہ مشرکین سے بھی زیادہ یہ طول عمر کے طالب رہتے ہیں، آیت میں مشرکین کا خصوصی طور پر ذکر حالانکہ "الناس" میں یہ بھی آچکے تھے بتاتا ہے کہ مشرکین تمام انسانوں میں سب سے زیادہ لمبی عمر کے طالب و خواہشمند ہیں جیساکہ ملائکہ کے عام لفظ میں سب ہی فرشتے آجاتے ہیں لیکن جبرئیل و میکائیل علیہما السلام کا بوجہ بعض خصوصی اسباب کی بنا پر ذکر ہوتا ہے آیت میں اہل کتاب کیلئے ایک طرح کی تنبیہ ہے اور وہ یہ کہ مشرکین آخرت پر ایمان نہ رکھنے کیوجہ سے اسی دنیا کو اپنی جنت سمجھتے ہیں تو ان کا دنیاوی زندگی کے طول کو چاہنا جب باعث عتاب ٹھیرا تو اہل کتاب جو اخروی زندگی کا مستقل نظریہ رکھتے ہیں اس کے باوجود وہ دنیا کی لمبی چوڑی زندگی کے طالب ہوں تو کتنا برا ہے۔ اور یہود کی یہ تمنا، مشرکین سے اس وجہ سے بڑھی ہوئی تھی کہ یہود خواہ زبان سے کچھ بھی کہیں لیکن اپنی بداعمالیوں کی بنا پر اتنا وہ بھی بہر حال جانتے تھے کہ جہنم کا عذاب ہمکو ضرور مل کر رہے گا، تو اسی سے بچنے کے لئے، لمبی چوڑی زندگی کی تمنائیں ان کے دلوں اور زبانوں پر ہمیشہ رہتی ہیں[ع]

ارشاد ہے کہ یہود میں سے ہر ایک چاہتا ہے[معہ] کہ میری عمر ہزار ہزار سال کی ہو جائے، بعض بعض لوگوں نے، بجائے مشرکین کے "الذین اشرکوا" سے مجوسی مراد لئے ہیں کیونکہ وہ اپنے بادشاہوں کو دعا دیتے ہوئے کہتے کہ تم "سلامت رہو ہزار برس" ابن عباس سے بھی یہی منقول ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ مشرکین سے مراد یہود ہیں کیونکہ یہود ہی نے عزیر علیہ السلام کو اللہ کا (معاذاللہ) بیٹا کہہ کر شرک کیا تھا فرماتے ہیں کہ اگر ہزار سال کی فرض کرو عمر ہو بھی جائے تو بھی یہ لمبی زندگی ان کو اللہ تعالےٰ کے عذاب سے بچا نہیں سکتی "ان یعمر" ترکیب کے اعتبار سے مزحزحہ کا فاعل ہے پوری عبارت یوں ہے کہ وما احدھم بمن یزحزحہ من النار تعمیرہ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ "بمزحزحہ" مبہم ہو اور "ان یعمر" اس کی وضاحت کرتا ہو زحزح کے معنی لغت میں ہٹانے، دور کرنے کے آتے ہیں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ یہود کے تمام اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸ یا تو می حق نہیں سمجھتا بلکہ وہ تو یقین رکھتا ہے کہ نجات کے لئے ایمان اور عمل صالح ضروری ہے، جبکہ یہ یہود محض یہودی ہونا کافی سمجھتے تھے، اور اسی لئے نجات اپنا حق گردانتے خواہ ایمان صحیح ہو یا نہ ہو اور عمل صالح ہو یا نہ ہو۔ نیز یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ مطالبہ صرف، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصر یہود سے تھا بعد کے یہودیوں سے یہ مطالبہ نہیں ہے جیساکہ صحابہ رضی نے اس آیت کی تفسیر میں یہی ذکر فرمایا ہے۔ روح المعانی میں نافع تلمیذ، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ میرے اور ایک یہودی میں مناظرہ ہوا یہودی کہتا تھا کہ قرآن مجید میں لکھا ہے کہ یہودی موت کی تمنا نہیں کر سکتے لو میں کرتا ہوں دیکھیں کیا ہوتا ہے حضرت ابن عمر کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ اس ملعون کو بتا دو کہ یہ مطالبہ صرف آنحضورؐ کے دور میں موجود یہود سے تھا بعد کے یہودیوں سے نہیں ہے۔

[ع] چنانچہ اصحّ الکتب صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ اگر یہودی موت کی تمنا کرتے تو ایک بھی باقی نہ رہتا جیساکہ بخاری میں ہے لو ان الیہود تمنوا الموت لماتوا

[ع] عجیب بات ہے قرآن مجید کی صداقت آج چودہ سو سال کے بعد بھی اپنی صداقت و سچائی کا لوہا منوا رہی ہے لمبی زندگی اس کی تدابیر، اسکی مناسب غذائیں، ادویہ، ماحول، اور بخشیں، حفظان صحت جن سب کے نتیجہ میں عمر بڑھ جائے ان سب کوششوں میں آج بھی پیش پیش یہودی ڈاکٹر ہی ہیں۔

[معہ] بعض مفسرین نے ضمیر مشرکین کی طرف لوٹائی ہے اور بعض نے یہود کیطرف لیکن صحیح یہود کیطرف لوٹانا ہی ہے چنانچہ ابن کثیر میں ہے کہ ای یود احد الیہود

اس لئے یہ جو کچھ کر رہے ہیں اس کی پوری پوری سزا ان کو مل کر رہے گی۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى

آپ ان سے کہئے کہ جو شخص جبرئیل سے عداوت رکھے (۱) سو انہوں نے یہ قرآن آپکے قلب تک پہنچا دیا ہے خداوندی حکم سے اسکی خود یہ حالت ہے کہ تصدیق کر رہا ہے اپنے سے قبل والی (آسمانی) کتابوں کی

وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ○ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ

اور خوشخبری سنا رہا ہے ایمان والوں کو جو کوئی شخص خدا کا دشمن ہو اور فرشتوں کا ہو اور پیغمبروں کا ہو اور جبرئیل کا ہو اور میکائیل کا ہو تو ان سب کا

اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ○ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ○

وبال ہے کہ اللہ تعالیٰ دشمن ہے ایسے کافروں کا ، اور ہم نے تو آپکے پاس بہت سے دلائل واضحہ نازل کئے ہیں اور (قاعدہ کلیہ ہے کہ) کوئی انکار نہیں کیا کرتا ایسے دلائل کا مگر صرف وہی

اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ وَلَمَّا

لوگ جو عدول حکمی کے عادی ہیں (۲) کیا (۳) اور جب کبھی ان لوگوں نے کوئی عہد کیا ہوگا ضرور اسکو انہیں کے کسی نہ کسی فریق نے نظر انداز کر دیا ہوگا بلکہ انمیں زیادہ تو ایسے ہی نکلیں گے (جو یقین ہی نہیں رکھتے) اور جب

جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا

ان کے پاس ایک (عظیم الشان) پیغمبر آئے اللہ کیطرف سے جو تصدیق بھی کر رہے ہیں اس کتاب کی جو ان لوگوں کے پاس ہے (یعنی توراۃ کی) تو ان اہل کتاب میں سے ایک فریق نے خود

الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ○

اس کتاب اللہ ہی کو پس پشت ڈال دیا جیسے انکو گویا (اس کے مضمون کا) اصلا علم ہی نہیں۔

اور یہ دشمنی

ارشاد ہے کہ آپ فرما دیجئے کہ جو کوئی جبرئیل کا مخالف ہے تو انہوں نے اس قرآن کو آپ کے قلب پر اللہ کے حکم سے اتارا ہے وہ تصدیق کرنے والا ہے اس کلام کا جو اس کے قبل سے ہے اور ہدایت ہے اور ایمان والوں کے لئے خوشخبری ہے جو کوئی مخالف ہو اللہ کا، یا اس کے فرشتوں کا، یا اس کے پیغمبروں کا یا جبرئیل کا یا میکائیل کا تو اللہ بھی بالیقین مخالف ہے ایسے کافروں کا اور بالیقین ہم نے آپ پر روشن نشان اتارے ہیں اور ان سے کوئی (بھی) انکار نہیں کرتا بجز نافرمانوں کے، کیا یہ ہے کہ انہوں نے جب کبھی بھی کوئی عہد کیا ہے تو انھیں میں سے کسی نہ کسی جماعت نے توڑ ہی پھینکا ہے اصل یہ ہے کہ ان میں سے زیادہ تر تو اعتقاد ہی نہیں رکھتے اور جب ان کے پاس پیغمبر اللہ کیطرف سے آئے، تصدیق کرتے ہوئے اس کتاب کی جو ان کے پاس موجود تھی تو ان اہل کتاب میں سے ایک جماعت نے کتاب اللہ کو اپنی پشت کے پیچھے ڈالدیا گویا کہ وہ جانتے بوجھتے ہی نہیں۔

جبرئیل، جیم کے فتحہ اور راء کے کسرہ کے ساتھ ہو بغیر ہمزہ۔ اور بعض کی تحقیق کے مطابق جیم، راء کے فتحہ اور ہمزہ کے ساتھ اس کو پڑھا جائے گا۔ اور بعض جیم اور راء دونوں کو کسرہ کے ساتھ پڑھتے ہیں اور ہمزہ اس کا صرف نہیں مانتے۔ یہ غیر منصرف ہے اسباب منع صرف، معرفہ اور عجمہ اس میں موجود ہیں۔ اس لفظ کے معنے، عبداللہ یعنی اللہ کا بندہ آتے ہیں کیونکہ سریانی زبان میں، جبر کے معنی، بندہ کے ہیں، اور ایل، اللہ کا نام ہے۔

شان نزول یا آیت کا پس منظر!

اس آیت کا پس منظر یہ ہے کہ ابن صوریا جو اسلام کا زبردست مخالف، اور یہودیوں کا بڑا عالم تھا، ایک مرتبہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھنے لگا کہ آپ پر وحی لے کر کون آتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جبرئیل، وہ بولا کہ وہ جبرئیل تو ہمارے دشمن ہیں اگر آپکے انکے علاوہ کوئی دوسرا فرشتہ وحی لیکر آتا تو ہم آپ پر ضرور ایمان لے آتے، دیکھئے، جبرئیل، بارہا ہماری دشمنی کا مظاہرہ کر چکے ہیں انکا سب سے زیادہ مظاہرہ ہماری عداوت کا وہ تھا کہ وہ ہمارے نبی کے پاس وحی لیکر آئے کہ بخت نصر بیت المقدس کو تباہ و برباد کر دیگا۔ اس خبر کو سنکر ہمنے ایک ایسا آدمی روانہ کیا جو "بخت نصر" کو قتل کر دے۔ بابل شہر میں ہمارے

اس فرستادہ کو بخت نصر ایک گمنام بچہ کی شکل میں ملا - ہمارا آدمی چاہتا تھا کہ اس کو قتل کر دے لیکن جبرئیل یہ کہتے ہوئے مانع ہو گئے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اس کے ہاتھوں بیت المقدس کی تباہی لکھدی ہے تو تم اس پر ہرگز غالب نہیں آسکتے اور اگر اس کے ہاتھوں بربادی نہیں ہے تو خواہ مخواہ تم اس بے گناہ کو کیوں مارتے ہو؟ؑ (بہرحال حضرت جبرئیل علیہ السلام سے مخالفت و عداوت کی کوئی معقول وجہ تو ہو نہیں سکتی)، اس لئے کہ جبرئیل نے تو یہ قرآن آپؐ پر خدا تعالےٰ کے حکم سے نازل کیا ہے (پھر ان سے مخالفت و عداوت کی کیا وجہ ہو سکتی ہے)

یہاں خدا تعالےٰ نے "نزّلہٗ" اور "فانہ" میں ضمیر ذکر فرمائی حالانکہ ماقبل میں کوئی ذکر آیا نہیں تھا، ضمیر کا یہ استعمال کسی کی عظمت شان پر دلالت کرتا ہے گویا کہ جبرئیل اس قدر مشہور ہیں کہ ان کی شہرت ان کے تذکرہ سے بے نیاز کرتی ہے اور ان کی صفات کا تذکرہ کافی ہے، صراحتہً نام لینے کی ضرورت نہیں ہے۔

خدا تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے قرآن مجید آپ کے قلب پر نازل کیا ہے، قلب وہ موقع ہے جہاں انسان کے معلومات محفوظ رہتے ہیں اس موقع پر مضمون یہ ہونا چاہئے تھا کہ اللہ تعالےٰ نے کلام کو میرے قلب پر نازل کیا لیکن اس کے بجائے کلام یہ ہے کہ آپ کے قلب پر بحکم خدا نازل ہوا گویا کہ یہ کلام کی اسی طرح حکایت ہے جیسے خدا تعالےٰ نے فرمایا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر یہود منصفانہ نقطۂ نظر سے کام لیتے تو ان کو حضرت جبرئیل سے مخالفت و بدگمانی کے بجائے ان کا ممنون ہونا چاہئے تھا کہ وہ ایک ایسا عظیم کلام لے کر آپؐ پر نازل ہوئے جو ان مضامین کی تصدیق کرتا ہے جو پہلے سے یہودیوں میں مشہور ہیں بعض مفسرین نے، عبارت کا حاصل یہ بھی بتایا ہے کہ جو جبرئیل کی مخالفت کرتا ہو اس کو اسی غیظ و غضب میں مر جانے دیجئے جبرئیل تو بہرحال اس عظیم متاع کو آپ کے قلب اطہر پر بحکم خدا نازل کر چکے ہیں۔

یہودیوں کے خیالات کی تردید

فرماتے ہیں کہ یہ یہود کہتے ہیں کہ جبرئیل ہمارے لئے مصائب کے احکام لے کر آتے ہیں کیسی غلط بات ہے حالانکہ جبرئیل تو ایک پیغام رحمت لے کر نازل ہوئے جو آسمانی کتابوں کے مضامین کی تصدیق کرتا ہے سراپا ہدایت ہے اور مومنین کے لئے، ایک کامل بشارت ہے اس کے بعد ارشاد ہے کہ ہماری طرف سے کھلا اعلان ہے کہ جو اللہ کا دشمن ہو یا اس کے فرشتوں کا اور ایسے ہی اس کے انبیاء و رسل کا یا جبرئیل و میکائیل کا تو خوب سن لو کہ خدا تعالےٰ بھی ایسے لوگوں کا جو یہ مخالفت رکھتے ہوں دشمن ہے اگرچہ آیت میں تمام ہی فرشتوں کا ذکر آگیا تھا لیکن جبرئیل و میکائیل کا خصوصی تذکرہ ان کی عظمت شان کی

عہ علامہ آلوسی زادہ نے روح المعانی میں اس کے علاوہ اس آیت کا ایک اور شان نزول (پس منظر) ذکر فرمایا ہے وہ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہودیوں کے مدرسہ میں پہنچے تو یہودیوں سے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے متعلق پوچھا کہ تمہارا ان کے بارے میں کیا خیال ہے؟ کہنے لگے کہ ارے وہ تو ہمارے دشمن ہیں کیونکہ محمدؐ کو ہمارے راز کی باتیں بتاتے ہیں۔ اور دنیا میں ہمیشہ عذاب لے کر ہی آتے ہیں۔ ان کے مقابل میں میکائیل بڑے اچھے ہیں کیونکہ ان کے ذمہ دنیا میں شادابی اور سلامتی کو قائم رکھنے کا کام ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ اللہ کے یہاں ان دونوں فرشتوں کا کیا مقام ہے؟ بولے کہ جبرئیلؑ اللہ تعالےٰ کے دائیں جانب میں رہتے ہیں اور میکائیلؑ بائیں جانب، اور خود ان دونوں میں دشمنی ہے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر ایسا ہو جیسا کہ تم کہتے ہو تو پھر ان میں کوئی عداوت نہ ہونی چاہئے (اگر واقعی جبرئیل و میکائیل علیہم السلام کو خدا تعالےٰ کے یہاں اتنی قربت حاصل ہے اور وہ ایک دوسرے سے اسی درجہ قریب ہیں تو ان میں کوئی دشمنی نہ ہونی چاہئے)، اور تم گدھے سے بھی زیادہ کافر ہو اور یاد رکھو کہ انمیں سے کسی کا بھی جو کوئی دشمن ہو تو اللہ اسکا دشمن ہے، یہ کہہ کر عمرؓ لوٹے تو حضرت جبرئیل وحی لیکر نازل ہوئے جس میں حضرت عمرؓ کی رائے کی تصویب لی گئی تھی۔

وجہ سے ہے ؏

ایک خاص مسئلہ آیت میں اس حقیقت کی تصریح خوب ہوگئی کہ اللہ، فرشتوں اور انبیاء علیہم السلام کی عداوت دشمنی کفر ہے (فقہاء نے آیت ذیل سے استنباط کیا ہے کہ معصوموں کی اطاعت خدا تعالےٰ ہی کی اطاعت اور ان کی مخالفت، خدا تعالےٰ کی مخالفت کے ہم معنے ہے، نیز ان صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے سوءظنی جن کی فضیلت و منقبت تواتر کی حد تک پہنچ چکی ہے، اللہ تعالےٰ سے دشمنی ہے، اولیاء اللہ سے مخالفت بھی اسی درجہ مکروہ ہے)

آیات بینات فرماتے ہیں کہ اے محمد ہم نے آپ پر روشن نشان اتارے ہیں ؏ جن کا انکار، نافرمان لوگوں کے سوا اور کوئی نہیں کرتا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مشہور یہودی ابن صوریا نے آنحضور ﷺ سے کہا تھا کہ آپ پر کوئی ایسی چیز نازل نہیں ہوئی جس کو ہم جانتے ہوں اور سچ تو یہ ہے کہ آپ پر کچھ نازل ہی نہیں ہوا (بلکہ غلط طور پر آپ ﷺ نزول قرآن کا دعوٰی کرتے ہیں) اسی کے جواب میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ الفاسقون پر اگرچہ لام جنس کا ہے جس سے تمام ہی فاسق مراد ہیں لیکن بہتر یہ ہے کہ اہل کتاب ہی مراد لیے جائیں۔

یہ عجیب عادت فرماتے ہیں "کیا یہ ہے کہ انھوں نے جب کبھی بھی کوئی عہد کیا ہے تو انھیں میں سے کسی نہ کسی جماعت نے توڑ ہی پھینکا ہے اصل یہ ہے کہ ان میں سے زیادہ تر تو اعتقاد ہی نہیں رکھتے اور جب ان کے پاس پیغمبر اللہ کی طرف سے آئے تصدیق کرتے ہوئے اس کتاب کی جو ان کے پاس موجود تھی تو ان اہل کتاب میں سے ایک جماعت نے کتاب اللہ کو اپنی پشت کے پیچھے پھینک مارا گویا وہ جانتے بوجھتے ہی نہیں۔

"اوکلما" عطف کے لیے ہے جس کے ذریعہ ایک محذوف پر اس کا عطف ہو رہا ہے، پوری عبارت یہ ہے کہ ان یہودیوں نے آیات بینات کا انکار کیا اور نیز جب بھی ان میں سے کسی نے خدا تعالےٰ سے کوئی عہد کیا تو اس کو توڑ ڈالا اور یہ اس وجہ سے کہ انکی نظر میں دین کی کوئی اہمیت ہی نہیں تھی اس لئے وہ عہد و پیمان کو بھی کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے بلکہ بہت سے تو ان میں ایسے ہیں جو اس بات کو سرے سے مانتے ہی نہیں کہ انہوں نے کبھی خدا تعالےٰ سے اطاعت کا کوئی وعدہ بھی کیا تھا۔ ایفاء عہد تو

؏ عداوت کے مفہوم میں، صرف دشمنی ہی داخل نہیں بلکہ انکار، نافرمانی، حق ناشناسی غرضیکہ دوستی و اخلاص، محبت و یگانگت کے خلاف جتنی چیزیں ہیں سب ہی داخل ہیں۔ حضرت میکائیل علیہ السلام بھی حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طرح ایک مقرب فرشتہ ہیں، مشہور احادیث میں ہے کہ میکائیل ؑ سے متعلق رزق رسانی اور بارش وغیرہ کے کام ہیں جیسا کہ جبرئیل ؑ سے وحی و پیغام الٰہی کو انبیاء تک پہنچانے کا فریضہ متعلق ہے اس طرح جبرئیل ؑ بارگاہ الوہیت سے تعلق رکھتے ہیں اور میکائیل خدا تعالےٰ کی صفت ربوبیت سے متعلق ہیں ایک کا کام احکام تشریعی (جبرئیل) ہے تو دوسرے کا کام (میکائیل) تکوینی احکام کی انجام دہی ہے۔ تورات میں، میکائیل ؑ کا ذکر بڑے پر عظمت انداز میں ہے۔ یہودیوں نے اپنی رغبت کا اظہار حضرت میکائیل سے اور بدگمانی کا تذکرہ سیدنا جبرئیل سے کیا تھا اس لئے قرآن مجید نے ذکر صریحاً انھیں دو فرشتوں کا کیا۔

ویسے تو عام طور پر یہی مشہور ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تمام فرشتوں بلکہ مقرب چار فرشتوں میں بھی سب سے زیادہ افضل ہیں انکی فضیلت پر دلائل تو مفسرین نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق خوب لکھے ہیں، لیکن صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ ہمارے نزدیک ان کی فضیلت کے لئے یہ امتیاز کافی ہے کہ وہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کے رفیق جلوت و خلوت، معرکوں میں آپ کے شریک، آپ کے محب اور آپ کی امت کے عاشق ہیں۔ ص ۳۳۲

؏ آیات بینات سے مراد قرآن مجید کی آیات بھی ہوسکتی ہیں جیسا کہ امام رازی رکھتے ہیں کہ الاظهران المراد آيات القرآن لیکن بعض محققین کہتے ہیں کہ لفظ آیات بے حد وسیع اور جامع لفظ ہے اس لئے اس سے مراد قرآن مجید بھی ہے معجزات بھی کتب سابقہ پر اطلاع

باقی ص ۲۳

رہا درکنار، نیز جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور آپ کو قرآن مجید دیا گیا تو حالانکہ یہ قرآن، تورات کی تصدیق کرتا تھا لیکن یہودیوں نے ازراہ عناد خود تورات کا بھی ؏ انکار شروع کر دیا، کیونکہ تورات آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق کرتی تھی اور یہ انکار کرتے تھے اس لئے ضروری ہوا کہ یہ تورات ہی کا انکار کر دیں "وراء ظہورھم" ایک مثال ہے جس کا حاصل کسی چیز سے اعراض بے توجہی اور بے التفاتی ہے، یہ بے التفاتی اتنی شدید تھی کہ ان کے رویہ سے محسوس ہوتا کہ گویا وہ جانتے تک نہیں کہ یہ کتاب اللہ ہے اور اس کے ساتھ وہ معاملہ نہ کرنا چاہئے جو وہ کر رہے تھے یا یہ ان کی مذہبی کتاب ہے جس میں کوئی مضمون آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور آپ پر ایمان لانے سے متعلق موجود ہے۔

وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا

اور وہ (انہوں نے) ایسی چیز کا (یعنی سحر کا) اتباع کیا جسکا چرچا کیا کرتے تھے شیاطین (یعنی خبیث جن) حضرت سلیمان ؑ کے عہد سلطنت میں اور حضرت سلیمان ؑ نے کفر نہیں کیا مگر ہاں شیاطین

يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۤ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ۭ وَمَا

بیشک کفر (سحر) کرتے تھے اور حالت یہ تھی کہ آدمیوں کو بھی (اس) سحر کی تعلیم کیا کرتے تھے اور اس (سحر) کا بھی جو کہ ان دونوں فرشتوں پر نازل کیا گیا تھا شہر بابل میں جن کا نام ہاروت اور ماروت

يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۭ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ

وہ دونوں کسی کو نہ بتلاتے جب تک یہ (نہ) کہدیتے کہ ہمارا وجود بھی ایک امتحان خداوندی ہے سو تو کہیں کافر مت بن جائیو کہ اس میں پھنس جائے سو لوگ ان دونوں سے اس قسم کا

الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ۭ وَمَا هُمْ بِضَاۗرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّھُمْ وَلَا يَنْفَعُھُمْ

سحر سیکھ لیتے تھے جسکے ذریعہ سحر عمل کر کے کسی مرد اور اسکی بیوی میں تفریق پیدا کرا دیتے تھے اور یہ (ساحر) لوگ اسکے ذریعہ کسی کو بھی نہیں پہنچا سکتے مگر خدا ہی کی (تقدیری) حکم سے اور ایسی چیزیں

وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ڜ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَھُمْ ۭ لَوْ كَانُوْا

سیکھ لیتے ہیں جو خود انکو ضرر رساں ہیں اور انکو نافع نہیں ہیں۔ اور ضرور یہ (یہودی) بھی اتنا جانتے ہیں کہ جو شخص اسکو اختیار کرے ایسے شخص کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور بیشک بری ہے وہ چیز (یعنی سحر و کفر)

يَعْلَمُوْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّھُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝

اتنی عقل ہوتی۔ اور اگر وہ لوگ (بجائے سحر کے) ایمان اور تقویٰ اختیار کرتے تو خدا تعالیٰ کے ہاں کا معاوضہ (اس کفر و بدعملی سے) ہزار درجہ بہتر تھا۔ کاش ان کو (اتنی) عقل ہوتی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام پر ایک عظیم بہتان

فرماتے ہیں اور یہ لوگ پیچھے لگ لئے اس علم کے جو سلیمان کی بادشاہت میں شیطان پڑھا کرتے تھے اور سلیمان نے تو کبھی کفر نہیں کیا، البتہ شیطان ہی کفر کیا کرتے تھے لوگوں کو سحر کی تعلیم دیا کرتے تھے اور وہ پیچھے لگ لئے اس علم کے بھی جو بابل میں دو فرشتوں ہاروت و ماروت پر اتارا گیا تھا اور وہ دونوں کسی کو بھی اس فن کی باتیں نہیں بتاتے تھے جب تک یہ نہ کہدیتے کہ ہم تو

بقیہ حاشیہ صـ۲۲ اور سابق انبیاء کے معجزات پر اطلاع بھی چنانچہ اندلسی، بحر المحیط میں لکھتے ہیں کہ ای القران والمعجزات المقرونة بالتحدی عما خفی واخفی فی الکتب السابقة او مجموع کل ما تقدم"

ع کتاب اللہ سے یہاں مراد کیا ہے، مفسرین کے اس سلسلہ میں مختلف اقوال ہیں آپ یوں سمجھئے کہ قرآن مجید سے تو یہودیوں کی عداوت و بغض، قرآن مجید سے اعراض اور اس کا انکار تو ایک کھلی بات تھی جس کو بتانے کی کوئی خاص ضرورت نہیں لیکن غضب تو یہ ہوا کہ یہودیوں نے محض آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ضد اور عناد میں تورات کا بھی انکار شروع کر دیا تھا کیونکہ اس میں نبی آخر الزماں پر ایمان لانے کی تاکید، صفات اور علامتیں موجود تھیں رازی نے لکھا ہے کہ "قیل انہ التوریة وھذا ھو الاقرب"

بس ایک ذریعہ امتحان ہیں سو تم کہیں کفر نہ اختیار کرلینا۔ مگر لوگ ان دونوں سے وہ سیکھ ہی لیتے جس سے وہ شوہر اور اس کی بیوی میں جدائی ڈالتے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ کے ارادہ کے بغیر کسی کو نقصان تو قطعاً پہونچا نہیں سکتے۔ اور یہ وہ چیزیں سیکھتے ہیں جو ان کو نقصان پہنچا سکتی ہیں۔ اور انھیں نفع نہیں پہنچا سکتیں اور یہ بھی خوب جانتے ہیں کہ جس نے اسے اختیار کرلیا اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ اور بہت ہی بری وہ چیز ہے جس کے عوض میں انھوں نے اپنے آپ کو بیچ ڈالا ہے۔ کاش وہ اتنا ہی جانتے۔ اور اگر وہ ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو اس کا ثواب اللہ کے یہاں کہیں بہتر ہوتا کاش وہ اتنا جانتے"

یہود ہی کے متعلق گویا کہ فرما رہے ہیں کہ انہوں نے کتاب اللہ کو چھوڑ کر ان شعبدوں اور جادو پر عمل پیرا ہونا شروع کردیا جو شیاطین حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور میں پڑھتے تھے، جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے کہ شیاطین، عالم علوی تک پہنچتے اور کچھ وہاں سے لے اڑتے پھر اس میں سینکڑوں جھوٹ ملا کر کاہنوں، نجمین، رمال وغیرہ کے کانوں میں پھونک دیتے، یہ لوگ ان کو عام لوگوں میں پھیلاتے۔ کچھ صحیح ہوجاتا اور اکثر غلط، اس طرح کی چیزوں اور مضامین سے لبریز کتابیں بھی تیار ہوئیں اور سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں ان کی علانیہ تعلیم ہونے لگی، شہرت ان لغو علوم کی یہاں تک پہنچی کہ ایک عام عقیدہ یہ بننے لگا کہ جنات غیب جانتے ہیں بلکہ دعوے کئے جانے لگے کہ سلیمان بھی یہی علوم جانتے ہیں بلکہ ان کی یہ وسیع حکومت، اور قاہر حکمرانی انھیں علوم کے نتیجہ میں ہے۔ جنات، شیاطین، حیوانات، ہواؤں اور انسانوں پر ان کا یہ تسلط انھیں علوم کا براہ راست نتیجہ ہے۔ خدا تعالےٰ نے ان خرافات کی شدت سے تردید فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا، کہ سلیمان علیہ السلام نے کفر (سحر) نہیں کیا، شیاطین ان کے متعلق غلط پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ وہ سحر کرنے والے اور اس پر اعتقاد رکھنے والے تھے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ شیاطین جادو کرتے تھے اور وہی جادو سے متعلق چیزوں کو جمع کرتے اور ساتھ ہی جادو وغیرہ کی لوگوں کو تعلیم دیتے۔ ترکیب نحوی کے اعتبار سے السحر، حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے مطلب یہ ہوا کہ جادو وغیرہ کی تعلیم سے ان کا مقصد لوگوں کو گمراہ کرنا، راہ راست سے دور کرنا اور اس طرح کفر کرنا تھا۔

ہاروت وماروت

ع اور جو کچھ ان دو فرشتوں یعنی ہاروت وماروت پر بابل میں نازل کیا گیا تھا وہ اس کو کسی کو سکھاتے نہ تھے تاوقتیکہ یہ نہ کہدیں کہ ہم تمہارے لئے من جانب اللہ ایک آزمائش ہیں اس لئے تم کفر مت کرو" جمہور مفسرین کی رائے کے مطابق "ما" الذی کے معنے میں ہے، منصوب ہو کر السحر پر اسکا عطف ہورہا ہے اس ترتیب مضامین کے بعد معنے یہ ہوں گے کہ تعلیم دیتے تھے ان کو اس چیز کی جو فرشتوں پر نازل کی گئی تھی یا اس کا عطف "ماتتلوا" پر کیجیے، تو معنی یہ ہوں گے کہ اتباع کی اس چیز کی جو فرشتوں پر نازل کی گئی تھی۔ ہاروت وماروت عطف بیان ہے ملکین کا۔ اور گویا کہ یہ ان کے نام ہیں اور جو چیز ان پر نازل کی گئی تھی وہ جادو تھا۔ گویا کہ یہ خدا تعالےٰ کی طرف سے ابتلاء تھا کہ جو ان سے

ع۔ مصنف مدارک نے اس موقع پر ہاروت وماروت اور سحر سے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا، اور واقعہ کو جسطرح پیش کیا محققین کے یہاں ان کی صحت مخدوش اور کافی حد تک مشکوک ہے۔ سحر، سلیمان علیہ السلام کے واقعہ میں مفسرین کے اقوال، ہاروت وماروت کے متعلق محققانہ بحث ونظر قصہ زہرہ اور خرافاتی واقعات کی تردید، ان سب مباحث میں حقیقت پسندانہ نقطۂ نظر سامنے لانے کے لئے خاکسار مترجم کو تفصیل سے کام لینا پڑے گا۔ ذیلی عنوانات قائم کرکے نتائج بحث قارئین کے سامنے پیش کئے جائیں گے۔ سب سے پہلے ہم سحر اور اس کی حقیقت پر مفصل گفتگو کرتے ہیں۔

سحر اصل میں مصدر ہے جس کے معنے امر خفی اور چھپی ہوئی چیز کے ہیں۔ صبح کے اول وقت کو بھی سحر اسی لئے کہا جاتا ہے۔ باقی بر ۲۵

سیکھے اور پھر اس پر عمل کرے وہ گویا کہ کافر ہے بشرطیکہ ان کلمات سحر میں، کفریہ کلمات ہوں اور جو جادو سیکھنے سے پرہیز کرے یا محض اپنے دفاع اور حفاظت کے لئے سیکھے لیکن اس پر عمل نہ کرتا ہو تو وہ مومن ہے۔

کیا جادو کفر ہے

شیخ منصور ماتریدی رحؒ نے لکھا ہے کہ جادو کو مطلقاً کفر قرار دینا ٹھیک نہیں ہے بلکہ اس کو کفر کہنے اور نہ کہنے میں تھوڑی سی تفصیل سامنے رکھنی چاہئے۔ یوں سمجھیے کہ ایمانیات سے متعلق چیزوں کی اگر جادو کے کلمات میں خلاف چیزیں آگئیں تو بلا شبہ اس کو کفر کہنا چاہیے ورنہ تو نہیں، اور دوسری بات فقہی احکام سے متعلق یہ ہے کہ جادو کی وہ اقسام جو شرعاً ممنوع ہیں اگر کسی پر ثابت ہو جائیں تو سزا میں صرف مرد جادوگر قتل کئے جائیں گے، ساحرہ عورتیں جان سے نہ ماری جائیں گی، رہی جادو کی وہ صورتیں جو کفر کی فہرست میں تو نہیں آتیں لیکن ان سے دوسروں کو ہلاک کیا گیا اس کی سزا جادوگر، بڑے ڈاکوؤں کی سی جاری کی جائے گی اس میں مرد کی کوئی تخصیص نہیں۔ عورت بھی اگر کسی کو جادو سے مار دے گی تو اس کو یہی سزا دیں گے۔ نیز یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر جادوگر جادو سے توبہ کرلے تو اس کی توبہ قبول کرلی جائے گی جو شخص توبہ کے قبول کرنے سے انکار کرتا ہے اس کا انکار صحیح نہیں ہے، کیونکہ خدا تعالٰی نے فرعون کے ان ساحرین کی توبہ قبول فرمائی تھی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ پر لائے گئے تھے۔ بعض لوگوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ ان دونوں فرشتوں کے قلب میں سحر الہام کیا گیا تھا اگرچہ ساتھ ہی سحر اور جادو پر عمل کرنے سے ان کو روک بھی دیا گیا۔

بعض کہتے ہیں کہ فرشتوں نے ایک روز خدا تعالٰی کے سامنے، انسان کی بداعمالیوں پر کچھ کہا سنا اس پر خدا تعالٰی نے فرمایا کہ انسان میں "خیر" کے ساتھ "شر" بھی ہے اور تم میں سوائے خیر کے اور کچھ نہیں، اگر شہوات کا پیوند "نور" کے ساتھ لگا دیا جائے تو اے "نوری مخلوق" تم بھی وہی کچھ کرو گے جو دنیا میں انسان کرتا ہے، فرشتوں نے اس پر انکار کیا تو خدا تعالٰی نے فرمایا کہ اچھا تم اپنے میں سے دو فرشتے منتخب کرو تاکہ ہم ان میں "شر" کو بڑھا کر دنیا میں بھیجیں اور پھر تم کو معلوم ہو کہ ایک فرشتہ انسان کے

بقیہ حاشیہ صـ۲۴ کہ اس وقت اندھیرے کا غلبہ اور روشنی مضمحل ہوتی ہے اور اصطلاح علماء میں سحر کے معنی، ایسے عجیب و غریب امور کا نام ہے جن کے اسباب معلوم نہ ہوں چنانچہ امام رازی تفسیر کبیر جلد ا صـ۴۲۰ پر لکھتے ہیں کہ

"لفظ سحر شریعت کی اصطلاح میں ایسے امور کے لئے مخصوص ہے جن کے اسباب مخفی ہوں اور چیز اپنی حقیقت کے خلاف نظر آنے لگے۔" | اعلموان لفظ السحر فی عرف الشرع یختص بکل امر یخفی سببه ویتخیل علی غیر حقیقته

سحر، اکثر، شیطان سے تقرب، برے کاموں کو انجام دینے، شرکیہ الفاظ، اور شیطان کی تعریف و توصیف سے وجود میں آتا ہے عملی طور پر جادوگر، ستاروں کی پرستش کرتا ہے، برائیوں کا ارتکاب اور اقدام جرائم پر نڈر ہوتا ہے اسی طرح جادوگر کی عقائد کی کائنات اور سرمایہ بھی قابل نفرت ہوتا ہے کیونکہ وہ شیطانی تصرفات کو پسند کرتا ہے، شیطان سے قلبی تعلق اور محبت اس کا شیوہ اور برائیوں خباثتوں کا بدترین پیکر ہوتا ہے، کیونکہ مناسبت کے لئے شیطان اور ساحر میں یہ چند چیزیں ضرور مشترک ہونی چاہئیں جیسا کہ فرشتے انھیں پاک باطن نفوس سے تعاون کرتے ہیں جو سیرت کے صاف، تقویٰ کے حامل، نیکی پسند، عبادت سے دلچسپی لینے والے اور قول و عمل سے، تقرب الٰہی کے طالب و جویاں ہوں علامہ آلوسی نے یہ مختصر تفصیلات دینے کے بعد لکھا ہے کہ

"نبی اور ولی سے جادوگروں کا قطعاً علیحدہ اور جدا ہونا انھیں خطوط پر ہے" | "وبھذا ایتمیز الساحر عن النبی والولی"

اس کے بعد یہ بات رہ جاتی ہے کہ کیا سحر کی کوئی حقیقت ہے یا نہیں؟ یا محض نظر کا دھوکا اور ایک بے حقیقت افسانہ ہی تو اس سلسلہ میں جمہور کی رائے یہ ہے کہ سحر کی حقیقت ہے اور اس میں مفر اثرات خدا تعالٰی نے اپنی حکمت سے اسی طرح باقی برصفحہ ۲۶

روپ میں عمل و کردار کے اعتبار سے کس طرح آتا ہے، اس پر فرشتوں نے یہی دو فرشتے ہاروت و ماروت پیش کئے، یہ دنیا میں آئے تو ایک مشہور بے سوا، رقاصہ اور فتانہ زہرہ نامی طوائف سے ان کے تعلق ہو گئے۔ یہ دن دنیا میں گذارتے اور راتیں آسمان ہی پر بسر ہوتیں، لیکن زہرہ کی محبت کچھ ایسی زہرہ گداز ثابت ہوئی کہ شراب پی کر اس کے ساتھ زنا میں مشغول ہوئے۔ اس برے کام میں مشغول ان کو کسی انسان نے بھی دیکھ لیا تو افشار جرم اور رسوائی کے خطرہ سے انھوں نے اس آدمی کو مار ڈالا۔ خدا کا عذاب ہوا اور انھوں نے عذاب دنیا کو آخرت کے عذاب پر ترجیح دی اب یہ بابل کے کنوئیں میں الٹے لٹکے ہوئے ہیں۔ بابل زبانوں کے اختلاف کی وجہ سے اس کا نام پڑا۔ یہ دونوں فرشتے کسی کو بھی کچھ نہ سکھاتے تاوقتیکہ ان سے صاف صاف یہ نہ کہدیتے کہ دیکھو ہم اللہ کی جانب سے ایک آزمائش ہیں اور ابتلاء ہیں لہذا تم جادو سیکھکر کفر نہ کرو" فیتعلمون منھما" میں فا عطف کیلئے

بقیہ حاشیہ ص ۲۵ رکھدیئے ہیں جیسا کہ زہر میں ہلاکت کی تاثیر، گویا کہ جادو سے نقصان، خود جادو کوئی اپنی چیز نہیں بلکہ جادو سے جو نقصان پہنچ رہا ہے وہ سب کچھ من جانب اللہ ہی ہے امام آلوسی اپنی معرکۃ الآرا تفسیر روح المعانی میں رقمطراز ہیں۔

سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کرتے ہیں۔ .... ﴿ والفاعل الحقیقی فی کل ذلک ھو اللہ تعالیٰ

لیکن سیدنا الامام ابوحنیفۃ النعمان الکوفی الشہیر بالامام اعظم رحمۃ اللہ علیہ، اور ابوبکر صاحب احکام القرآن، نیز ابواسحاق السفرائنی الشافعی - ابن حزم الظاہری اور معتزلہ کہتے ہیں کہ سحر کی کوئی حقیقت نہیں۔ وہ صرف شعبدہ بازی، نظر بندی اور فریب خیال ہے اس کے سوا اسکی کوئی حقیقت نہیں چنانچہ احکام القرآن جلد ۱ صفحہ ۴۸ پر ہے کہ

"لفظ سحر جو محض دھوکا، فریب تخیل اور شعبدہ بازی، نظر بندی بے حقیقت اشیا کے لئے مخصوص ہے"۔ } متی اطلق فھو اسم لکل امر، عوّہ باطل لا حقیقۃ لہ ولا ثبات

ابو المظفر یحیٰی بن محمد ابن ہبیرہ نے بھی اپنی مشہور کتاب "الاشراف فی مذہب الاشراف" میں لکھا ہے کہ

"سوائے امام ابوحنیفہ کے اور سب جادو کی حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں"۔

تقریباً اسی طرح کے خیالات امام قرطبی نے اپنی مشہور تفسیر اور حافظ الحدیث ابن حجر عسقلانی نے اپنی مشہور شرح بخاری، فتح الباری میں پیش کئے ہیں اس اختلاف کے بعد جو علماء سحر کی حقیقت کو مانتے ہیں، پھر ان میں اس بات پر اختلاف ہے کہ آیا خدا تعالیٰ نے سحر میں یہ تاثیر بھی رکھی ہے کہ وہ ماہیت اور حقیقت کو بدل ڈالے یعنی جادو کے زور سے انسان، مکھی بن جائے یا مکھی انسان ہو جائے یا اس میں ایسی کوئی طاقت نہیں ہے۔ ایک جماعت کا خیال ہے کہ سحر میں اس طرح کی طاقت موجود ہے چنانچہ علامہ آلوسی رح لکھتے ہیں کہ ساحر ہوا میں جادو کے زور سے پرواز کر سکتا ہے پانی پر چل سکتا ہے۔ انسان کو مار سکتا ہے، بلکہ ایک اچھے خاصے آدمی کو گدھا بھی بنایا جا سکتا ہے"

لیکن ان سب چیزوں میں موثر حقیقی خدا تعالیٰ ہی ہوگا جیسا کہ ان کے الفاظ ہیں، والفاعل الحقیقی فی کل ذلک ھو اللہ تعالیٰ

اور ایک بڑی جماعت کہتی ہے کہ سحر میں، ماہیت و حقیقت کو بدل دینے کی کوئی صلاحیت و استعداد نہیں، اس میں جو کچھ نظر آتا ہے وہ محض شعبدہ بازی اور قوت خیالیہ کی کرشمہ کاری ہوتی ہے۔ حافظ ابن حجر شارح بخاری، اسی مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ۔

"جو لوگ سحر کی حقیقت تسلیم نہیں کرتے وہ اس میں انقلاب ماہیت کی بھی استعداد نہیں مانتے ہیں"۔ } فمن قال انہ تخییل فقط منع ذلک
فتح الباری جلد ۱۰ ص ۱۸۲

لیکن اس اختلاف کے باوجود اس پر دونوں فریق متفق ہیں کہ جو معجزات، انبیاء علیہم السلام کو دیئے گئے ساحران جیسے کام، جادو و سحر سے قطعاً انجام نہیں دے سکتا، روح المعانی میں ہے کہ۔

باقی بر صفحہ ۲۷

ہے۔ اور اس کا عطف خدا تعالیٰ کے ارشاد "یعلمون الناس السحر" پر ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ وہ فرشتے سکھاتے تھے۔ اور یہودی ان سے سحر یعنی کفر سیکھتے تھے۔ جیسا کہ "کفروا" سے معلوم ہوتا ہے، کہ جادو ان یہودیوں کے حق میں بس کفر ہی تھا۔ اور ہو سکتا ہے کہ عطف، مقدر کلام پر ہو۔ جو کہ فیأتون ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ یہودی آتے۔ اور کفر (جادو) سیکھ کر جاتے یہ کفر اس طرح بنتا کہ اس کو سیکھ کر شوہر اور بیوی میں جدائی کراتے اس طرح کہ خدا تعالیٰ جادو کے اثر سے، شوہر اور اس کی بیوی میں ایک کھینچاؤ اور کشمکش پیدا کر دیتے جس کے نتیجہ میں، بجائے شیر و شکر رہنے کے بد مزگی انہیں پیدا ہو جاتی یہ بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک ابتلا ہی تھا۔

بقیہ حاشیہ ص۲۶ ولو تجوسنتہ بتمکین الساحر من فلق البحر واحیاء الموتی و انطاق العجماء وغیر ذلک من آیات الرسل علیہم السلام۔ روح المعانی جلد ۱ ص۳۳۹	اللہ تعالیٰ ساحر کو اتنی قوت کبھی نہیں بخشتا کہ وہ انبیاء علیہم السلام جیسے معجزات سحر سے پیش کر سکے مثلاً مردہ کو زندہ کر دینا، دریا چیر کر اس میں صاف راستہ وغیرہ تیار کرنا۔

ذکر سحر اور معجزہ کا آگیا تو آپ کی معلومات کے لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کچھ فرق معجزہ اور سحر کے درمیان تحریر کر دیا جائے۔ معلوم ہونا چاہئے کہ اگرچہ نبی اور رسول کا اصل معجزہ تو وہ ہدایت اور ارشاد کا اہم کام ہوتا ہے جس پر وہ مامور من جانب اللہ ہوتا ہے اور جس کے نتیجہ میں بندگان خدا، باطل پرستی کو چھوڑ کر، توحید و معرفت ربانی کی طرف قدم بڑھاتے ہیں، لیکن اس کے باوجود عوام کی کچھ عادت یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے ان کے دعوی نبوت پر کچھ خاص نشانیاں طلب کی جاتی ہیں تاکہ انکی نبوت سچی ثابت ہو۔ اور ایک نبی و ساحر میں فرق و امتیاز ہو سکے۔ اس حد تک معجزہ کا مطالبہ برا نہیں بلکہ بہتر ہے۔ چنانچہ امام رازی نے اپنی مشہور "تفسیر کبیر" میں لکھا ہے کہ "نبی اور ساحر میں فرق کرنے کے لئے کم از کم ایک معجزہ ضرور ہونا چاہئے لیکن اس سے زیادہ معجزات کا مطالبہ، ضرورت سے زائد اور مکابرہ ہے لکھا ہے کہ ایک کے بعد دوسرے کا مطالبہ اور اس کے بعد تیسرے کا غرضیکہ ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ اس لئے ایک معجزہ تو واقعی ضروری ہے اور اس سے زیادہ کا مطالبہ کفر و انکار ہے۔

بہرحال معجزہ، صرف خدا تعالیٰ کا فعل ہے اس میں نبی اور رسول کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ وہ کوئی فن نہیں ہوتا جس کو باقاعدہ سیکھا جائے اور اس کی تعلیم گاہیں جگہ جگہ موجود ہوں، نیز نبی، قوم کے مطالبہ پر خود معجزہ پیش بھی نہیں کر سکتا بلکہ مطالبہ پر وہ خدا تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کرتا ہے اگر مشیت الٰہی کو منظور ہوتا ہے تو انبیاء علیہم السلام سے معجزہ صادر ہوتا ہے ورنہ نہیں بخلاف سحر کہ اسکی باقاعدہ تعلیم ہوتی ہے، وہ ایک فن ہے اس کو سیکھتے اور سکھاتے ہیں۔ ساحر ہر وقت اس کا مظاہرہ کر سکتا ہے اور جب چاہے اپنے فن کے کرتب پیش کر دے۔ سحر کے اسباب اگرچہ عام نظروں سے پوشیدہ ہوتے ہیں لیکن جاننے والوں پر اس کے تمام وسائل و ذرائع قطعاً منکشف ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ نبی اور پیغمبر کی زندگی، مبارک، طیب اور محبوب ہوتی ہے، بخلاف ساحر کہ اس سے سب ڈرتے ہیں، خائف رہتے ہیں کوئی اس کے قریب نہیں آتا۔ پیغمبر اور رسول صاف باطن، صفائی پسند اور لطیف الطبع ہوتا ہے۔ جادوگر گندگی پسند، باطن و سیرت کا بدکردار ہوتا ہے بلکہ بعض اعمال سحر میں تو گندگی و غلاظت کا استعمال ضروری ہوتا ہے۔ سحر میں شیطان سے تقرب، امداد، اس کی دہائی ضروری ہے۔ اور نبی شیطان کی پوری سیہ کاریوں سے انسان کو بچا کر اسکی تمام توجہات کا مرکز، حقیقی مرکز ذات باری عز اسمہ ہی کو بنانا چاہتا ہے۔ ہم نے مختصراً اس موقع پر سحر اور معجزہ کا فرق لکھا تفصیلات کے لئے شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ کی مشہور کتاب "النبوات" اور شرح عقیدہ سفارینی ان سفارینی مطالعہ کی جائیں۔

اس کے بعد ہم بتاتے ہیں کہ شرعاً سحر کا کیا حکم ہے، فقہاء اسلام نے صاف لکھا ہے کہ سحر اور جادو کی وہ تمام

باقی بر صفحہ ۲۸

مسئلہ اہلسنت والجماعت کی رائے ہے کہ جادو کی حقیقت ہے، معتزلہ کہتے ہیں کہ جادو کی کوئی حقیقت نہیں صرف نظربندی، اور شعبدہ بازی ہے۔

ارشاد ہے کہ جادو خود کوئی اثر نہیں رکھتا اور نہ جادوگر جادو سے کسی کو کوئی نقصان پہنچا سکتے، اتنا ہی نقصان پہنچتا ہے جو خدا تعالیٰ نے مقدر فرما دیا۔ اور یہ جادو بھی ایسی چیز کہ اس کو سیکھ کر آدمی اپنی آخرت تو ضرور برباد کرلیتا ہے

ان آیات ربانی سے معلوم ہوا کہ جادو سیکھنا ہرگز مناسب نہیں بلکہ اس سے بچنا چاہیئے، جیسا کہ فلسفہ و منطق کہ اسکو سیکھ کر آدمی گمراہ ہوتا ہے۔

فرماتے ہیں کہ یہود بھی جانتے ہیں کہ انھوں نے کتاب اللہ چھوڑ کر ان کفریہ علوم سے آخرت برباد کی ہے اور بری چیز ہے وہ جو انھوں نے خریدی، یعنی کفر، عوض میں ایمان کے، کاش کہ یہ جانتے (کہ اس تجارت میں ان کو نفع رہا یا نقصان۔)

بقیہ حاشیہ صہ ۲۷ اقسام جن میں، شیطان سے امداد، اور کلمات کفریہ کا استعمال ہو وہ سیکھنا سکھانا قطعاً شرک وکفر اور کرنے والا کرانے والا کافر ہے چنانچہ قرآن مجید نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعہ میں کفر کے الفاظ سحر کے لئے استعمال کر کے جادو کے حق میں کفر کا حکم صاف لگایا ہے، ارشاد ہے کہ

"وما کفر سلیمان ولکن الشیٰطین کفروا یعلمون الناس السحر"

اور جادو کی جن اقسام میں ان کے علاوہ چیزیں اختیار کی جائیں اور ان سے دوسروں کو نقصان پہنچایا جائے وہ گناہ کبیرہ اور انکا کرنے والا ایک حرام چیز کا مرتکب ہے بخاری شریف جلد ۲ باب السحر میں حدیث ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

مہلک باتوں سے بچو یعنی شرک اور جادو سے ---- } قال اجتنبوا الموبقات الشرك بالله والسحر"

ابن حجر اس حدیث پر بحث و نظر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ

"امام نووی کی رائے میں سحر قطعاً حرام ہے اور سب اس کو کبائر میں شمار کرتے ہیں
کیونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ستّ مہلک چیزوں میں شمار کیا ہے
اور جادو کی بعض صورتیں قطعاً کفر ہیں اور کچھ کفر نہ ہونے کے باوجود شدید معصیت اور
گناہ ہیں۔ حاصل کلام یہ کہ سحر کی کوئی قسم اگر ایسی ہے جس میں کفر کا ارتکاب ہو تو وہ سحر بھی
کفر اور باقی صورتیں قطعاً حرام جن کا سیکھنا اور سکھانا بالکل منع ہے۔"

جلد ۱۰ صہ ۱۸۳

اب رہ جاتا ہے ساحر کا حکم کہ فقہا جادوگر کے بارے میں کیا کہتے ہیں تو اس میں امام اعظم کا مذہب یہ ہے کہ جادوگر کے متعلق جب یہ معلوم ہو جائے کہ وہ سحر کرتا ہے تو اس کو قتل کر دیا جائے گا۔ امام اس سلسلہ میں یہاں تک فرماتے ہیں کہ اگر کوئی جادوگر یہ کہے کہ میں آئندہ جادو نہ کروں گا، توبہ کرتا ہوں تو بھی اس کی بات نہ سنی جائیگی۔ امام صاحب کا یہ مذہب جصاص جلد ۱ صہ ۵۵ اور روح المعانی جلد ۱ صہ ۳۳۹ پر موجود ہے۔

ہاں اتنا ضرور ہے کہ اگر جادوگر یہ کہے کہ میں چند سال پہلے ضرور جادو وغیرہ کیا کرتا تھا لیکن اب چھوڑ دیا تو اس کی بات سنی جائے گی اور اس کو قتل نہ کریں گے جیسا کہ جصاص میں ہے کہ

"وان اقر فقال کنت اسحر وقد ترکت منذ زمان قبل منه ولم یقتل"

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ساحر کا یہ بیان کہ میں سحر چھوڑ چکا ہوں قابل قبول ہے اس لئے اس کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

باقی بر صہ ۲۹

ایک اشکال اور اس کا حل

آیات میں ایک عجیب تضاد ہے، وہ یہ کہ ان یہود کے لئے ابھی علم ثابت کیا گیا اور فرمایا گیا کہ یہود خوب جانتے ہیں (یہی ان کے لئے علم کا ثبوت تھا) اور ساتھ ہی علم کی نفی بھی کر دی گئی، چنانچہ فرمایا کہ "لو کانو یعلمون" (اور یہ بلاشبہ ان کے علوم کا انکار ہے۔) اس اشکال کا حل بہترین یہ ہے کہ جس علم سے انسان نے کام نہ لیا وہ علم "نہ ہونے" کے درجہ میں ہے جب یہود جادو کے بدترین پہلو پر بھی نظر نہ رکھ سکے تو اس کو علم کون کہے گا، جہل وجہالت نری ہے۔

بقیہ حاشیہ ص۔ امام شافعی رح کی دلیل یہ ہے کہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم پر جس یہودی نے جادو کیا تھا آپ نے اس کو قتل نہیں فرمایا تھا لہذا جو رعایتیں، غیر مسلم کو دی جاتی ہیں ان کے مستحق مسلمان بھی ہیں چنانچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے کہ غیر مسلموں کو وہی رعایتیں ہیں جو مسلمانوں کو حاصل ہیں اور ان سے وہی مطالبے ہیں جو خود مسلمانوں سے"۔

سیدنا الامام اعظم فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی طرح کے معاملہ میں تین جادوگروں کو مارا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ "ہر جادوگر اور جادوگرنی کو مار ڈالو" نیز حضرت ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا کی باندی نے جادو کیا پکڑی گئی اور اس نے جادو کا اقرار بھی کیا حضرت حفصہؓ نے عبدالرحمن بن زید رضی اللہ عنہ کو حکم دیکر اس کو قتل کرا دیا یہ بھی دلیل ہے کہ جادوگر قتل ہی کیا جائے گا۔ شوافع رح کہتے ہیں کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے اقدام پر، سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ناگواری کا اظہار فرمایا جس سے معلوم ہوتا کہ ان کی رائے میں حفصہ رضی اللہ عنہا کا فیصلہ کہ جادوگر قتل کر دیا جائے صحیح نہیں تھا۔ احناف کثر اللہ امثالہم فرماتے ہیں کہ یہ ناگواری حفصہ رض کے اس فیصلہ پر نہ تھی کہ انھوں نے قتل کیوں کرایا بلکہ اس لئے تھی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اطلاع نہ دی گئی حالانکہ وہ اس وقت امیر المومنین بھی تھے چنانچہ روح المعانی میں ہے کہ

"وانکار عثمان رضی الله عنہ انما کان لقتلها بغیر اذنہ"

ص ۲۳۹

رہا امام شافعی رح کا وہ استدلال جو انھوں نے فرمایا کہ یہودی نے آپؐ پر جادو کیا آپ نے اس کے اعتراف کے باوجود اس کو قتل نہیں کیا، جصاص نے لکھا ہے کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ یہودی آپؐ کی نبوت کا امتحان کرنا چاہتا تھا کہ اگر واقعی آپؐ نبی ہیں تو ہم خود ہی مطیع ہو جائیں گے اور اگر نبی نہیں تو ہم کو آپؐ سے (معاذ اللہ) نجات ملے گی جیسا کہ زینب یہودیہ نے بکری میں زہر ملا کر انھیں خیالات کا اظہار کیا تھا، اس لئے یہودی کے ساتھ جو کچھ آپؐ نے معاملہ فرمایا وہ بالکل ایک مخصوص معاملہ ہے۔ اس پر مسائل کی تفریع صحیح نہ ہوگا۔

فقہاء کی اس اختلافی تحریر کے بعد، آیات مذکورہ کی تفسیر میں جو تحقیق صاحب مدارک یا دوسرے مفسرین نے لکھی ہے یعنی وہی زہرہ کا خرافاتی قصہ اور ساتھ ہی ہاروت وماروت کا فرشتہ ہونا اور بابل میں معذب ہونے کی داستان، محقق مفسرین نے اس کو بالکل غلط اور واہی افسانہ قرار دیا ہے چنانچہ قاضی عیاض لکھتے ہیں کہ ان لغو روایات وقصص کا کوئی جزو بھی نہ کسی صحیح روایت سے ثابت اور نہ کسی کمزور ہی حدیث سے۔ بلکہ معقول بات بھی نہیں جس کو ہم حدیث واخبار کے اصول سے قطع نظر کرتے ہوئے محض عقل ہی کے معیار پر پرکھ لیں۔

اندلسی، بحر المحیط میں لکھتے ہیں کہ زہرہ کی داستان اور ہاروت وماروت کے افسانے بالکل صحیح نہیں، اور یہ بھی صحیح نہیں کہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم زہرہ پر لعنت فرماتے تھے، ایسے ہی فخر رازی، تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ یہ قصے، ناقابل اعتبار، قابل رد، اور سخت غلط ہیں۔

بلکہ امام المفسرین علامہ آلوسی رح نے تو شہاب عراقی کا قول نقل کیا ہے کہ جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ ہاروت وماروت فرشتے تھے اور اپنی نافرمانی کی وجہ سے بابل میں مبتلائے عذاب ہیں، ایسے لوگوں پر کفر کا فتویٰ جاری کیا جائے گا۔ باقی بر صـ ۳۰

فرماتے ہیں کہ اگر یہود اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لے آتے، قرآن پر ایمان رکھتے اور اللہ تعالےٰ سے ڈرتے اور اپنی ان حرکتوں کو چھوڑ کر، کتاب اللہ کی اتباع کرتے، اور شیطانی علوم و جادو وغیرہ سے بچتے تو انکو معلوم ہوتا کہ جو ثواب منجانب اللہ ہے وہ زیادہ بہتر ہے بہ نسبت ان مشاغل کے جن میں یہ منہمک ہیں، لیکن یہودی اس حقیقت کو جاننے کے باوجود اس پر عمل نہ کر سکے)

لطائف قرآنی "لو" کے جواب میں بجائے جملہ فعلیہ کے جملہ اسمیہ استعمال کیا گیا کیونکہ اسمیہ جملہ، دوام و استمرار پر دلالت کرتا ہے اس سے معلوم ہو گا کہ اللہ تعالےٰ کا ثواب دائمی اور ابدی ہے جب کبھی یہ حسن عمل پیدا کریں اس کی رحمتیں، منتظر نظر آئیں گی۔ اور اس سے بڑھ کر ایک بلاغت آیت میں یہ بھی ہے کہ یوں نہیں فرمایا کہ اللہ کا ثواب بلکہ "من" استعمال فرمایا جو کسی چیز کے مختصر حصہ پر دلالت کرتا ہے، سمجھانا یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کے ثواب کا اگر مختصر حصہ بھی کسی خوش نصیب کے ہاتھ لگ جائے تو دین و دنیا کے لئے کافی ہے۔

بقیہ حاشیہ صـــ ۲۹ ۔ کیونکہ یہ لوگ اسلام کے متفقہ اصول کو توڑ کر اس طرح کی لغویات روایت کرتے ہیں، اسلام بتاتا ہے کہ فرشتے معصوم ہیں خدا تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

"لا یعصون اللہ ما امرھم و یفعلون ما یؤمرون، لا یستکبرون عن عبادتہ ولا یستحسرون، یسبحون اللیل و النھار لا یفترون"

خدا تعالےٰ ملائکہ کی معصومیت کا حقیقی اور پاکیزہ تصور پیش کرتے ہیں اور یہ قصے، کتنا گھناؤنا تخیل ان کے بارے میں قائم کرتے ہیں اس لئے خدا اس کا کلام، اسلام، اس کے دیئے ہوئے تصورات حق ہیں اور باقی سب باطل۔ روح المعانی جلد اول صـــ ۳۴۱

محقق مفسرین کی ان تفصیلات کے بعد سوال یہ ہے کہ واقعہ مذکور میں پھر صحیح تحقیق کیا ہے جس پر اعتماد کیا جا سکے اور جو ہر طرح کے خلجان سے پاک ہو، چنانچہ خاکسار مترجم اس سلسلہ میں تین بلند پایہ تحقیقات لکھتا ہے جو انشاء اللہ آیات قرآنی کی، واقعی اور صحیح تفسیر و توضیح ہوں گی سب سے پہلے ہم وہ تفسیر آیات کی پیش کرتے جو فرار، نحوی سے منقول ہے جس کو امام رازی رحمہ نے اپنی تفسیر کبیر میں ذکر کیا ہے، حاصل یہ ہے کہ، "ما انزل" میں "ما" نافیہ ہے۔ اور آیات کا مطلب یہ ہے کہ، بنو اسرائیل میں، سحر کی تعلیم، شیاطین کے ذریعہ پھیلی لیکن یہ قطعاً غلط ہے کہ جادو سلیمان علیہ السلام کا علم ہے اور یہ بھی غلط ہے کہ ہاروت و ماروت، بابل میں دو فرشتے نازل ہوئے۔ اور وہ بنو اسرائیل کو جادو سکھاتے تھے گویا کہ فرار کے قول کے مطابق یہ تمام قصہ، جو بنو اسرائیل میں مشہور ہے بالکل ہی لغو اور بے بنیاد ہے

دوسری تفسیر امام قرطبی کی ہے جس کو انھوں نے قرطبی میں، اور ابن جریر نے اپنی مشہور تفسیر ابن جریر میں اور حافظ ابن کثیر نے، تفسیر کثیر میں ذکر کیا ہے اس تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ "ما انزل" میں "ما" نافیہ ہے اور ہاروت و ماروت شیاطین سے بدل ہے۔ اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ یہ بالکل غلط ہے کہ بنو اسرائیل کے لئے ہاروت و ماروت آسمان سے سحر لے کر آئے تھے، ایسا نہیں بلکہ واقعہ یوں ہے کہ شیاطین، ان کو جادو سکھاتے جن میں سے بابل کی دو مشہور شخصیتیں ہاروت و ماروت اس فن کی اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے اور جب وہ جادو سکھاتے تو بنو اسرائیل کی مذہبی زندگی پر از راہ طعن کہتے کہ "میاں یہ سیکھ کر کافر ہو جاؤ گے" لیکن یہ بے حمیت پھر بھی سیکھتے اور ناجائز مقاصد کے لئے استعمال کرتے

تیسری تفسیر سیدنا الامام حضرت العلامہ مولینا سید محمد انور شاہ کشمیری قدس اللہ سرہ العزیز کی ہے جو آپ نے اپنے افادات قرآن، "مشکلات القرآن" میں تحریر فرمائی، حضرت مرحوم کی تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ "جب بنو اسرائیل کو شیاطین نے سحر سکھا کر گمراہ کر دیا اور وہ شیاطین کو غیب داں یقین کرنے لگے، اور زمانہ وہ تھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام وفات پا چکے تھے اور بنو اسرائیل میں (باقی پر صـــ ۳۱)

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ "لو" تمنا کے لئے ہے اور مطلب یہ ہے کاش کہ یہ لوگ ایمان لے آتے اور اس کے بعد فرمایا کہ ان کو نتیجہ میں معلوم ہوتا کہ ثواب اللہ کا کتنا بہتر ہے)

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَقُولُوا۟ رَٰعِنَا وَقُولُوا۟ ٱنظُرْنَا وَٱسْمَعُوا۟ ۗ وَلِلْكَٰفِرِينَ عَذَابٌ

اے ایمان والو تم (لفظ) راعنا مت کہا کرو اور انظرنا کہہ دیا کرو اور اس حکم کو (اچھی طرح) سن لیجو اور (ان) کافروں کو (تو) سزائے دردناک ہو (ہی) گی ذرا بھی پسند

أَلِيمٌ ۝ مَّا يَوَدُّ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ مِنْ أَهْلِ ٱلْكِتَٰبِ وَلَا ٱلْمُشْرِكِينَ أَن يُنَزَّلَ عَلَيْكُم

نہیں کرتے کافر لوگ (خواہ) ان اہل کتاب میں سے (ہوں) اور (خواہ) مشرکین میں سے اس امر کو کہ تم کو کسی طرح کی بہتری (بھی) نصیب ہو تمہارے

مِّنْ خَيْرٍ مِّن رَّبِّكُمْ ۗ وَٱللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِۦ مَن يَشَآءُ ۚ وَٱللَّهُ ذُو ٱلْفَضْلِ ٱلْعَظِيمِ ۝

پروردگار کی طرف سے حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت (و عنایت) کے ساتھ جس کو منظور ہوتا ہے مخصوص فرما لیتے ہیں اور اللہ بڑے فضل (کرنے) والے ہیں۔

ایک انتباہ

ارشاد ہے کہ اے ایمان والو "راعنا" مت کہا کرو اور "انظرنا" کہا کرو۔ اور سنتے رہا کرو اور کافروں کے لئے عذاب دردناک ہے جو لوگ کافر ہیں خواہ اہل کتاب میں سے ہوں یا مشرکین میں سے، وہ اسے ذرا بھی پسند نہیں کرتے کہ تمہارے اوپر کوئی بھی بھلائی تمہارے پروردگار کی طرف سے اتر کر رہے۔ حالانکہ وہ اپنی رحمت سے جسے چاہے مخصوص کرے اور وہ بڑا ہی فضل والا ہے۔"

آیات کا شان نزول یہ ہے کہ جب آپ پر کوئی آیت نازل ہوتی اور آپ اس کو سناتے، یا کچھ چیزیں مجلس میں ارشاد فرماتے تو بعض حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین عرض کرتے کہ یا رسول اللہ ذرا ہماری رعایت فرما کر ایسے الفاظ میں ارشاد فرمائیے جس کو ہم سمجھ سکیں یا اتنی بلند آواز کے ساتھ جو ہم تک پہنچ سکے، ادھر یہودیوں کی زبان عبرانی یا سریانی میں ایک کلمہ "راعنا" ہی تھا جو ایک برے مفہوم کو ادا کرنے کے لئے وہ استعمال کرتے بلکہ ایک گالی تھی جب ان یہودیوں نے سنا کہ مسلمان "راعنا" کہتے ہیں۔ لیجئے تو ظالم یہود نے اسی راعنا کو استعمال کرنا شروع کر دیا اور ان معنی میں نہیں حالانکہ وہ یہ کہہ کر بالکل ہی دوسرے معنے ...

بقیہ حاشیہ صــــ اس وقت کوئی نبی نہ تھا تو بنو اسرائیل کی ہدایت کے لئے اس صدیوں سے متوارث طریقہ کے مطابق جو جناب باری عز اسمہ کا گمراہ قوموں کے ساتھ ہے، حق تعالیٰ نے دو فرشتے "ہاروت و ماروت" آسمان سے نازل کئے اور انہوں نے بنو اسرائیل کو تورات سے ماخوذ اسماء و صفات الٰہی کا ایسا علم سکھایا جیسا کہ ہمارے دور میں قرآن مجید سے ماخوذ تعویذات و عملیات وغیرہ۔ یہ پاکیزہ علم، جادو سے بالکل ممتاز تھا جس کی بنا پر ایک اسرائیلی خوب سمجھ سکتا تھا کہ یہ ناپاک علوم (سحر) ہیں اور وہ پاکیزہ علوم اسماء و صفات الٰہی، اور جب فرشتے اسرائیل کو یہ علوم سکھاتے تو بطور نصیحت ان سے کہتے کہ اب جبکہ تم پر اصل حقیقت منکشف ہو گئی اور تم نے حق و باطل کے درمیان چشم دید مشاہدہ کر لیا تو اب کتاب اللہ کے علم کو پس پشت ڈال کر ان ناپاک چیزوں میں نہ الجھنا (یعنی جادو وغیرہ میں) یاد رکھو کہ حق واضح ہونے کے بعد بھی اگر تم نے جادو وغیرہ کا مشغلہ رکھا تو تم بلاشبہ کافر ہو جاؤ گے۔ خدا تعالیٰ کی حجت پوری ہو چکی، ہم تمہارے لئے ایک آزمائش ہیں اور اب کوئی عذر و معذرت قبول نہ ہو گی۔ لیکن بنو اسرائیل کی کجی فطرت و خبث باطن کہ انھوں نے ان پاک علوم و آسمانی علوم کو بھی ناجائز مقاصد کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیا، چنانچہ وہ اس سے میاں اور بیوی کے درمیان تفریق و جدائی جیسا پاپ بھی کر گذرتے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تفسیر آیات کی واضح اور نہایت برجستہ توجیہ۔ مقاصد قرآنی کی حقیقی تصویر۔ اور معارف قرآن کا ایک نادر نمونہ ہے اس بے مثل دلنشیں تفسیر سے معلوم ہو گا کہ امام المحدثین کو حدیث کے بلند پایہ علوم کے ساتھ، معارف قرآنیہ میں خداداد حذاقت و مہارت حاصل تھی۔ حاشیہ کافی طویل ہو گیا لیکن انشاء اللہ فائدہ سے خالی نہیں۔

⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘ ⁘

جن میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین استعمال کرتے بلکہ اپنی اسی مشہور گالی کے لئے اور خوش ہوتے کہ ہم گالیاں دیتے ہیں اور ان کو معلوم بھی نہیں ہوتا۔ اسی پر یہ آیات نازل ہوئیں اور مسلمانوں کو "راعنا" کہنے سے روکدیا گیا اور اس کے بجائے "انظرنا" کہنے کا حکم ہوا اور یہ بھی ارشاد ہوا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جو فرمایا کریں اسے پوری توجہ سے سنا کرو تاکہ بار بار آپ کو فرمانے کی ضرورت ہی پیش نہ آیا کرے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اطاعت و تعمیل حکم کے جذبہ سے سنو ایسا نہیں جیسا کہ یہود کہ زبانوں سے کہتے ہیں کہ سُن لیا اور دلوں میں انکار و کفر موجود ہے اور ان یہودیوں کے لئے جو آپ کی شان میں گستاخی کر رہے ہیں خوب یاد رکھو بڑا عذاب ہے

یہود کی عداوت اور اُس کا حقیقی سبب

فرماتے ہیں کہ (دراصل قصہ یہ ہے) جو لوگ کافر ہیں خواہ اہل کتاب میں سے ہوں یا مشرکین میں سے وہ اسے ذرا بھی پسند نہیں کرتے کہ تمہارے اوپر کوئی بھی بھلائی اترے تمہارے پروردگار کی طرف سے، حالانکہ اللہ اپنی رحمت سے جسے چاہے نواز دے اور وہ بڑا ہی فضل والا ہے۔

ان آیات میں "من" جو پہلے آیا ہے، بیانیہ ہے یہ اس لئے کہ جن لوگوں نے کفر کیا تھا وہ پوری کی پوری ایک جماعت تھی جن میں اہل کتاب (یعنی یہودی و نصاریٰ) بھی تھے اور کفار بھی۔ اور دوسرا "من"، زائد ہے۔ اور اس سے خبر کا استغراق و احاطہ مقصود ہے۔ اور تیسرا مَن، ابتدار غایۃ کے لئے ہے، اور خیر و رحمت سے مراد وحی ہے۔ مسلمانوں کے مخالف یہ تمام فرقے یہ سمجھتے تھے کہ ہم اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ ہم پر وحی نازل ہو اور اسی وجہ سے وہ حسد کرتے تھے اور ہرگز نہیں چاہتے تھے کہ مسلمانوں پر اللہ کی طرف سے وحی نازل ہو اور ان احمقوں کی ادھر توجہ ہی نہیں کہ اللہ تعالےٰ کی رحمتیں کسی کی خوشی اور ناخوشی پر موقوف نہیں وہ اپنی رحمتوں سے جسے چاہیں نواز دیں، ذو الفضل العظیم سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبوت، خدا تعالےٰ کا ایک بڑا فضل ہے۔

ع۵۔ لیکن روح المعانی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے یہودیوں نے اس کلمہ کو کہنا شروع کیا تھا اور مسلمانوں نے ناواقفیت کی بنا پر یہ سمجھ کر کہ یہ کوئی مہذب اور ادب سے لبریز کلمہ ہوگا خود بھی اس کو استعمال کرنے لگے۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے سنا تو وہ یہودیوں کے خبث پر مطلع ہوگئے، غصہ سے فرمایا کہ اگر تم نے آئندہ یہ بات کہی تو گردن اڑا دوں گا، یہودی کہنے لگے کہ ہمارا کیا قصور ہے مسلمان بھی تو آپ کے لئے یہی کلمہ استعمال کرتے ہیں، اس پر یہ آیات نازل ہوئیں اور مسلمانوں کو آئندہ اس کلمہ کے استعمال سے روکدیا گیا۔

خاکسار مترجم کو تلاش رہی کہ کیا حضرت سعد بن عبادہ عبرانی جانتے تھے کہ وہ یہودیوں کی شرارت پر مطلع ہوگئے۔ خدا تعالےٰ کا شکر ہے "معالم التنزیل" میں مل گیا، "وکان سعد یعلم العبرانیۃ" یعنی سعد، عبرانی جانتے تھے۔ ابن عربی نے لکھا ہے کہ آیات صاف صاف بتاتی ہیں کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا احترام صرف معنوی حیثیت ہی سے نہیں بلکہ الفاظ میں آپ کا احترام باقی رکھنا واجب ہے۔ لکھا ہے کہ جن الفاظ سے اہانت کا شبہ بھی ہوتا ہو تو ان کے استعمال سے تحت احتراز کرنا چاہئے۔ "وھذا دلیل علی تجنب الالفاظ المحتملۃ التی فیھا التعرض للتنقیص"

امام مالک رح کے ہاں ایسے الفاظ پر قائل کو سزا دی جاتی ہے"۔ فقہا حنفیہ نے لکھا ہے کہ حضرات صحابہ سوء ادبی سے بالکل بری تھے، کیونکہ انکی نیت، آپ کی معاذ اللہ توہین ہرگز نہیں تھی گناہ سب کچھ یہود پر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حکم واضع پر لگتا ہے استعمال کرنے والے پر نہیں۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَۃٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ

ہم کسی آیت کا حکم جو موقوف کر دیتے ہیں یا اس آیت ہی کو (ذہنوں سے) فراموش کر دیتے ہیں تو ہم اس آیت سے بہتر یا اس آیت ہی کی مثل لے آتے ہیں (اسے معترض) کیا

عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

تجھ کو یہ معلوم نہیں کہ حق تعالیٰ ہر شے پر قدرت رکھتے ہیں کیا تجھ کو یہ معلوم نہیں کہ حق تعالیٰ ایسے ہیں کہ خاص ان ہی کی ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی

وَمَا لَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ۝

اور (یہ بھی سمجھ رکھو کہ) تمہارا حق تعالیٰ کے سوا کوئی یار و مددگار نہیں

نسخ آیات اور اس پر اعتراض اور اسکا جواب

فرماتے ہیں کہ ہم جس آیت کو منسوخ کر دیتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو کوئی اس سے بہتر ہی یا مثل اس کے لے آتے ہیں کیا تجھ کو خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے کیا تجھے خبر نہیں کہ اللہ ہی کے لئے سلطنت آسمانوں اور زمین کی ہے۔ اور اللہ کے سوا کوئی تمہارا یار و مددگار نہیں۔

یہ آیات اس وقت نازل ہوئیں تھیں جبکہ نسخ کے سلسلہ میں اعتراضات کئے جا رہے تھے اور کہا جاتا تھا کہ محمدؐ کا بھی عجیب حال ہے کہ مسلمانوں کو کبھی ایک چیز کا حکم دیتے ہیں اور پھر اسی چیز سے روک دیتے ہیں۔ آج کچھ کہتے ہیں اور آنیوالے "کل" میں اس کے بالکل خلاف ان سے بات سنی جاتی ہے۔ انھیں بے ہودہ اعتراضات پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ آیات کی تشریح سے پہلے کچھ الفاظ کی تشریح سن لیجئے۔

نسخ کے لغوی معنی تبدیل کرنے کے آتے ہیں۔ لیکن اصطلاح شریعت میں نسخ کا مطلب یہ ہے کہ ہم کسی حکم کے متعلق یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ دائمی ہے اور تھا وہ حکم مطلق۔ شریعت نے اس حکم کی وہ آخری مدت ذکر فرما دی جس پر جا کر اسکو حکم کو ختم ہونا ہے اس طرح یہ ہمارے حق میں حکم کی تبدیلی ہوئی اور شارع کی نظر میں ایک مجمل حکم کا بیان ہوا (مثلاً حکومت نے کوئی حکم نافذ کیا ہم یہ سمجھے کہ بس اب یہ قانون ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہے اچانک حکومت نے اسی حکم کو منسوخ کر دیا۔ اب ہم کہیں گے کہ حکومت نے قانون بدل دیا حالانکہ حکومت نے پہلے ہی سے اس کے لئے ایک مدت متعین کر رکھی تھی کہ فلاں مدت پر اس حکم کو ختم کر دینا ہے حکومت کے ارادہ سے ناواقف ہونے کی بنا پر اس دوسرے حکم کو ہم نسخ سمجھتے ہیں اور خود ارباب حکومت کی نظر میں یہ صرف ایک غیر واضح (مجمل) حکم کی تفصیل و بیان ہے۔

ان آیات میں گویا کہ یہود کے اس غلط خیال کا جواب ہے کہ نسخ واقع ہی نہیں ہو سکتا، یہ بھی یاد رکھئے کہ نسخ ان چیزوں میں ہوتا ہے جن میں عدم و وجود مساوی ہوتا ہے (یعنی وہ ایسے احکام تھے کہ انکو نافذ بھی کیا جا سکتا تھا اور ختم بھی کیونکہ اگر ان کا باقی رکھنا ضروری ہوتا تو پھر ان کو منسوخ کیسے کیا جا سکتا اور اسی طرح اگر ایسے احکام ہوتے جو کبھی نافذ ہی نہ کئے جاتے تو پھر منسوخ کرنے کا کیا سوال کیونکہ منسوخ تو ہوتے ہی وہ احکام ہیں جو کہ پہلے سے نافذ ہو چکے ہوں) اور نیز اس کے ساتھ خارج سے کوئی ایسی چیز بھی پیش نہ آ گئی ہو جو نسخ کے منافی ہو مثلاً یہ کہ وہ موقت حکم ہو یعنی خاص وقت کے لئے اس کا نفاذ ہوا ہو۔ تعین وقت، ان امور میں سے ہے جو کہ نسخ کے منافی چیزیں سمجھی جاتی ہیں۔ یا یہ کہ وہ حکم دائمی ہو (حکم کی ابدیت و دوام بھی منافی نسخ چیزوں میں سے ہے) یہ دوام یا اسی طرح تعین وقت نص سے ثابت ہو ورنہ پھر دلالۃً و ضمناً ہی ہو۔

کیا حدیث سے نسخ جائز ہے

ہمارے خیال میں کتاب اللہ کی آیات کا کتاب اللہ ہی سے اور احادیث سے نسخ ہو سکتا ہے احادیث کے بارے میں کچھ اختلاف بھی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ احادیث،

قرآن مجید سے ثابت کسی حکم کو منسوخ کر سکتی ہیں اور بعض اس کا انکار کرتے ہیں۔ پھر نسخ کی تین صورتیں ہیں ایک تو یہ آیت اور اس کا حکم دونوں منسوخ ہو جائیں، دوسری صورت یہ ہے کہ حکم صرف منسوخ ہو لیکن آیات منسوخ نہ ہوں، اور تیسری صورت یہ ہے کہ تلاوت منسوخ ہو جائے لیکن انھیں منسوخ آیات سے ثابت حکم کی مشروعیت باقی رہے۔ نیز احناف کی رائے ہے کہ کسی وصف کو حکم کے ذریعہ منسوخ کرنا، گویا کہ آیت پر زیادتی ہے اور اس کو ہم نسخ ہی کہتے ہیں، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس کو نہیں مانتے۔ انساء کے معنے دل سے کسی چیز کو بھلا دینا اور بعض مفسرین نے، اس لفظ (انساء) کو نساءت سے لے کر موخر کرنے کے معنی بھی کئے ہیں

ع۔ مفسر مدارک نے نسخ کے متعلق جو کچھ تفصیلات کی ہیں ان کی کچھ تفصیل خاکسار مترجم آپ کے سامنے رکھتا ہے تاکہ نسخ کا مسئلہ جو اکثر ذہنوں میں الجھاؤ پیدا کرتا ہے صاف ہو جائے۔ سب سے پہلے تو یہ دیکھئے کہ نسخ کہاں واقع ہوتا ہے کیونکہ قرآن مجید نے اس موقع پر آیت کا لفظ استعمال کیا ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ "ما ننسخ من آیۃ" اب آیت بول کر کبھی وہ آیت بھی مراد لی جاتی ہے جو لکھی ہوئی ہو۔ نیز قرآن مجید ہی نے بکثرت آیات سے معجزات، نشانیاں اور دلائل بھی مراد لئے ہیں جیساکہ قرآن مجید کے مطالعہ کرنے والوں پر یہ امر مخفی نہیں ہے۔ پس اگر آیت سے یہاں دلائل و معجزات ہی مراد ہیں تو ظاہر ہے کہ اسلام کی صداقت، قرآن کی حقانیت، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور "نفس صداقت" پر ہمیشہ ہی دلائل قائم ہوتے رہے اور ہوتے رہیں گے، اس لئے دلائل و معجزات کی تبدیلی و نسخ پر کوئی بھی اعتراض قطعاً نہیں ہو سکتا۔ اور اگر آیات سے، لکھی ہوئی (مکتوب) آیات ہی مراد لی جائیں تو سوال یہ ہے کہ آیات قرآن مجید کی مراد لی جائیں گی یا سابق انبیاء پر نازل شدہ کتب و صحیفوں کی، اگر سابق کتب سماوی کی آیات مراد لی جائیں جیساکہ ابو مسلم اصفہانی کی یہی رائے ہے تو پھر بھی کوئی اشکال نہیں کیونکہ سابقہ آسمانی کتابوں سے سیکڑوں احکام واقعی قرآن مجید نے بدل ڈالے۔ بلکہ نزول قرآن کے بعد باقی آسمانی کتابوں کی کوئی قانونی و تشریعی حیثیت باقی ہی نہ رہی۔ لیکن اگر آیات سے آیات قرآنی ہی مراد ہوں جیساکہ جمہور مسلمانوں کا یہی خیال ہے تو آیات کا مصداق متعین کرنا ہوگا۔ اور ساتھ ہی نسخ کا بھی مطلب و مفہوم واضح کرنے کی ضرورت ہوگی۔ سو اتنی بات تو ہر مسلمان جانتا ہے کہ نسخ کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں کہ کوئی عقیدہ پہلے مسلمان پر فرض تھا اور بعد میں وہ منسوخ ہو گیا، مثلاً پہلے خدا تعالےٰ کو ایک ماننا فرض تھا اور معاذاللہ بعد میں یہ بات ختم کر دی گئی اور اب خدا کی توحید، عقیدہ کی حیثیت سے ختم ہو گئی۔ استغفراللہ اتنی بے ڈھنگی بات تو کوئی مسلمان سوچ بھی نہیں سکتا، اور یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ قتل، چوری، زنا، شراب خواری، سود، جھوٹ، وغیرہ پہلے یہ چیزیں حرام تھیں اور بعد میں ان کو جائز و مشروع کر دیا گیا (معاذاللہ) یا قرآن مجید نے قصہ حضرت یوسف علیہ السلام وغیرہ کو پہلے جس طرح بیان کیا تھا بعد میں اس کی تردید کر دی۔ مثلاً پہلے بیان کیا گیا کہ یوسف علیہ السلام کے خلاف ان کے بھائیوں نے سازش کی تھی اور بعد میں کہا گیا ہو کہ نہیں ہم نے غلط کہا بلکہ سیدنا یعقوب اور یوسف علیہما السلام نے مل کر اپنے بھائیوں کے خلاف منصوبہ بنایا تھا (ایسا قرآن مجید میں ہرگز نہیں ہوا) غرضیکہ عقائد، اخبار، واقعات و قصص میں کوئی تبدیلی نہ واقع ہوئی اور نہ کوئی اسطرح کی تفسیر کا قرآن مجید میں قائل۔ اب صرف احکام باقی رہ جاتے ہیں۔ جمہور اہل سنت کے یہاں احکام میں تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ اور یہ کچھ اہم بات بھی نہیں بلکہ احکام میں تبدیلی واقع ہونا عین حکمت اور ایک درست و معقول اقدام ہے۔ ذرا آپ اس پر غور کیجئے کہ ہم اسی دنیا میں رہتے ہوئے موسم کی تبدیلیوں، مقامات کے بدل جانے سے۔ کھانے، پینے، پہننے میں کتنا تغیر کر لیتے ہیں۔ مثلاً گرمیوں میں، دن میں کئی کئی بار غسل، برف سے گلا ہوا ٹھنڈا پانی، باریک کپڑے ٹھنڈی غذائیں، لیکن جیسے ہی گرمی ختم ہوئی اور سردی آئی۔ تو بھاری اونی لباس، ہر وقت آگ تاپنے کے لئے برف کا تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس کی جگہ گرم گرم چائے کی پیالیاں۔ اسی طرح ایک مقام پر ہیں تو وہاں کی مناسب غذائیں کسی دوسری جگہ چلے گئے تو وہاں والوں جیسی غذائیں بے تکلف کھاتے پیتے ہیں۔ آج ۶ ربیع الاول ۱۳۹۳ھ یہ خاکسار (باقی بر ص ۳۵)

فرماتے ہیں کہ جب بھی ہم کوئی آیت منسوخ کرتے ہیں تو اس سے بہتر لے آتے ہیں۔ یہ آنے والی آیت بندوں کے لئے بہتر اور مفید ہوتی ہے مطلب یہ ہے کہ اگر بندے اس دوسری آیت پر عمل کریں تو ان کو اس میں زیادہ ثواب ملتا ہے یا یہ دوسری آیت، پہلی (منسوخ) جیسی ہوتی ہے یہ اس لئے کہ ایک آیت کو دوسری آیت پر کوئی فضیلت نہیں ہے اور یہ سارا معاملہ ناسخ و منسوخ کا اور ایک چیز کو ختم کرکے اس کی جگہ اس سے بہتر کا لے آنا خدا تعالےٰ کے لئے (اے انسانو!) عین ممکن ہے کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے، زمین و آسمان کا وہی مالک ہے۔ تمہارے تمام معاملات کی وہی تدبیر کرتا ہے۔ اور وہ خوب جانتا ہے کہ کس وقت تمہارے لئے ناسخ پر عمل کرنا زیادہ بہتر ہے اور کونسا وقت ہے جس میں منسوخ ہر طرح سے بہتر تھا۔ اللہ کے سوا نہ کوئی تمہارا مددگار اور نہ اس کے عذاب سے محفوظ رکھنے والی تمہارے لئے کوئی طاقت۔

أَمْ تُرِيدُونَ أَنْ تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوسَىٰ مِنْ قَبْلُ ۗ وَمَنْ يَتَبَدَّلِ

ہاں کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے (بیجا بیجا) درخواستیں کرو جیسا کہ اسکے قبل حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے بھی (ایسی ایسی) درخواستیں کی جا چکی ہیں

الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ○ وَدَّ كَثِيرٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُمْ

اور جو شخص بجائے ایمان لانے کے کفر (کی باتیں) کرے بلاشک وہ شخص راہ راست سے دور جا پڑا اور ان اہل کتاب (یعنی یہود) میں سے بہتیرے دل سے یہ چاہتے ہیں کہ تم کو تمہارے

مِنْ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۖ

ایمان لائے پیچھے پھر کافر کر ڈالیں محض حسد کی وجہ سے جو کہ خود انکے دلوں ہی سے (جوش مارتا) ہے حق واضح ہوئے پیچھے خیر اب تو معاف کرو

فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ○

اور درگزر کرو جب تک حق تعالے (اس معاملہ کے متعلق) اپنا حکم (قانون جدید) بھیجیں بیشک اللہ تعالے ہر چیز پر قادر ہیں

بارگاہ رسالت میں غیر مناسب سوالات پر ایک موزوں پابندی۔

ارشاد ہے کہ "تم تو شاید یہ چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے سوال کر ڈالو جیسا کہ اس کے قبل موسیٰ ع سے سوال کئے جا چکے اور جو کوئی ایمان کے بدلہ میں کفر اختیار کرلے گا۔ سو وہ یقیناً سیدھی راہ سے بھٹک گیا بہت سے اہل کتاب تو دل سے چاہتے ہیں کہ تمہیں ایمان لے آنے کے بعد پھر سے کافر بنا لیں اس حسد کی وجہ سے جو ان کے دلوں میں ہے (اور یہ انکی

بقیہ حاشیہ ص۳۴ اس وقت کشمیر کے شہر پونچھ میں مقیم ہے اور یہ حاشیہ یہیں زیر قلم ہے، اپنے مخصوص امراض کی وجہ سے دیوبند میں رہتے ہوئے چاول کا تصور بھی نہیں ہو سکتا لیکن غالباً کئی وقت گذر گئے کہ سوائے چاول کے اور کوئی چیز بطور غذا نہیں لی گئی اور الحمد اللہ صحت پر کوئی مضر اثر تو درکنار ادنی درجہ کی کوئی گرانی نہیں، بہر حال یہ سب امور تجربہ میں برابر آتے ہیں اور ان کا انکار نہیں ہوتا، بڑے سے بڑا طبیب، جس کی حذاقت تجربہ کاری مسلم ہوتی ہے، حالات، موسم، مزاج، بیماری میں وقتی تغیرات کے پیش نظر، اپنے نسخوں میں ضرور کچھ کچھ تبدیلیاں کرتا ہے اور اس کو کوئی اس کی مہارت فنی کے خلاف نہیں سمجھتا، تو ایسے ہی اگر احکام میں، انسانوں کے مزاجی تغیرات یا احوال و ظروف کے اعتبار سے خدا تعالے نے تبدیلی فرما دیں تو اس میں کیا غضب ہے اور کیوں بلا وجہ نسخ کا انکار کیا جاتا ہے۔ آپ ہی بتائیے کہ عرب والے جن کی گھٹی میں شراب پڑی ہوئی تھی اگر بتدریج شراب سے متعلق مختلف احکام نازل کرتے ہوئے آخر کار اگر اس کو بالکل حرام ہی کر دیا تو یہ کس قدر معقول اقدام ہے اور پھر یہ تبدیلیاں بھی محض ہمارے اور آپ کے خیال میں ہیں ورنہ خدا تعالے کے غیر محدود علم میں تو کسی کے یہ مختلف مراتب و مدارج پہلے ہی طے تھے۔ مثلاً خدا تعالے نے اپنے غیر محدود مصالح و حکم کے اعتبار سے پہلے ہی طے فرما لیا تھا کہ پہلے صرف شراب کی مذمت کی جائے گی، اس کے بعد نشہ کی حالت میں نماز پڑھنے سے روکا جائیگا (باقی بر ص۳۶) عہ یہ حاشیہ

کوشش) اس کے بعد ہے کہ ان پر حق واضح ہو چکا (اچھا ابھی تو معاف کرتے رہو۔ تا آنکہ اللہ اپنا حکم بھیج دے۔ یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے"۔

ان آیات میں "ام" منقطعہ ہے اور تقدیر عبارت یوں ہے کہ "بل اتریدون" بس منظر اس ارشاد کا یہ ہے کہ قریش نے آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اے محمد آپ صفا پہاڑ کو سونے کا بنا دیجئے، اور سرزمین مکہ کو کشادہ وسیع کر دیجئے اس پر خدا تعالےٰ نے قریش کو اسطرح کے مطالبات سے منع فرمایا اور بتایا کہ یہ تو ایسے ہی سوالات ہیں جیسا کہ موسی علیہ السلام سے ان کی قوم کرتی رہتی تھی وہ ان سے یہاں تک مطالبہ کرتے تھے کہ اے موسی تم ہمارے لئے ایک اور ہی خدا تجویز کر دو اس کے بعد فرماتے ہیں کہ موجود اور نازل شدہ آیات کو چھوڑ کر دوسری چیزوں کا مطالبہ دراصل ایمان کو کفر سے بدلنا ہے۔ ایمان کا تقاضہ ہے کہ موجود چیزوں پر عمل کرو۔ اعتماد کرو، اور نئی چیزوں کے مطالبات اور نئے نئے معجزات کے سوالات تو کفر ہے اور یہ روش، راہ راست پر گامزن ہونا نہیں، بلکہ گمراہی کی تیرہ و تار وادیوں میں بھٹکنا ہے۔

واقعہ جنگ احد کے بعد یہودیوں نے مسلمانوں سے یہ بھی کہا تھا کہ اگر تم حق پر ہوتے تو تم کو جنگ میں کبھی بھی شکست نہ ہوتی اور جبکہ شکست ہوں گی۔ یہ اسکی علامت ہے کہ تم حق پر نہیں بلکہ باطل پر ہو۔ اسپر فرمایا کہ یہود ایک حسد میں مبتلا ہیں اور وہ یہ کہ اسلام جیسی بہترین چیز تم کو کیوں مل گئی، یا آخری نبی قریش میں کیوں پیدا ہو گیا، اس حسد کی وجہ سے وہ دل سے چاہتے ہیں کہ اسلام ایسی عظیم دولت سے تم کو محروم کر دیں۔ حسد کے لفظ سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہود کی یہ کوشش کہ تمکو اسلام

بقیہ حاشیہ ۳۵ ۔ اور آخر میں شراب کا ہر طرح استعمال ہی حرام کر دیا جائیگا تو اسطرح یہ جزوی تبدیلیاں، احکام میں بھی صرف ہمارے اور آپ ہی کے اعتبار سے ہیں۔ بہرحال نسخ قرآن مجید میں واقع ہوا ہے اور ہونا ہی چاہئے تھا اس لئے نسخ کا انکار بالکل غلط ہے۔ اگرچہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ نسخ کا قرآن مجید میں انکار ہمارے ہی اس تجدد زدہ دور کی کوئی اپج نہیں بلکہ قدیم دور میں بھی اس طرح کے دماغ انہیں افکار و نظریات کے تحت قرآن مجید میں نسخ کا انکار کرتے رہے۔ چنانچہ امام رازی نے لکھا ہے کہ "ویروی من بعض المسلمین انکار النسخ واحتج الجمہور من المسلمین علی جواز النسخ ووقوعہ"

فقیہہ جصاص نے بھی لکھا ہے کہ بعض آدمی ایسے رہے ہیں جو کہ نسخ کا انکار کرتے ہیں، جصاص نے ایسے لوگوں کو غیر فقیہہ قرار دیکر انکی عقلی صلاحیت بھی خوب واضح کر دی چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ زعم بعض المتاخرین من غیر اھل الفقہ ان لا نسخ فی شریعۃ نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم وان جمیع ما ذکر فیہا من النسخ فانما المراد بہ نسخ شرائع الانبیاء المتقدمین" یعنی شریعت محمدی پہلی تمام شریعتوں کی ناسخ ہے خود اسمیں کوئی نسخ واقع نہیں ہوا لیکن ہماری تفصیلات سے آپ کو معلوم ہوا ہو گا کہ یہ خیال بالکل ہی غلط ہے

ع۵ ۔ یہ بہترائی، ثواب کے ساتھ نفع اور سہولت کے اعتبار سے بھی ہو سکتی ہے۔ یعنی ناسخ (بعد والی چیزوں) پر عمل کرنے میں تمہارے لئے نفع بھی زیادہ ہو اور اس پر عمل پیرا ہونے میں سہولت بھی ہو۔

ع۶ ۔ یہ سوالات محض عناد، ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے تھے، خطاب بعض مفسرین کے نزدیک، یہودیوں سے ہے قریش سے نہیں یعنی اسطرح کے بے سر و پا مطالبات یہودیوں کی طرف سے تھے چنانچہ "معالم التنزیل" میں ہے کہ "نزلت فی الیہود" تفسیر کبیر میں ہے کہ بعض کہتے ہیں کہ خطاب مسلمانوں سے ہے اور کچھ کا کہنا ہے کہ سوال اہل مکہ سے ہے اور یہ بھی ہے کہ یہ ارشاد صرف یہودیوں سے ہے اور یہی صحیح بھی ہے "وھذا القول الاصح" اگر یہ تعین ہو جائے کہ خطاب یہودیوں سے ہے تو پھر اتنا اشکال ضرور پیدا ہو گا کہ قرآن مجید نے "رسولکم" کیوں فرمایا حالانکہ یہود تو آنحضورؐ کو اپنا رسول ہی نہیں مانتے تھے؟ حل اس اشکال کا یہ ہے کہ مراد صرف اتنی ہے کہ اپنے دور اور زمانہ کے رسول سے" اور ظاہر ہے کہ آنحضورؐ یہودیوں کے دور میں نبی مبعوث بلاشبہ تھے۔ آیات سے خوب واضح ہے کہ طلب حق کیلئے سوال کوئی بری بات نہیں لیکن سوالات کا یہی سلسلہ اگر صرف ضد، عناد، اور ہٹ دھرمی سے ہو تو پھر ایک لعنت ہے، اور ان آیات میں انہیں سوالات کی ممانعت ہے جو اسی غلط جذبہ سے ہوں ؎

؎ ورنہ معلوم ہے کہ صحابہ رضؓ آپؐ سے سوال کرتے اور کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔

سے ہٹالیں کوئی اچھے جذبے نہیں اور نہ وہ اس کو دین کی کوئی اہم خدمت سمجھ کر انجام دے رہے ہیں بلکہ محض عناد ہے، حسد ہے، اور معصیت ہے اور یہ حسد کا جذبہ اس وقت بھی ان میں موجزن ہے جبکہ وہ تمہارے حق پر ہونے کو خوب جانتے ہیں اس میں نہ ان کو کوئی شبہ اور نہ کوئی تذبذب بہرحال سردست تو ان یہود کی تمام معاندانہ کوششوں کے باوجود مصلحت وقت یہی ہے کہ اے مسلمانو! انکے ساتھ عفو و صفح سے کام لیتے رہو اللہ تعالےٰ ہر چیز پر قادر ہے اور تا وقتیکہ کوئی دوسرا حکم آئے تم اسی حکم (عفو و صفح) پر کاربند رہو۔ (یہ دوسرا حکم قتال و جہاد کا ہوگا)

وَاَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ

اور (سردست صرف) نمازیں پابندی سے پڑھے جاؤ اور زکوٰۃ دیئے جاؤ اور جو نیک کام بھی اپنی بھلائی کے واسطے جمع کرتے رہو گے حق تعالیٰ کے پاس

عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝

پہنچ کر اس کو پالو گے کیونکہ اللہ تو تمہارے سب کئے ہوئے کاموں کو دیکھ بھال رہے ہیں

صورتِ حال کے مناسب فوری چند احکام

اور نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور جو بھلائی تم اپنے واسطے آگے بھیج دوگے اسے اللہ کے پاس پالوگے یقیناً تم جو کچھ کر رہے ہو اللہ اس کا خوب دیکھنے والا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ دانا و بینا ذات پر جب کسی کا کوئی عمل پوشیدہ نہ ہو تو وہ ان پر بہترین بدلہ بھی دے سکتا ہے۔ آیات میں اشیاء کا اللہ کے پاس پانے کا مطلب، ان کے ثواب کا من جانب اللہ ملنا ہے

ف۔ جیسا کہ ہم نے پچھلے صفحہ میں مدارک کی عبارت کا ترجمہ کرتے ہوئے ظاہر کیا کہ آیات یہود سے متعلق ہیں اور اسی لئے مفسرین نے شان نزول میں انھیں کا ذکر کیا ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اسلام دشمنی، اور مسلمانوں کو راہ راست سے ہٹانے کی کوشش کچھ یہود ہی کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ سب ہی اس میں لگے ہوئے ہیں، کیا یہود اور کیا عیسائی و ہنود، خصوصاً اس دور میں عیسائی مشنریاں، ان کی تصانیف، تقریریں، مقالے سب ہی اس کوشش میں ہوتے ہیں کہ کسی طرح مسلمانوں کو اسلام سے ہٹا دیا جائے اور آہ، کہ ان کی یہ کوشش آج پاکستان میں بار آور بھی ہو رہی ہے یہ مسلمانوں کو عفو و صفح کا حکم اس لئے دیا گیا کہ یہ سنکر کہ یہود حسد کی وجہ سے ان سب مخالفانہ کوششوں میں لگے ہوئے ہیں۔ حلقہ بگوشان اسلام میں غیظ و غضب ایک طبعی بات تھی لیکن خدا تعالےٰ کی عام اور محیط مصالح الٰہی اس کی اجازت نہیں دیتیں کہ مسلمانوں کی طرف سے کوئی یہود کو کھلا چیلنج دیا جائے، اس لئے بڑی خوبصورتی کے ساتھ، پیدا ہونے والے غصہ کو عفو و صفح کا پیغام سنایا گیا۔ اور وقتی جوش کو ایک مفید کام اور بہترین راہ کیطرف موڑ دیا گیا یعنی نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو الخ۔ آیات میں ربط یعنی پہلے یہ ممانعت کہ اپنے نبی سے سوال نہ کرو اور پھر یہود کے معاندانہ طرز عمل پر توجہ دلانا، اس لئے ہے کہ بے سرو پا سوالات غالباً یہود کے بہکانے اور سکھلانے پر کئے جاتے تھے، اور ظاہر ہے کہ یہود کے اس طرح کے سوالات خود کرنا یا مسلمانوں سے کرانا صرف مسلمانوں کے استقامت ایمان کو شک و شبہ کی تذبذب پسندیوں سے آشنا و واقف کرنا تھا۔

ــــه عفو و صفح کے حکم کے ساتھ اور جہاد کے حکم سے پہلے نماز اور زکوٰۃ کا حکم بڑا ہی مناسب ہے۔ ظاہر ہے کہ مقاصد کو حاصل کرنے میں سب سے زیادہ مفید دو ہی چیزیں ہیں ایک تنظیم اور دوسرے ایثار، نماز تنظیم و ڈسپلن کا بہترین مظاہرہ ہے اور زکوٰۃ سے ایثار کا جذبہ پرورش پاتا ہے، اور یہ بھی معلوم ہے کہ جہاد کے لئے مصارف بھی مطلوب ہیں مثلاً ہتھیاروں کی فراہمی فوجوں کے لئے کھانے پینے وغیرہ کے انتظامات، یہ سب کچھ کاروبار مسلمانوں کے صدقات ہی سے چلتے ہیں۔

✧ ✧ ✧ ✧ ✧ ✧ ✧ ✧ ✧ ✧ ✧ ✧ ✧

وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ ۗ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ ۗ قُلْ هَاتُوا

اور یہود اور نصاریٰ دیوں، کہتے ہیں کہ بہشت میں ہرگز کوئی نہ جانے پاوے گا بجز ان لوگوں کے جو یہودی ہوں یا ان لوگوں کے جو نصرانی ہوں یہ خالی دل بہلانے کی

بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ

باتیں ہیں آپ کہئے کہ اچھا اپنی دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو (ضرور دوسرے لوگ جاویں گے) جو کوئی شخص بھی اپنا رخ اللہ تعالیٰ کی طرف جھکا دے اور مخلص بھی ہو تو ایسے شخص

أَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ

کو اسکا عوض ملتا ہے اس کے پروردگار کے پاس پہنچکر اور نہ ایسوں کو کوئی (قیامت میں) کوئی اندیشہ ہے اور نہ ایسے لوگ (اس روز) مغموم ہونیوالے ہیں اور یہود کہنے لگے کہ نصاریٰ

النَّصَارَىٰ عَلَىٰ شَيْءٍ وَقَالَتِ النَّصَارَىٰ لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلَىٰ شَيْءٍ وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتَابَ ۗ

(کا مذہب) کسی بنیاد پر (قائم) نہیں اور اسی طرح نصاریٰ کہنے لگے کہ یہود کسی بنیاد پر نہیں حالانکہ یہ سب (لوگ آسمانی) کتابیں بھی پڑھتے ہیں اسی

كَذَٰلِكَ قَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۝

طرح یہ لوگ (بھی) جو کہ (محض) بے علم ہیں انکا سا قول کہنے لگے سو اللہ تعالیٰ ان سب کے درمیان (عملی) فیصلہ کر دینگے قیامت کے روز ان تمام مقدمات میں

بے بُنیاد دعویٰ

ارشاد ہے کہ " اور یہ کہتے ہیں کہ جنت میں کوئی ہرگز داخل نہ ہوگا مگر ہاں وہی جو یہودی ہو یا نصرانی ہو یہ ان کی (نری) آرزوئیں ہیں، آپ کہدیجئے کہ اپنی سند لاؤ اگر تم سچے ہو۔ ہاں البتہ جو کوئی بھی اپنی ذات کو اللہ کے آگے جھکائے اور وہ مخلص بھی ہو تو ایسے کے لئے اس کے پروردگار کے پاس اس کا اجر ہے اور ایسوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ مغموم ہوں گے۔ اور یہود کہتے ہیں کہ نصاریٰ کسی بنیاد پر نہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہود کسی بنیاد پر نہیں درانحالیکہ وہ سب ایک ہی کتاب (آسمانی) پڑھتے ہیں اسی طرح وہ لوگ بھی کہنے لگے انھیں کا سا قول جو (کچھ بھی) علم نہیں رکھتے سو اللہ ان کے درمیان قیامت کے دن اس باب میں فیصلہ کر دیگا جسمیں وہ جھگڑتے رہتے ہیں "۔

گویا کہ یہاں یہود اور نصاریٰ دونوں کے دعوے اس سلسلہ کے نقل ہوئے ہیں کہ بہشت بریں یا یہود کا حصہ ہے (جیسا کہ یہودیوں کا خیال تھا)، اور یا نصاریٰ کا (جیسا کہ وہ کہتے تھے) خدا تعالیٰ نے اس اعتماد پر کہ سننے والے خود ہی سمجھ جائیں گے کہ اسطرح کے دعاوی دونوں کی طرف سے ہوتے تھے، صرف ایک ہی فرقہ کے ساتھ یہ قول منسوب کیا حالانکہ یہ بات دونوں کی طرف سے کہی جارہی تھی، دونوں فرقوں کے اقوال کو یکجا کرنے میں ایک تو یہی وجہ ہے جو ذکر کی گئی اس کے علاوہ ایک بات یہ بھی ہے کہ ان دونوں کی باتوں کو علیحدہ علیحدہ کرنے میں کسی کو کوئی دشواری نہ ہوگی کیونکہ دونوں فرقے، ایک دوسرے کے بارے میں تجاوز کرتے اور کہتے تھے کہ ہمارے مخالف مذہب کی کوئی حقیقت نہیں۔ ہود، ہائد کی جمع ہے جیسا کہ عوذ، عائذ کی جمع ہے۔

پھر فرمایا کہ یہ یہودیوں کی اور نصاریٰ کی نری بس تمنائیں ہیں جن کی حقیقت کچھ بھی نہیں قرآن مجید نے اس موقع پر امانی، جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے اس کا واحد امنیۃ ہے، اس جمع کے لفظ سے، یہود و نصاریٰ کی ان بہت سی تمناؤں کی طرف توجہ دلانا ہے جن کا ابھی ذکر ہوا تھا۔ یعنی ان کی یہی تمنا کہ مسلمانوں پر، خدا تعالیٰ کی کوئی خیر نازل نہ ہو۔ ایک بڑی آرزو یہ کہ مسلمانوں کو ہم پھر کافر کر لیں اور یہ بھی کہ ہمارے سوا اور کوئی جنت میں نہ جائے۔ بہرحال یہ سب غلط آرزوئیں ہیں جو قیامت تک پوری نہ ہوں گی۔

یہ امنیہ، اضحوکہ کے وزن پر ہے اور تمنا سے ماخوذ ہے۔ اس باطل دعویٰ کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے کہ اگر واقعہ ایسا ہی ہے کہ جنت میں صرف تم ہی جاؤ گے تو پھر اتنے بڑے دعویٰ کی کوئی دلیل تو دو۔ یہ ہات، ہار کی طرح ہے اور عربی میں

احضرو کے معنی میں اس کا استعمال ہے، یعنی پیش کرو۔ ترکیب نحوی کے اعتبار سے قل ھاتوا برھانکم کا تعلق لن یدخل الجنۃ الا من کان ھودا او نصاریٰ سے ہے اور "تلک امانیہم" میں جملہ معترضہ کے طور پر درمیان میں آگیا۔ ان کنتم صادقین، یعنی اگر تم اپنے اس دعوی میں سچے ہو۔ کیونکہ ایک سچے دعوی کی دلیل بھی ضرور ہوتی ہے۔

خدا تعالےٰ کا اصولی جواب

یہود و نصاریٰ نے جو جنت کو اپنے لئے مخصوص بنا کر ہر ایک کو اس میں جانے سے محروم رکھا تھا اس کے جواب میں ایک بالکل اصولی جواب خدا تعالےٰ کی طرف سے ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایسا ہرگز نہیں ہے کہ جنت میں صرف تم ہی جاؤ گے بلکہ جنت کا مستحق (اللہ تعالیٰ کے فضل سے) ہر وہ شخص ہے جو صرف خدا تعالےٰ ہی کی عبادت کرتا ہو، معبود برحق اسی کو جانتا ہو۔ اور اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو۔ اور ساتھ ہی وہ قرآن مجید کی تصدیق بھی کرتا ہو تو اس کو اجر ضرور ملے گا گویا کہ یہ "من اسلم" کا جواب ہے اور ترکیب نحوی کے اعتبار سے یہ ایک کلام ہے جس سے شرط کے معنی بھی مفہوم ہوتے ہیں۔ یعنی جنت میں داخل ہونے کے لئے اسلام، احسان، مخلصانہ عبادت، توحید وغیرہ سب چیزیں شرط ہیں "بلی" سے ان کے ایک غلط دعوی کی تردید کرنا ہے۔ یہ اجر من جانب اللہ ہوگا اور اس اجر پر مستزاد یہ بھی کہ یہ جنتی جو اپنی عبادت و عمل میں مخلص تھے جنت میں اس طرح ہوں گے۔ کہ نہ ان کو کوئی رنج ہوگا اور نہ کوئی ملال۔

ایک اور حماقت

یہود، نصاریٰ کو اور نصاریٰ یہود کے متعلق کہتے کہ ان کا دین قابل اعتبار نہیں۔ اتنی لغویات یہ ایک دوسرے کے متعلق کہتے حالانکہ یہ پڑھے لکھے اور خصوصاً آسمانی کتاب کے جاننے والے تھے اور کم از کم آسمانی کتابوں کا تو یہ ایک مشترک مضمون ہے کہ ایک فرقہ دوسرے فرقہ کی تردید نہ کرے پھر یہ ایک، دوسرے کی تردید کس طرح کر رہے ہیں۔ اور لطف یہ ہے کہ مشرکین جن کو کوئی علم وغیرہ بھی نہیں۔ نہ ان کے پاس کوئی آسمانی کتاب اور نہ آسمانی کتابوں کا کسی اور ذریعہ سے علم، وہ بھی یہود و نصاریٰ کی طرح اس قسم کی غلط باتیں کرنے لگے گویا کہ خدا تعالےٰ نے یہ ارشاد فرما کر، اہل علم پر ایک مہمیز بھی لگائی کہ تم اپنی باتوں کے اعتبار سے، بالکل جہلا ہی سے جا ملے۔ بہرحال ان تمام باتوں کا واقعی فیصلہ قیامت کے دن خدا تعالےٰ ہی فرمائیں گے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِىْ خَرَابِهَا ط

اور اس شخص سے زیادہ اور کون ظالم ہوگا جو خدا تعالیٰ کی مسجدوں میں انکا ذکر (اور عبادت) کئے جانے سے بندش کرے اور انکے ویران (و معطل) ہونے کے

اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ط لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ

بارے میں کوشش کرے ان لوگوں کو تو کبھی بے ہیبت ہو کر انمیں قدم بھی نہ رکھنا چاہیئے تھا، بلکہ جب جاتے، ہیبت اور ادب سے جاتے، ان لوگوں کو دنیا میں بھی رسوائی (نصیب ہوگی)

عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝

اور انکو آخرت میں بھی سزائے عظیم ہوگی اور اللہ ہی کی مملوک ہیں (سب سمتیں) مشرق بھی اور مغرب بھی۔ کیونکہ تم لوگ جس طرف منہ کرو ادھر ہی، اللہ تعالیٰ کا رخ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ (تمام جہات)

ع قرآن مجید کی بلاغت کی کہاں تک داد دی جائے۔ یہود و نصاریٰ فردوس بریں کو اپنے لئے خاص کر رہے تھے اس کا ایک جواب تو یہی تھا کہ خدا تعالےٰ ان کی تردید فرما دیں لیکن اللہ تعالیٰ نے بجائے اس کے ایک بالکل اصولی بات سامنے رکھ دی وہ یہ کہ ہر شخص جنت میں جا سکے گا بشرطیکہ وہ متعلقہ شرائط پوری کرتا ہو محسن کا ترجمہ صاحب مدارک نے، قرآن مجید کی تصدیق کرنے والا کر دیا۔ یہ محض یہودیوں اور نصاریٰ کی رعایت سے ہے کیونکہ وہ قرآن مجید کی تصدیق نہیں کرتے تھے۔ ورنہ احسان کا مطلب، عملی زندگی ہر شریعت اور اسلام کے منشا کے مطابق ہو۔ وجہ کا ترجمہ اگرچہ صرف چہرہ ہے لیکن عربی میں یہ لفظ بول کر پوری ذات مراد لیجاتی ہے چنانچہ راغب میں ہے کہ "عبر عن الذات بالوجہ" اس لئے اب صرف چہرہ ہی نہیں بلکہ پوری ذات مراد ہوگی مطلب یہ کہ توحید کا اس طرح قائل ہو کہ اس میں شائبہ شرک نہ ہو۔

ظلم تو یہ ہے

اور اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جو اللہ کی مسجدوں کو اس سے روک دے کہ ان میں اس کا نام لیا جائے اور ان کی بربادی کی کوشش کرے۔ یہ لوگ اس لائق ہی نہیں کہ ان میں داخل ہوں مگر ہاں یہ کہ ڈرتے ہوئے، ان کے لئے دنیا میں بھی بڑی رسوائی ہے۔ اور آخرت میں بھی بڑا عذاب ہے۔ اور اللہ ہی کا ہے مشرق بھی اور مغرب بھی سو تم جدھر کو بھی منہ پھیرو، اللہ ہی کی ذات ہے۔ اللہ بڑا وسعت والا ہے بڑا علم والا ہے۔

ترکیب نحوی کے اعتبار سے "من" مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے جو یہاں استفہام وسوال کا مفہوم ادا کر رہا ہے۔ "اظلم" خبر ہے۔ "ان یذکر" "منع" کا ثانی مفعول ہے، اہل عرب استعمال کرتے ہیں منعتہ کذا (یہ مثال دو مفعول کی ہے) قرآن مجید میں بھی اس طرح کی آیات آئی ہیں مثلاً "وما منعنا ان نرسل بالآیات" یا "وما منع الناس ان یؤمنوا" نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ "ان" کے ساتھ حرف جر محذوف کر دیا جائے اور عبارت یوں ہو کہ "من ان یذکر" اور مفعول منصوب ہو اس صورت میں عبارت یہ ہوگی "منعھا کراھتہ ان یذکر" بہر حال یہ آیات بالکل ہی عام ہیں اور ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مساجد میں خدا تعالےٰ کے ذکر سے روکنا بالکل ہی ناجائز وحرام ہے خواہ کوئی بھی مسجد ہو۔ اور اس طرح کا اقدام کرنے والا خدا تعالےٰ کی نظر میں سب سے بڑا ظالم ہے، ان آیات کا نزول اس وجہ سے ہوا کہ نصاریٰ، بیت المقدس" میں گندگی ڈالنے لگے تھے اور لوگوں کو وہاں نماز پڑھنے سے روکتے تھے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آیات اس وقت نازل ہوئیں ہوں جب مشرکین نے آپکو مسجد الحرام میں حدیبیہ والے سال جانے سے روک دیا تھا۔

یہاں یہ اشکال ضرور پیش آسکتا ہے کہ خدا تعالےٰ نے مساجد کا لفظ، جو کہ جمع ہے استعمال فرمایا حالانکہ مسجد جیسا کہ شان نزول سے معلوم ہوتا ہے ایک ہی تھی یا "بیت المقدس" یا پھر مسجد الحرام؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مساجد کا لفظ اس لئے اختیار فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ یہ حکم عام ہے، کسی بھی مسجد کے ساتھ یہ معاملہ کرنے والا آدمی خواہ کوئی بھی ہو ظالم ہے۔ یہ ایسا ہے جیسا کہ آیات نازل ہوئیں "ویل لکل ھمزۃ" (کمبختی ہے پس پشت عیب جوئی کرنے والے کے لئے اور طعنہ دینے والے کے لئے) اخنس بن شریق کے سلسلہ میں، لیکن اب ہر وہ شخص جو غیبت کرتا ہے یا طعنہ زنی اس کی عادت ہے اس آیت کا مصداق ہے اور قرآن مجید میں بکثرت اس کی مثال ملتی ہے کہ ایک آیت کسی خاص واقعہ یا کسی مخصوص شخص کے بارے میں نازل ہوئی لیکن پھر وہ اپنے حکم کے اعتبار سے بالکل ہی عام سمجھی گئی۔

پھر فرماتے ہیں کہ ذکر اللہ کی مسجدیں ممانعت سے مساجد کی گویا کہ تباہی کی کوشش کی گئی۔ یہاں بھی، اگرچہ خاص مسجد الحرام یا بیت المقدس ہی مراد ہے لیکن مساجد کے لفظ کو جس طرح عام لیا تھا اس کو بھی عام ہی رکھا جائے گا۔ فرماتے ہیں مساجد میں عبادات سے روکنے والوں کو تو اللہ کی مساجد میں ڈرتے ہوئے داخل ہونا چاہئے تھا۔ "الا خائفین" یدخلوھا کی ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے یعنی مومنین سے ان لوگوں کو ڈرنا چاہئے تھا کہیں وہ ان کو مغلوب نہ کرلیں یہ کتنی بے جا بات ہے کہ کفار، بجائے خوف زدہ ہونے کے ان پر قبضہ کر رہے ہیں انکی تولیت ونگرانی کے دعویدار ہیں اور مسلمانوں کو ان عبادت گاہوں میں جانے نہیں دیتے بہر حال ہونا چاہئے تھا یہ اور ہو رہا ہے کیا۔

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ نصاریٰ بیت المقدس میں کانپتے ہوئے داخل ہوتے تھے کہ کہیں قتل نہ کر دیئے جائیں قتادہ کہتے ہیں کہ جو بھی نصرانی، بیت المقدس میں پا یا جائے اس کو خوب مارنا چاہئے۔ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اعلان فرمایا تھا کہ اب کوئی مشرک، اس سال کے بعد حج ہرگز نہ کرے، اور بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ ایک نہی ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ "ایسے ظالم لوگوں کو مساجد میں داخل ہونے سے روکو"۔ جیسا کہ ایک موقع پر خدا تعالےٰ نے ارشاد فرمایا "وما کان لکم ان تؤذوا رسول اللہ" (کہ تمہارے لئے یہ مناسب نہیں کہ تم اللہ کے رسول کو تکلیف پہنچاؤ) اس آیت میں بھی

تکلیف واذیت دہی کی مخالفت ہے ایسے ہی ان مذکورہ بالا آیات میں بھی مخالفت ہوگی

فرماتے ہیں کہ ایسے ظالم دنیا میں رسوا ہوں گے اور آخرت میں ان کے لئے جہنم کا سخت عذاب ہے چنانچہ کفار گرفتار ہوئے اور نصاریٰ ذمی بن کر مسلمانوں کے ماتحت رہے عہ

فرماتے ہیں کہ مشرق و مغرب یعنی بلاد مشرق و مغرب سب خدا تعالےٰ ہی کے ہیں وہی ان کا مالک اور وہی انکی امور کا نگران و والی۔ لہٰذا تم جدھر بھی منہ کرو ادھر خدا تعالےٰ ہی ہے، آیت میں "فا ینما" شرط ہے اور "تولوا" اس کی جزا اسی وجہ سے یہ مجزوم ہے۔ یہ منہ پھیرنا، قبلہ کی جانب رخ کرنے کے ہم معنے ہے کیونکہ دوسری آیات میں قبلہ کا صاف تذکرہ ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ "فول وجھک شطر المسجد الحرام" یا ایک اور موقع پر فرمایا کہ "وحیثما کنتم فولوا وجوھکم شطرہ"۔ یعنی تم کہیں ہو قبلہ کی طرف ہی نماز میں اپنا چہرہ رکھو۔

"وہیں اللہ موجود ہے" اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ وہی جہت ہے جس کو قبلہ کی حیثیت سے خدا تعالےٰ نے تمہارے لئے پسند فرمایا ہے مطلب یہ ہوا کہ اگر تم کو مسجد الحرام میں نماز پڑھنے سے روک دیا جائے یا پھر بیت المقدس میں تمہارے نماز پڑھنے کی کوئی صورت ممکن نہ رہے تو کوئی فکر نہ کرو کیونکہ تمام روئے زمین تمہارے لئے مسجد بنا دی گئی اس لئے جہاں چاہے نماز پڑھو کیونکہ قبلہ کی طرف صرف رخ کرنا مقصود تھا اور وہ ہر جگہ سے ہو سکتا ہے اور یاد رکھو

عہ۔ ان آیات کے بارے میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ یہ کس کے بارے میں نازل ہوئیں ابن جریر کی رائے ہے کہ مشرکین نے جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حدیبیہ والے سال مسجد الحرام سے روک دیا تھا اس وقت نازل ہوئیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ "ھولاء المشرکین حین حالوا بین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یوم الحدیبیۃ وبین ان یدخل مکۃ" اور علامہ آلوسی صاحب روح المعانی کا خیال ہے کہ آیات "ٹائیٹس (TITUS) رومی کے بارے میں نازل ہوئیں جب اس نے بنو اسرائیل سے جنگ کرکے ان کو قتل بھی کیا تھا ان کے بچوں کو گرفتار کر لیا تھا، تورات کو جلا دیا، اور بیت المقدس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اس میں گندگی ڈلوائی، خنزیر وہاں ذبح کئے گئے۔ غرضیکہ اس نے اور اسکے بد باطن ساتھیوں نے بیت المقدس کی تباہی و توہین میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ بیت المقدس برابر اسی حالت میں پڑا رہا تا آنکہ مسلمانوں نے دوبارہ اس کی تعمیر وغیرہ کی۔ آیات اسی واقعہ ہائلہ کے سلسلہ میں نازل ہوئیں۔

علامہ رشید رضا نے بھی تقریباً یہی لکھا ہے اور لکھا ہے کہ رومیوں کے اس ذلیل اقدام کی وجہ، نصاریٰ کی یہودیوں سے شدید عداوت و بغض تھا، لیکن علامہ رضا اپنے استاد کا خیال اور رائے لکھتے ہیں کہ وہ کہتے تھے کہ اس حادثہ پر تاریخ میں کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ لکھتے ہیں کہ اس روایت کو قبول کرنے میں ایک یہ بھی تامل ہے کہ رومیوں کو آخر بیت المقدس، مذہبی کتابوں سے کیا نفرت تھی کہ انھوں نے خاص طور پر انھیں کو نشانہ بنایا لکھا ہے کہ ایک وجہ ضرور سمجھ میں آتی ہے کہ بیت المقدس پر یہود کا قبضہ تھا اور نصاریٰ یہودیوں سے شدید دشمنی کی وجہ سے رومیوں کو چڑھا کر لائے اور انھوں نے ہی یہ سب کچھ کرایا پھر لکھتے ہیں کہ بہرحال اس پر کوئی تاریخی ثبوت ہونا چاہئے "ولکن لایجزم بہ الا اذا وجد نقل تاریخی صحیح یؤید الخبر"

ابن جریر نے اس موقع پر اپنی تفسیر میں ایک بڑا دھوکا کھایا وہ لکھتے ہیں کہ آیات کا شان نزول یہ ہے کہ نصاریٰ نے بخت نصر بابلی سے اتحاد کرکے بیت المقدس کو نقصان پہنچایا، بڑی غلط ہے یہ بات کیونکہ بخت نصر کا واقعہ تو عیسائیت سے چھ سو تیس سال پہلے پیش آیا۔ بہرحال شان نزول کچھ ہو، آیات سے جو حکم ثابت ہے، یعنی عبادت گاہوں کو خدا تعالےٰ کی عبادت و ذکر کے لئے کھلا رکھنا وہ ہر حال میں ثابت ہے جیسا کہ فقیہہ ابن العربی مالکی نے لکھا ہے علامہ آلوسی صاحب روح المعانی بھی لکھتے ہیں کہ آیات سے بہرحال عام حکم مفہوم ہے خواہ مسجد الحرام کا واقعہ ہو یا بیت المقدس کا۔ (باقی حاشیہ بر صـ۴۲)

کہ ہم نے اس حکم میں کہ جہاں چاہے نماز پڑھو بڑی وسعت رکھی ہے اور یہ ہمارے وسیع الرحمۃ ہونے کا کرشمہ ہے۔ لیکن ساتھ ہی کیونکہ مصالح پر پوری نظر رہتی ہے اس لیے کوئی حکم کسی وقت بھی، مصلحت کے خلاف نہیں ہوتا۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان آیات میں خصوصی اجازت مسافر کے لئے ہے جو کہ بحالت سواری نماز پڑھ رہا ہو اور قبلہ رخ نہ ہو سکے وہ جس طرف چاہے رخ کر کے نماز پڑھ لے بلکہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی رائے ہے کہ آیات نازل ہی اسی سلسلہ میں ہوئیں۔ بعض کی رائے ہے کہ آیات ایک خاص واقعہ سے تعلق رکھتی ہیں وہ یہ کہ ایک مرتبہ زمانہ نبوی میں بعض اصحاب نماز پڑھ رہے تھے، اندھیرے کی وجہ سے قبلہ متعین نہ کر سکے اور نماز ایک جانب قبلہ سمجھ کر پڑھ لی جب صبح ہوئی تو معلوم ہوا کہ ادھر قبلہ ہی نہ تھا جدھر انھوں نے نماز پڑھی، یہ بڑے رنجیدہ ہوئے تو آیات نازل ہوئیں جن میں بتایا گیا کہ قبلہ مشتبہ ہونے کی صورت میں وہی قبلہ ہے جدھر آدمی رخ کر سکے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا الشافعی الامام کا یہ مسلک ٹھیک نہیں جو وہ فرماتے ہیں کہ اگر اشتباہ قبلہ کی صورت میں کسی نے نماز پڑھ لی اور اتفاقاً بجائے استقبال قبلہ کے، قبلہ کی طرف پشت ہو گئی اور بعد میں معلوم ہوا کہ قبلہ کی طرف پشت تھی تو

بقیہ حاشیہ صلام ان آیات سے اگرچہ مساجد میں، ذکر و عبادت سے روکنا، قطعاً ممنوع معلوم ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی مصلحت شرعی موجود ہو اور مساجد میں ذکر و عبادت سے روکنا ضروری ہو تو پھر کوئی مضائقہ نہیں مثلاً۔ رات کے اوقات میں مساجد اگر کھلی رکھی جائیں تو مسجد کی چیزوں کے چوری کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں، رات کے اوقات میں مساجد بند رہنی چاہئیں اور اس میں کوئی حرج نہیں۔ نیز فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ کفار کو مساجد میں بجز چند صورتوں کے آنے سے روکنا چاہیئے مثلاً اگر وہ اچھی نیت اور ارادہ کے ساتھ صرف مسجد دیکھنے آئیں اور ساتھ ہی مساجد کا احترام ملحوظ رہے تو ان کو آنے کی اجازت دینی چاہیئے اور اگر خدانخواستہ ان کا ارادہ برا ہو یا وہ مساجد کی بے حرمتی کرتے ہوں تو روکنا ضروری ہوگا۔ فقیہ جصاص نے لکھا ہے کہ ان آیات سے دو حیثیتوں سے داخلہ کفار کا مساجد میں ممنوع معلوم ہو رہا ہے "قال ابو بکر فی هذه الآية على منع اهل الذمة دخول المساجد من وجهين" اور پھر ان دونوں وجہوں کی ضروری بحث اصل کتاب میں کی ہے۔ فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ (۱) مساجد میں داخلہ کے لئے ہر مسلمان کو اجازت ہونی چاہیئے (۲) اور یہ کہ مسجد کا دروازہ کسی شخص کی مملوک زمین پر نہ ہو، کیونکہ اگر کسی کی مملوک زمین پر ہوگا تو ہو سکتا ہے کہ وہ شخص اپنی زمین سے گذرنے کی اجازت نہ دے اور اس طرح مسجد میں عام طور پر آدمی آجا نہ سکیں، یہ بھی لکھا ہے کہ ذکر اللہ وغیرہ سے جس طرح مساجد کی آبادی ہوتی ہے ایسے ہی بدعات وغیرہ کے ارتکاب سے مساجد ویران ہوتی ہیں اس لئے بدعات کے ارتکاب سے مساجد میں پرہیز کرنا چاہئے اور کوئی ایسی حرکت نہ کرنی چاہیئے جس سے مساجد کی رونق کم ہو یا نمازی کم آنے لگیں مثلاً، امام بدخلق ہو، یا متولی جھگڑالو ہو یا اور کوئی وجہ جس کی بنا پر آدمی اس مسجد میں آنے سے اعراض کرنے لگیں یاد رکھنا چاہیئے کہ مساجد کی رونق کو کم کرنا، جماعت کی قلت، سب کچھ مساجد کو ویران ہی کرنے کی فہرست میں آتا ہے اور انھیں وعید کا مستحق ہے جو مسجدوں کو ویران کرنے پر حدیث و قرآن میں مذکور ہیں۔

بعض علماء نے یہ خوب لکھا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مساجد کی ویرانی پر اتنی شدید وعید فرمائی تو قلب انسانی جو حقیقی و معنوی سجدہ گاہ ہے اس کو برباد کرنا، کتنا بڑا ظلم ہوگا، چنانچہ اسلام کی اشاعت روکنا، امور حق کے قیام میں رکاوٹیں ڈالنا سب کچھ اسی ذیل میں آگیا۔ علامہ رشید رضا مرحوم نے لکھا ہے کہ مساجد اللہ کی بے حرمتی کرنے والوں اور عبادتگاہوں کو برباد کرنے والوں پر جو رسوا کن عذاب آتا ہے اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ظالم حکام ایسے لوگوں پر مسلط کر دیئے جاتے ہیں ان کے دور حکومت میں انکو اپنی تمام برائیوں کا خوب مزہ چکھنا پڑتا ہے چنانچہ رومیوں کے ہاتھوں یہود پر جو عذاب آیا، یا عیسائیوں پر بخت نصر نے جو قیامت توڑی تاریخ اس کی داستان توں چکاں سے لبریز ہے اور کبھی خدا تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے تسلط سے ایسے ظالم ہمیشہ لوگوں کا قلع قمع کر دیتا ہے جو مآثر و معابد کی توہین کریں چنانچہ مشرکین مکہ کی طاقت، مسلمانوں کی شوکت کے سامنے ہمیشہ کے لئے ختم کر دی گئی۔

نماز صحیح نہ ہوگی، اور امام شافعی کا یہ قول اس وجہ سے درست نہیں کہ ان آیات میں بالکل عام اجازت ہے تخصیص کسی صورت کی نہیں کی گئی، بعض علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ دعا و ذکر میں، کسی بھی طرف چہرہ کرنے کی اجازت ہے اور ان آیات کا حاصل یہی ہے۔[عہ]
واللہ اعلم بالصواب

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ○

اور لوگ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اولاد رکھتا ہے (سبحان اللہ کیا مہمل بات ہے) بلکہ خاص اللہ تعالیٰ کے مملوک ہیں جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں (موجودات) ہیں (اور) سب اسی کے محکوم

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○

(بھی) ہیں (حق تعالیٰ) موجد ہیں آسمان اور زمین کے اور جب کسی کام کو پورا کرنا چاہتے ہیں تو بس اس کام کی نسبت (اتنا) فرما دیتے ہیں کہ ہو جا بس وہ (اسی طرح) ہو جاتا ہے

"اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ خدا نے ایک بیٹا بنا لیا ہے (پاک ہے وہ) اصل یہی ہے کہ اسی کی ملک ہے جو کچھ بھی آسمانوں اور زمینوں میں ہے، سب اسی کے حکم بردار ہیں۔ وہ موجد ہے آسمانوں اور زمین کا اور جب کسی کام کا کرنا ٹھہرا لیتا ہے تو بس اتنا ہی اس سے کہتا ہے کہ "ہو جا" بس وہ ہو جاتا ہے۔"

عقیدہ ابنیت پر ضرب کاری

ان آیات میں وہ لوگ مراد ہیں جو خدا تعالیٰ کے متعلق اس طرح کے واہی خیالات رکھتے ہیں مثلاً عیسائی جو (معاذ اللہ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کا بیٹا کہتے ہیں، یا یہود جو عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں ان تمام غلط باتوں سے اپنی کامل برارت اور تنزیہ فرمائی کہ معاذ اللہ خدا ایسا قدیر و قادر اور اس کے اولاد، وہ تو تمام زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا، پوری کائنات کو تخلیق دینے والا ہے، جس میں عیسیٰ بھی آ گئے اور عزیر بھی یہ سب مملوک و مخلوق ہونے کی بنا پر، خدا تعالیٰ کے بیٹے نہیں ہو سکتے، یہ سب خدا تعالیٰ کے حکم کے سامنے سر ڈالے ہوئے ہیں خدا تعالیٰ کے احکام کو کوئی روکنے

عہ۔ ان آیات کے شان نزول میں اختلاف ہے جیسا کہ صاحب "مدارک" نے لکھا ہے چنانچہ فقیہ جصاص نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عامر بن ربیعہ اپنے والد سے نقل کرتے تھے کہ ہم ایک مرتبہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے رات بڑی اندھیری تھی، ہمکو بالکل معلوم نہ ہو سکا کہ قبلہ کدھر ہے چنانچہ ہم میں سے ہر ایک نے جس طرف رخ ہوا نماز پڑھ لی۔ صبح کو یہ واقعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش ہوا تو یہ آیات نازل ہوئیں جن میں بتایا گیا کہ اشتباہ قبلہ کی صورت میں مسلمان کا وہی قبلہ ہے جس طرف وہ رخ کر سکے، اور قیس بن طلق اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک جماعت سفر کر رہی تھی، قبلہ معلوم نہ ہو سکا تو جدھر رخ ہوا نماز پڑھ لی نماز سے فارغ ہونے کے بعد معلوم ہوا کہ نماز قبلہ رخ نہیں پڑھی گئی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا آپ نے فرمایا کہ تمہاری نماز ہو گئی اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کی رائے ہے کہ آیات کا تعلق اس مسافر سے ہے جو سواری پر نماز پڑھ رہا ہو۔ لیکن علامہ رشید رضا مرحوم کا خیال ہے کہ آیات ماقبل سے مربوط ہیں اور مسلمانوں کو جو رنج و غم مسجد الحرام میں نماز نہ پڑھنے کا تھا اس پر ان کو بتایا گیا کہ مسلمان کے لئے تمام روئے زمین قبلہ ہے اس لئے غم کا ہے کا جس طرف چاہو رخ کر کے نماز پڑھو۔ گویا کہ مسلمان نماز میں خدا تعالیٰ کی طرف رخ کرتا ہے اور اسی کی عبادت کرتا ہے اور وہ ہر جگہ موجود ہے، رہا قبلہ تو وہ بھی محض اس لئے ہمارا قبلہ بنا کہ خدا تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ورنہ ظاہر ہے کہ خود جہت قبلہ کوئی مطلوب نہیں ہے۔ رشید رضا نے لکھا ہے کہ دنیا کی تمام اقوام اور خصوصاً نصاریٰ اپنے معبد میں نماز کی ادائیگی صحیح سمجھتے تھے یہ اسلام ہے جس نے اس پابندی کو ہمیشہ کے لئے غیر ضروری قرار دے کر اسلام کی آفاقیت کا نقش قائم کر دیا۔

روح المعانی میں ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی بھی نبی کو قبلہ کے سلسلہ میں یہ عام اجازت نہیں دی گئی لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے اسفار میں اگرچہ بیت المقدس کے علاوہ دوسرے مواقع پر نماز پڑھی حالانکہ ان کے مذہب کے مطابق صرف نماز، بیت المقدس ہی میں پڑھی جا سکتی تھی تاہم وہ ضرورت کی بنا پر ان کا اقدام تھا اس لئے نہیں کہا جا سکتا کہ روئے زمین، بطور مسجد کے آنحضور کے علاوہ کسی اور کے لئے کبھی سجدہ گاہ بنی ہو۔ روح المعانی کے الفاظ یہ ہیں ولعل غیرہ علیہ الصلوٰۃ (باقی بر صـ۴۴)

کی جرات نہیں کرسکتا، "کل" میں تنوین، مضاف الیہ کے عوض میں ہے اصل عبارت تھی "کل ما فی السموات والارض" یعنی دنیا جہان کی تمام چیزیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ جو خدا تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کر رہے ہیں وہ خود اور ان کے تجویز کردہ معبود خدا تعالیٰ کے سامنے حکم بردار، اطاعت گذار ہیں اور جن کو اولاد کہا گیا وہ خود خدا تعالیٰ کی ربوبیت کا اعتراف کرتے ہیں اور جس قسم کی غلط چیزیں ان کی طرف منسوب کی گئیں ان کا بشدت انکار کرتے ہیں۔ آیت میں "ما" استعمال کیا گیا جو عموماً غیر ذوی العقول کے لئے استعمال ہوتا ہے اور اس کے ساتھ "قانتون" بھی لایا گیا حالانکہ الطاعت، صاحب عقل کا عمل ہے، اور یہ قرآن مجید میں کوئی نادر موقع نہیں بلکہ دوسرے مواقع پر بھی ایسا ہی کیا گیا ہے مثلاً "سبحان ما سخر لنا"

پھر فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ زمین و آسمان کو پیدا کرنے والا ہے اور ایسے نرالے انداز میں جس کی اس سے پہلے کوئی مثال نہیں ملتی، عرب ہر اُس شخص کو جس نے کوئی ایسا کام کیا جس کی پہلے سے مثال نہ ہو "مبدع" کہتے ہیں۔ چنانچہ "بدعتی" کو بدعتی اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہ ایسا کام کرتا ہے جو سنت اور جماعت کے سراسر خلاف ہوتا ہے اور دین اسلام میں ایک ایسی جدت کرتا ہے جو صحابہ و تابعین کے دور میں نہیں تھی۔

ارشاد ہے کہ ہماری غیر محدود اور وسیع قدرت کا تو یہ عالم ہے کہ جب کسی چیز کو وجود دینا چاہتے ہیں تو بس صرف "ہو جا" کہا اور وہ چیز عمل میں آگئی۔ یہ "کن" عربی قاعدہ کے اعتبار سے "کان تامہ" سے ہے ناقصہ نہیں ہے، اور ان الفاظ سے مقصود یہ بتانا ہے کہ خدا تعالیٰ کے کسی حکم کی تعمیل میں تاخیر نہیں ہوتی۔ علماء کہتے ہیں کہ "کن" کہنے کی بھی ضرورت نہیں یہ تو محض ہم انسانوں کو سمجھانے کیلئے ارشاد فرمایا ورنہ وہ مقتدر تو الفاظ کے سہارے بھی نہیں لیتا ارادہ ہی کافی ہے۔ جن چیزوں کا ارادہ فرمالیا وہ فوراً وجود پذیر ہوتی ہیں ارادہ کے بعد چیزوں کا وقوع نہ ہو یہ محال ہے یا ذرا توقف و تاخیر سے وجود میں آئیں یہ بھی مشکل ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ دنیا میں کسی کا کوئی نہایت وفادار، فرض شناس خادم ہو۔ آقا کوئی حکم اس کو دے تو وہ فوراً کرتا ہے، ٹال مٹول اس کی طرف سے مشکل ہی ہے۔

گویا کہ اپنی وسیع قدرت کا یہ اظہار، اولاد کی احتیاج و ضرورت کی نفی پر ایک بڑی مضبوط دلیل کے طور پر پیش فرما رہے ہیں ظاہر ہے کہ جو ذات گرامی اس درجہ مقتدر ہو وہ عام انسانوں سے اپنی صفات میں جدا اور علیحدہ ہوگی پھر خدا تعالیٰ کے یہاں امکان کے خمیر سے تیار کردہ انسان، اولاد کی حیثیت سے کہاں ہو سکتے ہیں، یہ احتیاج اور در احتیاج کے چکر میں اور وہ غنی، بے نیاز، اور ہر قسم کی قوت کا مظہر اتم، پھر ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا ظلم ہے یا غباوت ہے عہ

بقیہ حاشیہ ص۴۳ والسلام لم تبح له الصلوة فی غیر البیع والکنائس وصلوة عیسی علیه الصلوة والسلام فی اسفاره فی غیرها کانت عن ضرورة فلا حاجة الی القول باختصاص المجموع"

فقیہ جصاص نے آیت ذیل کے ماتحت کچھ مسائل بھی ذکر کئے ہیں مثلاً "اگر کوئی شخص سفر میں قبلہ نہ معلوم ہونے کی صورت میں اور کسی ایسے شخص کے نہ ہونے پر جس سے قبلہ معلوم کر سکے، اپنی رائے سے کسی جانب قبلہ متعین کر کے نماز پڑھ لے تو احناف کے خیال میں اس کی نماز ٹھیک ہے اور بعد میں اگرچہ یہ معلوم بھی ہو جائے کہ جدھر رخ کر کے نماز پڑھی ہے ادھر قبلہ نہ تھا نماز از سر نو پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وجہ کے لفظی معنی چہرہ کے ہیں لیکن چہرہ خدا تعالیٰ کا کہاں ہے یہ تو جسم کے ساتھ ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ کا جسم ہی نہیں اس لئے مفسرین نے کہا کہ وجہ اللہ سے اللہ تعالیٰ کی ذات مراد ہے، راغب میں ہے کہ ربما عبر عن الذات بالوجه گویا کہ اس آیت سے اس عقیدہ کی بالکل تردید ہوتی ہے کہ معاذ اللہ اللہ تعالیٰ جسم رکھتے ہیں چنانچہ امام رازی نے لکھا ہے کہ "الآیة من اقوی الدلائل علی نفی الجسم واثبات التنزیه"

عہ یہ آیات خاص طور پر قابل توجہ ہیں کیونکہ ان میں ابنیت کے اس عقیدہ پر ضرب کاری لگائی ہے جو آج مشرق و مغرب میں پھیلی ہوئی (باقی بر ص۴۵)

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ

اور (یعنی) جاہل یوں کہتے ہیں کہ (خود ہم کو) کیوں نہیں کلام فرماتے اللہ تعالیٰ یا ہمارے پاس کوئی اور ہی دلیل آجاوے اسی طرح وہ جاہل لوگ بھی کہتے چلے آئے ہیں

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ

جو ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان ہی کا سا (جاہلانہ) قول ان سب کے قلوب (کج فہمی میں) باہم ایک دوسرے کے مشابہ ہیں ہم نے تو بہت سی دلیلیں صاف صاف بیان کر دی ہیں

يُّوْقِنُوْنَ ۝ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ۝

(مگر وہ) ان لوگوں کیلئے (نافع) ہیں جو یقین (حاصل کرنا) چاہتے ہیں۔ ہم نے آپکو ایک سچا دین دیکر بھیجا ہے کہ خوشخبری سناتے رہیئے اور ڈراتے رہیئے اور آپ سے دوزخ میں جانیوالوں کی باز پرس نہ ہوگی۔

اور جنھیں علم سے کوئی حصہ نہیں ملا ان کا کہنا ہے کہ اللہ ہم سے کیوں کلام نہیں کرتا ہمارے پاس کوئی بڑی نشانی کیوں نہیں آتی۔

بقیہ حاشیہ صـ۴۴ اقوام میں گمراہی وضلالت کا باعث بنا ہوا ہے۔ الفاظ سادہ ہیں لیکن حقائق کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر اس کوزہ میں بند کر دیا گیا۔ بلاغت قرآن اور ساتھ ہی اس کا یہ سراپا اعجاز ایجاز، کہاں اپنی نذیر رکھتا ہے آیت کے متعلق کچھ مختصر اشارے ہم دیتے ہیں، خدا کرے کہ حقیقت آپ پر واضح ہو جائے۔ سب سے پہلے تو یہ معلوم کیجئے کہ یہ آیات، صرف یہود ونصاریٰ ہی کے بارے میں نازل نہیں ہوئیں بلکہ مشرکین سے بھی انکا بڑا گہرا تعلق ہے کیونکہ وہ بھی فرشتوں کو، خدا تعالے کی بیٹیاں قرار دیتے ہیں اور اس طرح خدا تعالیٰ کے صاحب اولاد ہونے کا عقیدہ انکے عقائد کا اہم جزو بن گیا۔ فی ظلال القرآن میں سید قطب نے لکھا ہے " وهذه المقولة ليست مقولة النصارى وحدهم فى المسيح فهى مقولة اليهود كذلك فى العزير ومقولة المشركين ايضًا فى الملائكة "

تفسیر المنار میں ہے کہ اس طرح کے باطل عقائد وخیالات سب ہی کے تھے خواہ وہ یہودی ہوں یا نصاریٰ، یا مشرکین، معلوم ہوا کہ آیات کا روئے سخن دنیا کے ان گمراہوں کی جانب ہے جو خدا تعالیٰ کے لئے اولاد تجویز کرتے ہیں والعیاذ باللہ ما قبل میں یہود ونصاریٰ ہی کے بعض خرافاتی نظریئے بیان ہو رہے تھے مثلاً وقالوا لن يدخل الجنة الا من كان هودا او نصارىٰ الخ یا قالت اليهود ليست النصارى على شئ الخ نہیں ہے تعلق ان آیات کا بھی ہے گویا کہ جسطرح وا ہی باتیں ان احمقوں کے منہ سے نکل رہی ہیں اسی طرح یہ بھی ایک ظالمانہ بات انھیں کے دماغوں سے اتری ہوئی ہے، درمیان میں، مساجد سے متعلق ایک خاص بات آگئی ورنہ تمام تر کلام یہود ونصاریٰ اور گمراہ پسند جماعتوں کے اقوال یا اعمال ہی کی تردید میں چلا آرہا ہے،۔ سبحانہ کا لفظ بڑے معرکہ کا لفظ ہے اس سے برارت، تقدیس اور تنزیہ کے مفہوم ابھرتے ہیں ساتھ ہی کچھ خلاف واقعہ باتوں پر تعجب کا اظہار اس لفظ کی صفت ہے، اس لفظ نے تمام کلام میں جان ڈالدی اور بات اب یوں بنی کہ جو عرفان رب کے اونچے مراتب پر نہیں بلکہ ذات باری سے تھوڑی بھی واقفیت رکھتا ہے اس طرح کا کلام خدا تعالےٰ کی جناب میں ہرگز نہیں کر سکتا، بھلا اس بے جنس کے لئے کوئی جنس بنا کر، نظیر قرار دینا، کتنا بڑا ظلم ہے، اولاد کا سارا بکھیڑا، جنس ہی کی وسیع زمین پر پھیلا ہوا ہے اور اس کی کوئی جنس ہی نہیں تو اولاد پھر کہاں سے ہوگی ظاہر ہے کہ یا تمہاری تجویز کردہ اولاد آسمان سے تعلق رکھتی ہوگی یا پھر زمین کی پستیوں سے، لیکن سنو، زمین وآسمان کی پوری کائنات خدا تعالیٰ کی جنس ہرگز نہیں بن سکتی کیونکہ یہاں جو کچھ ہے وہ خدا تعالےٰ کی ملک ہے، اور اس کی عزت وجلال کے سامنے سجدہ ریز اسکی مشیت کی گرفت میں اس کے ارادہ کے حکم بردار، پھر کیا معقول وجہ ہو سکتی ہے کہ کسی کو اسکا بیٹا یا بیٹی بنایا جائے، مملوک ومخلوق کی اس پوری کائنات میں مخصوص عیسیٰ، عزیر اور فرشتوں کو اولاد قرار دینا آخر کس معقول وجہ پر قائم ہے؟ ہاں وہ خود اپنی مخلوق میں سے کسی کو کوئی خاص فضیلت وامتیاز عطا فرمادے مثلاً انسانوں کی جماعت سے کسی کو نبی، تو پھر بھی وہ مخلوق ہی رہے گا، خالق نہیں بن سکتا۔

(باقی حاشیہ بر صفحہ ۴۶)

اسی طرح وہ لوگ کہہ چکے ہیں جو ان سے پہلے ہو چکے ہیں انھیں کا سا کہنا، ان کے قلوب مشابہ ہو گئے ہم نے اپنے نشان کھول کھول دیئے ہیں ان لوگوں کے لئے جو یقین رکھتے ہیں ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے خوشخبری سنانے والا۔ اور ڈرانے والا بنا کر، اور آپ سے اہل دوزخ کے بارے میں کچھ بھی نہ پوچھا جائے گا۔

چند جاہلانہ مطالبے اور ان کا جواب

آیات میں جاہلین سے مراد مشرکین ہیں یا پھر اہل کتاب۔ اہل کتاب مراد لینے کی صورت میں یہ ضرور اشکال ہوگا کہ وہ تو پڑھے لکھے تھے پھر انکو جاہل کیوں کہا گیا؟ جواب صاف ہے کہ علم پر عمل نہ کرنا، جہالت و نادانی ہی ہے۔ سو جب اہل کتاب اپنے علم پر، عمل نہیں کرتے تو ان کو حقیقت شناس قرآن کریم جاہل ہی کہہ کر پکارے گا۔ کہنے اور از راہ تکبر کہتے کہ موسیٰ علیہ السلام سے کلام کرنے والا خدا خود ہم سے محمدؐ کی رسالت کے بارے میں براہ راست گفتگو کیوں نہیں کرتا، یا پھر کوئی بڑی نشانی بھیجے اس امر پر کہ یہ سب کچھ قصہ جو محمد کی طرف سے ہو رہا ہے ٹھیک ہے درست ہے (معاذ اللہ وہ آیات نشانیاں جواب تک اسی مقصد کے لئے آچکی تھیں ان ظالموں کی نظر میں کوئی وقعت ہی نہیں رکھتی تھیں) اسی طرح کے بے ہودہ خیالات پہلے بھی ظاہر کر چکے، گمراہی میں چھوڑے ہوئے اگلوں کے نقش قدم پر یہ بے منزل سفر، دلوں کی کجی میں، یاس انگیز مشابہت کی تاریک گھٹا ہے۔

حالانکہ جن کے دل، یقین کی دولت سے بہرہ اندوز، جو انصاف کے علمبردار، سلامت روی کے خوگر ہیں ان کے لئے آیات و نشانیوں کے انبار لگا دیئے گئے جن کے نتیجہ میں ان کے دل، یقین کی حرارت سے گرما اٹھے، اور شک و ریب کے دھندلکوں کی اوٹ سے حقیقت کا چہرہ سامنے آگیا، اب ان کو نہ کسی آیت کی ضرورت اور نہ وہ کسی نشانی کے طلبگار، اور جو نشانیوں کے بعد نشانیاں چاہتے ہیں، ان سے خدا کا اور اس کے کلام کا خطاب نہیں۔ اے محمدؐ آپ مومنین کے لئے سراپا بشارت، اور منکرین کے لئے ایک نذیر بنا کر بھیجے گئے ہیں، بس انذار اور بشارت کا کام انجام دیتے رہئے اس کے بعد بھی اگر کوئی کافر رہتا ہے تو اس کے بارے میں آپ سے کوئی سوال نہ ہوگا، کیونکہ آپ اپنا فرض ادا کر چکے، اب منکرین و کفار کا معاملہ ہمارے سپرد کر دیجئے۔ عہ

بقیہ حاشیہ ص ۴۵ خوب یاد رکھئے کہ یہ جو ارشاد فرمایا کہ اس کے سامنے سب مسخر ہیں اس تسخیر سے مراد "طبعی تسخیر" ہے جس میں اختیار نہیں ہوتا "تسخیر شرعی" مراد نہیں جو کھڑی ہوتی ہے اختیار کی زمین پر۔ "بدیع السموات والارض" باتوں باتوں میں ابنیت و ولدیت کے عقیدہ پر ایک اور ضرب لگی، دلیل کا حاصل یہ ہے کہ جب زمین و آسمان صرف خدا تعالیٰ ہی نے پیدا کیا اور وہی مطلق خالق ہے تو باپ کبھی بھی نہیں ہو سکتے، کیونکہ باپ کے لئے "تاثر (اثر پذیری، قبولیت اثر و انفعالیت) ضروری ہے کم از کم اور کچھ نہیں تو صرف اسی قدر کہ ولد (بچہ) کا مادہ اس سے جدا ہو۔ مادہ کی جدائی، انفعال کے بغیر ممکن نہیں اور وہ فاعل ہے، موثر ہے، منفعل یا اثر قبول کرنے والا نہیں (کما فی الروح) اولاد کی تمنا، دلوں میں مخفی جذبات سے پوچھیے، ہمیشہ پس منظر میں ضرورتیں ہیں جو اولاد کی تمنا کی صورت میں سامنے آتی ہیں، مثلاً ایک باپ کی یہی خواہش کہ بڑھاپے کا سہارا، مصائب میں مددگار، مونس و غمخوار۔ اور جو ذات گرامی ارادے سے سب کچھ کرنے والی ہو۔ اس کو دوسروں کے سہارے کہاں اور کب مطلوب، "کن" کا پیرایہ بیان تو محض ہم ناقصوں کو سمجھانے کے لئے ہے ورنہ خوب کہا صاحب "مدارک" نے کہ نہ الفاظ اور نہ حروف وہاں تو ارادہ ہے اور اس پر بلا تامل و تاخیر "مراد" کی وجود پذیری۔

عہ علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ پہلی آیات میں، توحید پر اعتراضات اور شبہات کا جواب دیا گیا تھا اب نبوت سے متعلق شکوک و شبہات صاف کئے جاتے ہیں وجہ الارتباط ان الاول كان قدحا فى التوحيد وهذا قدح فى النبوة مشرکین مکہ کہتے تھے کہ جب ان نبی (محمد صلے اللہ علیہ وسلم) سے باوجودیکہ یہ انسان ہیں خدا تعالیٰ کلام کرتا ہے جیسا کہ ان کا دعویٰ ہے۔ تو ہم سے کیوں گفتگو نہیں کرتا۔ (باقی بر ص ۴۷)

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ

اور کبھی خوش نہ ہوں گے آپ سے یہ یہود اور نہ یہ نصاریٰ جب تک آپ (خدانخواستہ) ان کے مذہب کے (بالکل) پیرو نہ ہو جائیں آپ صاف کہہ دیجئے کہ (بھائی)

هُوَ الْهُدٰى ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِىْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ○

حقیقت میں تو ہدایت کا وہی رستہ ہے جس کو خدا نے بتلا دیا ہے اور اگر آپ اتباع کرنے لگیں ان کے غلط خیالات کا علم قطعی ثابت ہو چکنے کے بعد تو آپکا کوئی خدا سے بچانے والا نہ یار نکلے

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿ع﴾

جن لوگوں کو ہم نے کتاب (توریت و انجیل) دی بشرطیکہ وہ اسکی تلاوت (اسطرح) کرتے رہے جس طرح کہ تلاوت کا حق ہے ایسے لوگ اس پر ایمان لے آتے ہیں اور جو شخص نہ مانے گا اور کسی نقصان کریگا خود یہی لوگ خسارہ

اور آپ سے یہود و نصاریٰ ہرگز خوش نہ ہوں گے جب تک آپ ان کے مذہب کے پیرو نہ ہو جائیں آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کی بتلائی ہوئی راہ تو بس وہی ہے اور اگر آپ بعد اس علم کے جو آپ کو پہنچ چکا ہے ان کی خواہشوں کی پیروی کرنے لگے تو آپ کے لئے اللہ کے مواخذہ کے مقابلہ میں نہ کوئی ہمدرد ہوگا اور نہ کوئی مددگار، جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے اور وہ اسے اس طرح پڑھتے ہیں، جس طرح اس کے پڑھنے کا حق ہے وہ لوگ اس پر ایمان لے آئیں گے، اور جو کوئی اس سے کفر اختیار کرے گا تو یہی لوگ بس نقصان اٹھانے والے ہیں

آخری بات

گویا کہ یہود و نصاریٰ نے اپنے معاملہ اور طرز عمل سے یہ ثابت کیا کہ اے محمدؐ خواہ آپ ہماری خوشنودی کو حاصل کرنے کے لئے کتنی ہی کوشش کرلیں لیکن ہم آپ سے ہرگز راضی نہ ہوں گے تاوقتیکہ آپ ہمارے دین اور طریقہ، مذہب و ملت کو نہ اپنالیں۔ اس طرح انھوں نے اسلام کی دعوت کو قبول کرنے سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بالکل مایوس کر دیا تھا، ان کی انھیں باتوں کو خدا تعالیٰ نے یہاں ذکر فرمایا، اور ساتھ ہی یہ بھی ارشاد ہوا کہ وہ دین جس کو خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے پسند فرمایا ہے "اسلام" ہے اس کے سوا اور کوئی مذہب نہیں، جن دوسرے مذاہب کی تم دعوت دیتے ہو، وہ نفسانی خواہشات کے گندے طومار ہیں وہ "ھوی" تو ہو سکتے ہیں لیکن "ھدیٰ" نہیں۔ آخر میں آپ کو بھی خطاب فرمایا کہ اے محمدؐ اگر

بقیہ حاشیہ صہ ۴۶ غرور و تکبر، ان مشرکین کو بتاتا کہ وہ بھی انبیاء علیہم السلام ہی کے مرتبہ و درجہ کے ہیں د ھو استکبار منھم بعض انفسھم الخبیثۃ کالملائکۃ والانبیاء المقدسین (مدح) یا پھر کوئی نشانی ایسی آئے جس سے (محمد کے) دعوی کی تصدیق ہو جواب میں ارشاد ہے کہ ایک نہیں متعدد معجزات آپ کی نبوت کبریٰ پر بطور شاہد پیش کئے گئے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ کا وجود اقدس خود ایک معجزہ ہے آپ کی دیانت، امانت، عفت، پاکبازی، اخلاص، زہد و اتقاء، عبادت و ریاضت، سب ہی معجزات اور آیات ہیں لیکن ان سے فائدہ صرف وہی اٹھائیں گے جن کے قلوب، ایمان و یقین سے منور ہوں، اس لئے اگر کچھ لوگ آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو فکر نہ کیجئے اور اپنا کام جاری رکھئے، آپؐ کے مکذبین، یقیناً جہنمی ہیں اور وہ جہنم میں کیوں گئے اس کے لئے آپ سے کوئی سوال نہ ہوگا "ای ذلا یضرک تکذیب المکذبین الذین یساقون بجحودھم الی الجحیم لانک لم تبعث ملزما لھم ولا جبارا علیھم فیتعلق عدم ایمانھم تقصیرا منک تسئل عنہ" المدارک

علم ویقین کی دولتوں سے بہرہ ور ہونے کے بعد خدا نخواستہ آپ ان یہود و نصاریٰ کی باتوں میں آگئے تو آپ کا کوئی مددگار نہ ہوگا جو خدا تعالیٰ کی گرفت سے آپ کو محفوظ رکھ سکے

پھر ارشاد ہے کہ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) یا مسلمان، جن کو ہم نے کتاب دی (تورات، انجیل یا قرآن مجید) اور اس کو وہ اسی طرح پڑھتے ہیں جیسا کہ پڑھنا چاہیئے، یعنی تصحیح حروف، تدبر و تفکر، عبرت و اعتبار کی نگاہوں سے اس کا مطالعہ کرتے ہیں، اور اس کے مضامین پر یقین وایمان رکھتے ہیں اور جو صفات آپ سے متعلق آسمانی کتابوں میں موجود ہیں ان میں کوئی تحریف نہیں کرتے تو بس سمجھنا چاہیئے کہ ایمان کا حق انھیں لوگوں نے ادا کیا ہے اور جو انکار میں مبتلا ہیں، ہدایت کو دیکر اس کے عوض میں گمراہی کا خسارہ والا سودا انھیں نے کیا ہے عہ

يٰبَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ

اے اولاد یعقوب (علیہ السلام) میری ان نعمتوں کو یاد کرو جن کا میں نے تم پر (وقتاً فوقتاً) انعام کیا اور اس کو (بھی) کہ میں نے تم کو بہت لوگوں پر فوقیت دی

عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْــًٔا وَّلَا

اور تم ڈرو ایسے دن سے جس میں کوئی شخص کسی شخص کی طرف سے نہ کوئی مطالبہ (حق واجب) ادا کرنے

يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝

پاوے گا اور نہ کسی کی طرف سے کوئی معاوضہ قبول کیا جائے گا اور نہ کسی کو کوئی سفارش (جبکہ ایمان نہ ہو) مفید ہوگی اور نہ ان لوگوں کو کوئی بچا سکے گا

فرماتے ہیں اے بنی اسرائیل میری وہ نعمتیں یاد کرو جو میں نے تم کو بخشیں اور یہ کہ میں نے تمہیں دنیا جہان والوں پر فضیلت دی اور اس روز سے ڈرو جب نہ کوئی کسی کے کام آئے گا اور نہ اس کی طرف سے معاوضہ قبول کیا جائے گا اور نہ اسے سفارش نفع پہنچا سکے گی اور نہ انھیں مدد ہی پہنچ سکے گی۔

اے اولاد یعقوب مطلب یہ ہے کہ وہ نعمتیں جو تم پر مسلسل جاری ہیں جن میں سے ایک اہم نعمت یہ تھی کہ تمکو تمہارے دور کے تمام باقی لوگوں پر ایک فضیلت بخشی گئی تھی اب ان نعمتوں کو یاد کرو۔ اور اس دن سے ڈرو جسمیں کوئی کسی کے اور کسی حیثیت سے بھی کام نہ آئے گا۔ آخر کے چار جملے یعنی کسی سے معاوضہ نہ لیا جائے گا، نہ کوئی کسی کے کام آئے گا، نہ سفارش چلے گی، اور نہ کسی کا تعاون کسی کے لئے مفید ہوگا، مکرر ہیں، پہلے بھی یہی ارشاد فرمایا اور اب پھر، یہ جملوں کا تکرار، گناہوں پر اصرار اور بار بار گناہ پر اقدام کی وجہ سے ہے، اور نیز اس لئے بھی کہ ختم انھیں حقائق پر ہو جن سے بنو اسرائیل کے واقعات کی ابتداء

عہ۔ ان آیات میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ دنیا کے باطل پرست فرقے آپ سے کبھی راضی نہیں ہو سکتے تاوقتیکہ وہ آپ کو اپنے مذہب کا پیرو نہ بنالیں، آپ سے ان کی ناراضگی، زمین، جائداد، گھر، باغ یا کسی دنیاوی چیز پر نہیں کہ آپ اختلافات کو نمٹا سکیں، بلکہ یہ آپ کے دین، طریقہ، اور مذہب وملت ہی سے نفرت رکھتے ہیں سو جب تک آپ اپنی ملت نہ چھوڑیں اور ان کی ملت، اختیار نہ کریں یہ آپ سے کیسے راضی ہو سکتے ہیں، یہ آیات اس وقت نازل ہوئیں، جب آپ کفار کے ساتھ بڑی رعایت و مراعات صرف اس لئے فرماتے کہ شاید وہ ایمان لے آئیں، جیسا کہ علامہ آلوسی رح نے لکھا ہے، ملت کے معنے مذہب اور طریقہ کے ہیں۔ قاموس میں ہے کہ "الملۃ الشریعۃ او الدین"

(باقی بر صفحہ ۴۹)

ہوئی تھی اس لئے کہ اب بنو اسرائیل کے واقعات ختم ہوتے ہیں۔

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ۭ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ۭ

اور جس وقت امتحان کیا حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کا انکے پروردگار نے چند باتوں میں اور وہ انکو پورے طور بجا لائے (اسوقت) حق تعالیٰ نے (ان سے) فرمایا کہ میں تم کو لوگوں کا

قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ۭ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً

مقتدا بناؤنگا انھوں نے عرض کیا اور میری اولاد میں سے بھی کسی کو (نبوت دیجئے) ارشاد ہوا کہ میرا یہ عہدہ (نبوت) خلاف ورزی کرنیوالوں کو نہ ملے گا اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے

لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ۭ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ۭ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ

جسوقت ہمنے خانہ کعبہ کو لوگوں کا معبد اور (مقام) امن (ہمیشہ سے) مقرر رکھا اور مقام ابراہیم کو (کبھی کبھی) نماز پڑھنے کی جگہ بنا لیا کرو اور ہمنے حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل (علیہما السلام)

اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّاۗىِٕفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ

کیطرف حکم بھیجا کہ میرے (اس) گھر کو خوب پاک رکھا کرو بیرونی اور مقامی لوگوں کی (عبادت) کے واسطے اور رکوع اور سجدہ کرنیوالوں کے واسطے اور جسوقت ابراہیم (علیہ السلام) نے (دعا میں

اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

عرض کیا کہ اے میرے پروردگار۔ اس کو ایک (آباد) شہر بنا دیجئے امن (و امان) والا، اور اسکے بسنے والوں کو پھلوں سے بھی عنایت کیجئے ان کو (کہتا ہوں) جو کہ انمیں سے اللہ تعالیٰ پر اور

الْاٰخِرِ ۭ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝

روز قیامت پر ایمان رکھتے ہوں حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اور اس شخص کو بھی جو کہ کافر رہے سو ایسے شخص کو تھوڑے روز تو خوب آرام برتاؤنگا پھر اسکو کشاں کشاں عذاب دوزخ میں پہنچا دونگا اور وہ پہنچنے

اور وہ وقت بھی یاد کرو۔ جب ابراہیم کو ان کے پروردگار نے چند چیزوں میں آزمایا۔ اور انھوں نے وہ پوری کیں، ارشاد ہوا کہ میں تم کو یقیناً لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں، بولے اور میری نسل سے بھی، ارشاد ہوا کہ میرا وعدہ نافرمانوں کو نہیں پہنچتا۔ اور وہ وقت بھی یاد کرو جب ہم نے خانہ کعبہ کو، لوگوں کے لئے ایک مقام رجوع اور مقام امن بنا دیا، اور مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بنا لو، اور ہم نے ابراہیمؑ اور اسمٰعیل کی طرف، حکم بھیجا کہ تم دونوں میرے گھر کو پاک وصاف رکھو۔

(بقیہ) دین اور ملت میں فرق یہ ہے کہ دین، اللہ اور امت کے افراد کے لئے استعمال ہوتا ہے مثلاً آپ کہیں گے کہ "دین اللہ" یا "دین ابوبکر" وغیرہ اور ملت، نبی یا رسول ہی کے لئے استعمال ہوگا مثلاً، ملت ابراہیمی وغیرہ (دیکھو مفردات امام راغب) یہاں لفظ ملت مفرد استعمال کیا گیا ہے جس سے فقہاء نے استنباط کیا ہے کہ کفر کسی بھی قسم کا ہو لیکن ہے ایک ہی ملت، چنانچہ ابن کثیر میں ہے "وقد استدل کثیر من الفقهاء على ان الكفر ملة واحدة" اسی وجہ سے فقہاء نے لکھا ہے کہ ایک کافر مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا ہاں کافر، کافر کا وارث ہو سکتا ہے خواہ وہ آپس میں مختلف ملت کے ہوں مثلاً ایک برہمن ہو دوسرا شودر، ابن کثیر میں ہے کہ "هذا مذهب الشافعي وابي حنيفة واحمد في رواية عنه"

یہ جو ارشاد فرمایا کہ آپ اگر علم یقینی کے بعد بھی خدانخواستہ کفار کی پیروی فرمائیں۔ "علم" سے مراد وحی ہے جو ہر شبہ سے بالاتر اور پر یقین

(باقی بر صفحہ ۵۰)

اعتکاف کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لئے۔
اور وہ وقت بھی یاد رکھنے کے قابل ہے، جب ابراہیم نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار اس شہر کو امن والا بنادے اور اس میں رہنے، بسنے والوں کے لئے روزی دے پھلوں سے یعنی ان رہنے والوں کو جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان لائیں اس پر اللہ نے فرمایا کہ جو کفر کرے گا میں اسے بھی کچھ دن مزہ اٹھانے دوں گا پھر اسے کشاں کشاں عذاب جہنم تک پہنچادوں گا اور وہ کیسا برا ٹھکانہ ہے

امام الانبیاء حضرت ابراہیم ع اور چند اہم واقعات

واقعہ کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو چند احکام اور چند نواہی کا مکلف قرار دیا یعنی کچھ باتیں کرنے کا حکم فرمایا اور بعض چیزوں سے روکا ابتلاء کے معنے، ہمارے اور خدا تعالےٰ دونوں کے اعتبار سے جدا جدا ہیں امتحان یا آزمائش اگر ہم کریں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم بعض چیزیں نہیں جانتے، اور جاننا چاہتے ہیں۔ اور خدا تعالےٰ اگر کسی کو آزمائیں تو مطلب یہ ہے کہ وہ ایک چیز خوب جانتے ہیں لیکن دوسروں کو بتانا چاہتے ہیں، مثلاً خدا تعالےٰ خوب جانتے تھے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی سرشت، اطاعت وانقیاد کی خوگر ہے اور جن چیزوں کا انکو حکم دیا جائے وہ ضرور کریں گے۔ لیکن خدا تعالیٰ چاہتے تھے کہ حضرت ابراہیم کی اسی خوگر اطاعت طبیعت کا دوسروں پر اظہار ہو اس لئے چند امور میں ان کو آزمایا بہر حال ابتلاء کا نتیجہ کسی پوشیدہ چیز کو، موجود وغیر موجود میں ظاہر کرنا ہے اور اسی لئے خدا تعالےٰ کی طرف اس کی نسبت صحیح ہے ورنہ ظاہر ہے کہ اللہ تعالےٰ تو سب کچھ ہی جانتے ہیں ان کا جاننے کے لئے کسی کو آزمانا کوئی معنے نہیں رکھتا۔
بعض علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اللہ تعالےٰ کا کسی بندہ کو آزمانا گویا کہ دو چیزوں میں سے بندہ کو کسی ایک چیز کو اختیار کرنے کی قدرت دینا ہے مثلاً خدا تعالےٰ کا حکم اور اس کی اطاعت بندہ کرتا ہے، یا اپنی خواہشات کی پیروی واتباع، یہی خدا تعالےٰ دیکھنا چاہتے ہیں گویا کہ دیکھنا یہ ہے کہ بندہ کیا کرتا ہے تاکہ اسی کے مطابق اس کو سزا یا جزا دی جائے۔
اس آیت کی قرارت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے دوسری طرح منقول ہے اور وہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی بھی قرارت ہے اس قرارت میں، ابراہیم ع کو رفع دیا گیا ہے یعنی ابراہیم فاعل ہیں اور خدا تعالےٰ سے کسی بات کو چاہ رہے ہیں چند دعائیں کر رہے ہیں کہ آیا خدا تعالےٰ ان کو قبولیت سے نوازتے ہیں یا نہیں اس کے بعد فرماتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کو ہم نے جب ان چند امور کے کرنے کا حکم دیا تو انھوں نے نہایت ٹھیک طریقہ پر ان کو انجام دیا نہ ان احکام کی ادائیگی میں ان سے کوئی سستی ہوئی اور نہ کوتاہی اس مطلب کی حامل ایک اور آیت بھی ہے جو قرآن مجید میں ایک دوسرے موقع پر آئی ہے، یعنی "وابراهیم الذی وفّیٰ" (یعنی ابراہیم علیہ السلام جنھوں نے احکام کو پورا کر دکھایا) امام ابوحنیفہ کے خیال وقرارت کے مطابق

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۹ حاوی ہے چنانچہ بیضاوی میں ہے "العلم الوحی" امام رازی نے لکھا ہے کہ وعید آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو اس موقع پر دی گئی اس کو علم یقینی کے آجانے کے بعد مقید کیا گیا اس سے معلوم ہوا کہ ہمیشہ وعید، صریح دلیل آجانے کے بعد ہی مرتب ہوگی مطلب یہ ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں کوئی دلیل سامنے نہیں آتی تو اس سے اختلاف کرنے والے کو کسی وعید کا مستحق نہیں کہہ سکتے۔ لکھتے ہیں یدل علی انہ لایجوز الوعید الا بعد نصب الادلۃ" آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر سخت وعید فرمائی گئی کہ آپ یہود ونصاریٰ کی اتباع ہرگز نہ فرمائیں، ابن کثیر نے لکھا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ خدا تعالےٰ کے یہاں وہ مسلمان سخت معتوب ومغضوب ہے جو نصاریٰ ویہود کی اتباع کرتے ہیں لکھا ہے کہ خطاب اگرچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن حکم تمام ہی امت سے ہے الخطاب مع رسول اللہ والامر لامتہ سوچنے کا مقام ہے کہ داڑھی منڈانا، انگریزی بال رکھنا، اور ہر چیز میں نصاریٰ وغیرہ کی یہ کھلی ہوئی پیروی، مسلمانوں پر خدا تعالیٰ کے غضب کا کیسا باعث بنے گی تلاوت کرنا اور اسکے حقوق لحوظ رکھ کر مطلب اسکا یہ ہے دل سے اس کی تعظیم کرتے ہیں اور انکے احکام پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔

مطلب یہ ہوگا کہ خدا تعالٰی نے، حضرت ابراہیمؑ کی تمام ہی دعائیں قبول فرمالیں، کوئی دعا قبول ہونے سے نہ رہی - امام ابوحنیفہ کی قرارت کے مطابق وہ دعائیں جو حضرت ابراہیمؑ نے کی تھیں وہی تھیں جنکا ایک دوسرے موقع پر ذکر آیا ہے یعنی اے اللہ شہر مکہ کو ایک امن کی جگہ بنا دیجئے، ہم کو اپنی طاعت کی توفیق دیجئے، قریش میں سے ایک نبی مبعوث کیجئے، اور اے ہمارے پروردگار ہماری حقیر کوششوں کو جو آپ کی راہ میں ہو رہی ہیں قبول فرمائیے، وغیرہ -

اور مشہور قرارت کے مطابق جس کا حاصل یہ تھا کہ خدا تعالٰی نے ابراہیم علیہ السلام کو چند امور کرنے کا حکم دیا تھا وہ امور یہ ہیں سر میں مانگ نکالئے، مونچھیں ترشوائیے، مسواک کیجئے، کلی کیجئے، ناک میں پانی دیجئے - اور جسم سے متعلق بھی پانچ ہی چیزوں کا حکم تھا، یعنی ختنہ کرائیے، ناخن ترشوائیے، بغل کے بال کٹوائیے، موئے زیر ناف لیجئے اور استنجا کیجئے،

ابن عباس فرماتے تھے کہ وہ تیس۳۰ امور تھے جن کا تعلق شریعت سے تھا ان میں سے دس سورۂ برارت میں حسب ذیل آیت میں آئے ہیں "التائبون" الخ اور دس کا تذکرہ سورہ احزاب میں ہے ان المسلمین والمسلمات الخ اور دس کا ذکر سورہ مومنین و معارج میں ہے یحافظون تک اور بعض علمار کی رائے ہے کہ مراد احکام حج ہیں جو ابراہیم علیہ السلام کو تعلیم کئے گئے تھے اور جن کو انھوں نے اچھی طرح پورا فرمایا۵ع

امامت کبریٰ

فرماتے ہیں کہ جب ابراہیمؑ امتحان میں پوری طرح کامیاب ہوئے، تو ان سے کہا گیا کہ اے ابراہیم ہم تم کو دنیا کا امام بنا دیں گے، کہ تمام قومیں، تمہارے دین اور ملت کی اتباع کریں گی - اس پر ابراہیم علیہ السلام عرض پیرا ہوئے کہ اور یہ عظیم منصب (یعنی امامت) میری اولاد و نسل کو بھی ملنا چاہیئے - ذریت اولاد کو کہتے ہیں خواہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں - یہ ذرر سے ماخوذ ہے جس کے معنی خلق کے آتے ہیں "فعیلۃ" کے وزن پر ہے ہمزہ، اس میں یا رسے بدل گیا - اس درخواست کے جواب میں حضرت حق جل مجدہ نے ارشاد فرمایا کہ ہم یہ عظیم منصب نافرمانوں کو نہیں دیتے - اہل ظلم سے اکثر مفسرین نے کافر مراد لئے ہیں یعنی نبوت و امامت، کفار کو نہیں ملتی گویا کہ دو باتوں کی حضرت ابراہیم کو اطلاع دی گئی ایک یہ کہ مسلمانوں کا امام

ع۵ - پہلا موقع ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام مبارک قرآن مجید میں آیا ہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت مشرکین اور اہل کتاب سب ہی حلقوں میں متعارف تھی اس لئے قرآن مجید نے، کسی تعارف کے بغیر صرف نام ہی ذکر کرنے پر اکتفار کیا، بڑے جلیل القدر پیغمبر تھے، تورات میں آپ کا نام ابراہام یا ابرام آیا ہے والد کا نام تارح تھا، مسلمانوں کے لئے وہی لفظ ٹھیک ہے جو قرآن مجید نے ان کے والد کیلئے اختیار کیا ہے یعنی "آذر" آبائی وطن کلدانیہ ہے جو جدید نقشۂ عالم میں "عراق" کہلاتا ہے عمر شریف حسب بیان توریت ۱۷۵ سال ہوئی سال وفات ۱۹۸۵ قبل مسیح ہے، خانہ کعبہ کی تاسیس، اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مورث اعلی ہونے کے اعتبار سے قرآن مجید بار بار تذکرہ کرے گا کلمات جن میں آپکو آزمایا گیا تھا جیسا کہ صاحب مدارک نے لکھا ہے علمار کے اقوال اس سلسلہ میں بہت ہیں چنانچہ ابن عربی نے لکھا ہے کہ "قد اختلف العلماء فیہا اختلافا کثیرا روح المعانی نے ان احکام میں داڑھی بمقدار شرعی رکھنا بھی ذکر کیا ہے -

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ کلمات سے مراد وہ کواکب تھے جنکے متعلق مفصل واقعہ آئندہ آتا ہے علامہ رشید رضا نے اس آخری قول کی تردید کی ہے اور اپنے شیخ عبدہ کی رائے درج کی ہے کہ قرآن مجید کے مبہم مقامات کی ضعیف اقوال سے تفصیل و تعیین، یہود سے مسلمانوں نے سیکھا ہے لکھتے ہیں کہ ہمارے مفسر جن امور کی تکلیف کا ذکر کر رہے ہیں یعنی کلی ناک میں پانی وغیرہ وہ ایسے کونسے اہم امور ہیں جن میں ایک جلیل القدر نبی کو آزمایا جائے، اور تعمیل پر سراہا جائے - لکھتے ہیں کہ قرآن فہمی کا صحیح طریق یہ ہے کہ مبہم مقامات میں تعیین و تفصیل کی کوشش نہ کرنی چاہیئے تاوقتیکہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث منقول نہ ہو - والحق ان مثل ھذا یوخذ کما اخبر اللہ تعالٰی بہ ولا ینبغی تعیین المراد بہ الا بنص عن المعصوم شیخ المفسرین ابن جریرؒ نے بھی لکھا ہے کہ "لا یجوز الجزم بشیٔ منہا انہ المراد علی التعین الا بحدیث او اجماع

اور مقتدار کا فر نہ ہوگا اور دوسری یہ کہ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں کچھ مسلمان ہوں گے اور کچھ کافر چنانچہ ایک دوسرے موقع پر ارشاد ہے، "وبارکنا علیہ وعلے اسحق ومن ذریتہما محسن وظالم لنفسہ مبین یہاں محسن سے مسلمان، اور ظالم سے کافر ہی مراد ہے۔

معتزلہ کی رائے معتزلہ نے اسی آیت سے دلیل پیش کی ہے کہ فساق و فجار مسلمان بھی، مسلمانوں کے امام و پیشوا نہیں بنائے جاسکتے، کہتے ہیں کہ امام تو دنیا سے ظلم ہی مٹانے کے لئے ہوتا ہے پھر ایک ظالم مسلمان کو، امامت کا نہایت ذمہ دار عہدہ کیسے دیا جاسکتا ہے؟ یہ تو دودھ کی رکھوالی بلی سے یا بکریوں کے گلہ پر بھیڑیئے کو نگراں بنا دینے کے ہم معنے ہے اس کے جواب میں اہل سنت والجماعت کہتے ہیں کہ آیت میں ظالم، سے صرف کافر مراد ہے فاسق اور ظلم پیشہ مسلمان مراد نہیں ہے، اس لئے آیت سے یہ استدلال صحیح نہیں کہ ایک ظالم مسلمان کو مسلمانوں کا رہبر نہ بنایا جائے۔

بعض مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے یہ دعا فرمائی تھی کہ میری اولاد کو بھی نبوت کا جلیل عہدہ عنایت فرمائیے اس پر فرمایا گیا کہ نبوت، کفار کو نہیں دی جاتی

پہلا وہ گھر خدا کا اور وہ بھی یاد کرو جب ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کے لئے مرجع بنادیا کہ دنیا سے مسلمان حج و عمرہ کرنے کے لئے مسلسل چلے آتے ہیں اور یہ آمد و رفت کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا (انشاء اللہ) مقام امن ہے اگر کوئی مجرم جرم کے بعد وہاں پہنچ جائے تو اس کو کوئی ایذا نہیں پہنچا سکتا، تاوقتیکہ وہ حرم کی باہر نہ آجائے، حرم میں پناہ گیر کے لئے امن عام کی اجازت کے سلسلہ میں احناف کے مسلک کی یہی آیت دلیل ہے پھر فرماتے ہیں کہ خانہ کعبہ کی ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقام ہے۔ اے مسلمانو تم اس کی نماز پڑھا کرو۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ عمر! یہی مقام ابراہیم ہے، اس پر عمر بے اختیار بولے کہ یا رسول اللہ پھر کیوں نہ ہم یہاں نماز پڑھا کریں، آپ نے فرمایا کہ مجھ کو اس کا حکم نہیں دیا گیا لیکن شام بھی ہونے نہ پائی تھی کہ وحی نازل ہوئی جس میں مقام ابراہیم پر نماز پڑھنی کا حکم تھا۔

علماء نے لکھا ہے کہ مقام ابراہیم سے مراد وہ پتھر جس پر حضرت ابراہیم نے کھڑے ہو کر خانہ کعبہ کی تعمیر کی تھی اور اس پر آپ کے نقش قدم جم گئے تھے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ مقام ابراہیم سے تمام حرم مراد ہے ؏

؏ امامت سے مراد دین و شریعت میں پیشوائی ہے، چنانچہ امام رازی نے لکھا ہے "ای یاتمون بک فی دینک" بلکہ لفظ امام اسی کے لئے استعمال ہوتا ہے جس کی پیروی اور اتباع کی جائے چنانچہ جصاص میں ہے کہ اسم الامامۃ مستحق لمن یلزم اتباعہ و الاقتداء بہ فی امور الدین او فی شیء منہا" تورات میں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس امامت کا تذکرہ ہے، فقہاء نے اسی آیت سے یہ نکتہ بھی نکالا ہے کہ دین ہی کی کامل اطاعت، انسان کو امامت کے مقام و منصب تک پہنچاتی ہے اور انبیاء کرام کے بعد اولیاء اللہ، علماء امت اپنے اپنے علوم و اخلاص، تقوی و تدین، کے اعتبار سے اس مقام عالی کے مستحق ہوتے ہیں۔ چنانچہ جصاص میں ہے کہ "فالانبیاء علیہم السلام فی اعلے مرتبۃ الامامۃ ثم الخلفاء الراشدون بعد ذلک ثم العلماء والقضاۃ العدول ومن الزمہ اللہ تعالی باقتداء بہم ثم الامامۃ فی الصلوۃ ونحوہا"

(باقی پر صـــ)

فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت ابراہیم و اسمٰعیل کو حکم دیا کہ میرے مکان کو پاک و صاف رکھیں بتوں سے اور تمام خبیث و گندی چیزوں سے، طواف کرنے والوں کے لئے، اعتکاف کرنے والوں کے لئے یعنی جو یہاں ٹھیر گئے ہیں اور یہاں سے جدا نہیں ہوتے بعض مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ طائفین سے غیر ملکی اور عاکفین سے اہل مکہ یعنی وہیں کے باشندے مراد ہیں۔ رکع راکع کی جمع ہے اور سجود ساجد کی مطلب یہ ہے کہ نماز پڑھنے والوں کے لئے بھی یہ مکان پاک و صاف ہونا چاہئے۔ پھر حضرت ابراہیم نے دعا فرمائی کہ اے اللہ اس شہر مکہ کو آپ امن کی جگہ بنا دیجئے، اور کیونکہ یہاں پھل وغیرہ کا نام و نشان نہیں تھا۔ اس لئے حضرت ابراہیم نے اس کی بھی دعا فرمائی کہ یہاں رہنے والوں کے لئے پھل پھلواری کا بھی آپ انتظام فرمائیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا صرف مومنین کے لئے فرمائی یہ (اس لئے کہ جب آپ نے امامت کے لئے دعا فرمائی تھی اور اس پر اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا تھا کہ "امامت" کا جلیل منصب، نافرمانوں کو نہیں ملے گا تو حضرت ابراہیم یہ سمجھے کہ شاید پھل وغیرہ بھی خدا تعالےٰ صرف مسلمانوں ہی کو عنایت فرمائیں گے اور اس لئے دعا میں آپ نے صرف مومنین ہی کا ذکر کیا۔

لیکن اللہ تعالےٰ نے جواب میں فرمایا کہ نہیں رزق میں ہمارے یہاں کسی کی کوئی تخصیص نہیں، ہم اسکو بھی دیں گے جو ہمارا منکر ہو لیکن چند روز کے لئے یا مختصر مدت کے لئے پھر اس کو کشاں کشاں عذاب جہنم کی طرف لے آئیں گے اور جہنم بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ

اور جبکہ اٹھا رہے تھے ابراہیم (علیہ السلام) دیواریں خانہ کعبہ کی اور اسمٰعیل (علیہ السلام) بھی (اور یہ کہتے جاتے تھے کہ) اے ہمارے پروردگار (یہ خدمت) ہم سے قبول فرمائیے بلاشبہ

الْعَلِيْمُ ۝ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠ وَاَرِنَا

آپ خوب سننے والے جاننے والے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار ہمکو اپنا اور زیادہ مطیع بنا لیجئے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک ایسی جماعت پیدا کیجئے جو آپکی مطیع ہو اور (نیز) ہمکو ہمارے حج

مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ

وغیرہ کے احکام بھی بتلا دیجئے اور ہمارے حال پر توجہ رکھیئے (اور) فی الحقیقت آپ ہی ہیں توجہ فرمانے والے مہربانی کرنے والے اے ہمارے پروردگار اور اس جماعت کے اندر ان ہی میں کا

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۴﴾

ایک ایسا پیغمبر بھی مقرر کیجئے جو ان لوگوں کو آپکی آیتیں پڑھ پڑھ کر سنایا کریں اور انکو آسمانی کتاب کی اور خوش فہمی کی تعلیم دیا کریں اور انکو پاک کر دیں۔ بلاشبہ آپ ہی غالب القدرۃ کامل الانتظام ہیں

اور وہ وقت بھی یاد رکھنے کے قابل ہے جب ابراہیم اور اسمٰعیل خانہ کعبہ کی بنیادیں بلند کر رہے تھے اے

بقیہ حاشیہ صہ۵۲ مفسرین نے لکھا ہے کہ "من ذریتی" میں من تبعیضیہ ہے، یعنی ابراہیم علیہ السلام نے بھی دعا اپنی تمام ہی نسل کے لئے امامت کی نہیں کی تھی بلکہ بعض صالح اور اہل افراد کے لئے، تفسیر ابو سعود میں ہے کہ "من تبعیضیۃ ای وجاعل بعض ذریتی"

مگر خدا تعالےٰ نے فرمایا کہ نبوت آپ کی نسل میں رہے گی لیکن اس کے لئے صلاح، تقویٰ، ایمان، عمل صالح ضروری ہے، محض آپ کی نسل سے ہونا کافی نہیں ہے۔ "عھدی" سے مراد وہی امامت اور پیشوائی کا مقام ہے، امام رازی نے لکھا ہے (باقی برصہ۵۴)

ہمارے پروردگار ہمارے سے یہ قبول کر یقیناً تو ہی سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے اے پروردگار ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار بنادے اور ہماری نسل سے ایک فرمانبردار امت پیدا کر، اور ہم کو ہمارے دینی قاعدے بتلادے، اور ہمارے حال پر توجہ رکھ یقیناً تو بڑا توجہ فرمانے والا ہے بڑا مہربان ہے، اے ہمارے پروردگار ان میں ایک پیغمبر انھیں میں سے بھیج جو انھیں تیری آیات پڑھ کر سنائے اور انھیں کتاب الٰہی اور دانائی کی تعلیم دے اور انھیں پاک و صاف کرے یقیناً تو بڑا زبردست ہے بڑا حکمت والا ہے۔

یہ مخلصانہ دعائیں

ان آیات میں ایک ایسے واقعہ کی اطلاع دی جارہی ہے جو بہت پہلے پیش آیا، قواعد، قاعدہ کی جمع ہے جس کے معنی بنیاد کے آتے ہیں اور اصل میں اس کے معنی ہر وہ چیز جس پر کوئی دوسری چیز ہو، بنیاد کو بھی اسی لئے کہتے ہیں کہ پوری عمارت اسی پر کھڑی ہوتی ہے، بنیادوں پر جب تعمیر کھڑی کی جاتی ہے تو وہ اب بجائے پست ہونے کے بلند اور نمایاں ہوتی ہیں پہلے زمین پر تھیں اور اب اونچی اونچی عمارتوں کی شکل میں ہمارے سامنے آجاتی ہیں۔

بیت سے یہاں خانہ کعبہ مراد ہے، مطلب یہ ہوا کہ یہ دعا ابراہیم اور اسمٰعیل علیہم السلام خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت فرمارہے تھے، کہتے ہیں کہ اصل تعمیر تو حضرت ابراہیم کرتے تھے اور اسمٰعیل صرف ان کی امداد فرماتے، دعا یہ ہوتی کہ اے ہمارے پروردگار اس خانہ کعبہ کو بنا کر ہم آپ کی ایک عبادت کر رہے ہیں آپ اسے ہم سے قبول فرمالیجئے، واقعی آپ دعاؤں کے سننے والے اور دلوں کا حال جاننے والے ہیں اور اے ہمارے رب ہم کو اپنا مخلص بنا دیجئے یہ اسلم وجھہ للہ سے ماخوذ ہے یا پھر عاجزی کے معنی میں اس کا استعمال ہوا اس صورت میں استسلم سے ماخوذ ہوگا جو عاجزی کے معنے میں استعمال ہوتا ہے۔ دونوں صورتوں میں مطلب یہ ہوگا کہ ہم کو یقین و اعتماد کی دولت عطا فرما اور اے ہمارے پروردگار ہماری نسل میں سے ایک جماعت مخلصین کی پیدا فرما بعض مفسرین کی رائے ہے کہ "من" من ذریتنا میں "بعض" کے معنی پر دلالت کر رہا ہے یعنی ہماری نسل میں سے کچھ ایسے ضرور ہوں جو آپ کی اطاعت ہی کو سب کچھ سمجھیں اور کچھ مفسرین کہتے ہیں کہ "من" بیان کے لئے ہے یعنی سراپا اطاعت یہ جماعت ہماری نسل سے ہونی چاہئے۔

بقیہ حاشیہ ص ۵۳ "ھٰذا العھد ھو الامامۃ المذکورۃ فی ما قبل"

ظالم سے مراد کافر اور فاسق دونوں ہی لئے گئے ہیں جیسا کہ صاحب مدارک نے لکھا ہے، آیت میں مفسرین نے یہ بھی گفتگو کی ہے کہ حضرت ابراہیم کا یہ امتحان، نبوت سے پہلے تھا یا بعد میں، بعض کہتے ہیں کہ نبوت سے پہلے ہوا کیونکہ امامت اور نبوت کا ذکر بعد میں آرہا ہے مطلب یہ ہے کہ جب وہ امتحان میں پورے اترے تو اس کے بعد ارشاد فرمایا گیا کہ "انی جاعلک للناس اماماً" اور بعض مفسرین کہتے ہیں کہ نبوت کے بعد امامت کا مقام ملا، کیونکہ وحی آپ پر آئی اور وحی نبوت کے بعد ہی آتی ہے "انی جاعلک" کے الفاظ سے صاحب المنار نے یہ لطیفہ مستنبط کیا ہے کہ نبوت وہبی چیز ہے، کسبی نہیں۔ البیت سے مراد خانہ کعبہ ہے، نصاری کعبہ کی قدامت کا بھی اسی طرح انکار کرتے ہیں جسطرح اس کے تقدس کا انکار انکی طرف سے ہو رہا ہے۔ لیکن کوئی مضبوط دلیل آج تک انکی طرف سے اس سلسلہ میں پیش نہ ہو سکی بلکہ باسمورتھ کو ماننا پڑا کہ "یہ وہ معبد ہے جس کی قدامت عہد تاریخ سے پرے ہے" مثابۃ سے مراد ایک ایسا مقام جہاں انسان بار بار جائے اور دل نہ بھرے

"امناً" مقام امن اگرچہ یہ صرف خانہ کعبہ کی صفت کے طور پر استعمال ہوا ہے لیکن مراد تمام ہی حرم ہے جیسا کہ فقیہ جصاص نے لکھا ہے کہ "والمراد الحرم لا الکعبۃ نفسھا" اسی امن کا یہ عالم ہے کہ حدود حرم میں انسان تو انسان کسی جانور تک کی جان لینا حرام ہے بلکہ وہاں کے درخت تک نہیں کاٹے جا سکتے۔ واتخذوا من مقام ابراھیم مصلی" اور مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بنالو خطاب اگرچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم

(باقی بر صفحہ ۵۵)

مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعار کی مقبولیت، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی صورت میں سامنے آئی یہاں ایک اشکال یہ ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم نے اپنی دعا میں صرف اپنی ہی نسل سے ایک سراپا اطاعت جماعت کی تخصیص کیوں فرمائی حالانکہ زیادہ بہتر یہ ہوتا کہ وہ دعار کرتے کہ خدایا تمام دنیا کو اپنی عبادت اور مخلصانہ اطاعت کی توفیق عطا فرما اس کا حل یہ ہے کہ آدمی کو عموماً اپنے قبیلہ، خاندان، نسل سے فطری تعلق ہوتا ہے بس یہی طبعی اور فطری تقاضہ ہے جو بے اختیار زبان پر آجاتا ہے ظاہر ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام بھی ان فطری تقاضوں سے خالی نہیں ہوتے جو عام انسانوں کے طبعی تقاضے کہلاتے ہیں قرآن مجید نے ایک موقع پر اسی کی رعایت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا "قوا انفسکم واھلیکم نارا" یعنی تم خود کو اور اپنی اولاد کو جہنم سے بچاؤ۔ حالانکہ جہنم سے بچانے کی کوشش تو تمام ہی دنیا کے لئے ہونی چاہیئے نہ کہ صرف اپنے لئے اور اپنے متعلقین کے لئے بات اصل میں وہی ہے کہ اپنی حفاظت اور اہل و عیال کا تحفظ انسان کی خواہش ہے اسی کے پیش نظر یہاں یہ مخصوص ارشاد فرمایا گیا۔ ابراہیم نے یہ بھی دعار فرمائی کہ اے اللہ ہم کو ہمارے دینی قاعدے بتلا دے، صرف حج کے سلسلہ کے یا پورے دین سے متعلقہ احکام و قوانین۔

اور ہم سے جو کچھ کوتاہیاں ہوئیں ان کو معاف فرما دیجئے اور ہو سکتا ہے کہ یہ دعار صرف اپنی نسل کے لئے ہو کہ ان سے جو کچھ لغزشیں ہوں ان کو معاف فرمائیے واقعی آپ تو بڑے توجہ فرمانے والے اور سراپا رحمت ہیں اور اے پروردگار

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۴ کو ہے لیکن آپ کے واسطے سے پوری امت مخاطب ہے چنانچہ بیضاوی نے لکھا ہے کہ "الخطاب لامة محمد صلی اللہ علیه وسلم" یہ پتھر جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہو کر خانہ کعبہ کی تعمیر فرماتے اب بھی ایک حجرہ میں محفوظ ہے۔ حج کے موقع پر اس حجرہ کے سامنے طواف کے بعد دو رکعت نماز پڑھی جاتی ہے۔ حنفیہ کے یہاں یہ نماز واجب ہے چنانچہ جصاص میں ہے کہ "یدل علی لزوم رکعتی الطواف" عھدنا، یہاں امرنا کے معنی میں آیا ہے چنانچہ زمخشری نے تفسیر کشاف میں لکھا ہے کہ امرناھما حضرت اسمٰعیل حضرت ابراہیم علیہم السلام کے سب سے بڑے فرزند تھے، حضرت ہاجرہ کے بطن سے تولد ہوئے تھے عمر شریف حسب روایت تورات ۱۳۷ سال کی ہوئی۔ قبیلہ قریش آپ ہی کی نسل سے ہے اور اسی لئے آپ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے "مورث اعلیٰ" ہیں "طھرا" طہارت سے مراد یہ ہے کہ حدود حرم میں نہ ظاہری نجاست ہونی چاہیئے نہ باطنی، یعنی شرک و کفر بھی اس حدود سے قطعاً ختم ہو جائیں۔ صاحب المنار نے لکھا ہے کہ بلاغت قرآن ہے کہ طہارت کا حکم دیا لیکن یہ نہیں بتایا کہ پاک کس چیز سے کیا جائے، اور یہ اجمال و ابہام رکھا ہی اس لئے گیا تاکہ ہر قسم کی گندگی سے پاک کرنے کا اہتمام ہو ولم یبین کرما یجب ان یطھرا منہ لیشمل جمیع الرجس الحسی والمعنوی کالشرك واصنامہ واللغو والرفث والتنازع" فقہار نے طہرا ہی کے الفاظ سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ مساجد کی صفائی فرض ہے

آگے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعائیں نقل کیجا رہی ہیں کہ آپ نے دعار کی کہ خدا تعالیٰ ان حدود میں ہمیشہ امن و امان رکھے اور یہ دعار قبول ہوئی آج حدود حرم میں وہ امن ہے کہ دنیا کے کسی گوشے میں اس کی نظیر نہیں ملتی، دور دراز سے قافلے چلے آتے ہیں راتوں کو سفر، اور لق و دق صحرا میں مسافرت لیکن، نہ غارتگری، نہ لوٹ نہ مار، دوسری دعار یہ فرمائی کہ مکہ کے باشندوں کو عمدہ اور بہترین پھل ہمیشہ کھانے کے لئے ملتے رہیں دعار یہ بھی مقبول ہوئی اور آج ہر قسم کے بہترین پھل، میوے، ترکاریاں، غلے، حرم میں جہاں چاہے خرید لیجئے، اور حیرت یہ ہے کہ علاقہ گرم و خشک ہے جس میں پھلوں کا مہیا ہونا بظاہر ممکن بھی نہ تھا۔ جلالین میں اس موقع پر یہ روایت بھی آئی ہے کہ جب حضرت ابراہیم نے یہ دعار فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل کو حکم دیا اور انھوں نے "طائف" شام یا فلسطین سے اکھاڑ کر حرم کے قریب لا رکھا اور طائف، پھلوں وغیرہ کی سب سے بڑی منڈی ہے۔ محقق آلوسی نعمانی نے لکھا ہے کہ یہ روایت اگر صحیح ثابت ہو جائے تو خدا تعالیٰ کی قدرت سے کوئی بعید امر نہیں ہے "وھذا علی تقدیر صحتہ غیر بعید عن قدرة الملك القادر جل جلالہ" حضرت ابراہیم کی دعار سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات انبیار علیہم السلام

(باقی بر صفحہ ۵۶)

"امت مسلمہ" میں ایک رسول بھیج جو انھیں میں سے ہو، خدا تعالےٰ نے اس دعار پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنے جد اعلیٰ حضرت ابراہیم کی دعار، عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور اپنی والدہ کے خواب کی تعبیر ہوں یہ رسول ایسے ہونے چاہئیں جو لوگوں کو آپ کی وحدانیت کے دلائل سنائیں اور آپ انبیار علیہم السلام کی صداقت سے متعلق جو کچھ نازل فرمائیں ان تک پہنچا دیں، قرآن مجید کی تعلیم دیں، حدیث اور فہم قرآن کے سبق دیں، شرک اور تمام باطنی و ظاہری گندگیوں سے ان کو صاف کریں واقعی آپ یہ تمام دعائیں قبول کر سکتے ہیں کیونکہ آپ بہت غالب ہیں اور ساتھ ہی حکمت بین، اس لئے جس کو قبول کریں اور جس دعار کو قبول نہ کریں وہ آپ کی کسی حکمت پر مبنی ہو گا ؏

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِى

اور ملت ابراہیمی سے تو وہی روگردانی کرے گا جو اپنی ذات ہی سے احمق ہو اور — اور ہم نے ان (ابراہیم علیہ السلام) کو دنیا میں منتخب کیا اور (اسی

الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ قَالَ

کی بدولت) وہ آخرت میں بڑے لوگوں میں سے شمار کئے جاتے ہیں جبکہ ان سے ان کے پروردگار نے فرمایا کہ تم اطاعت اختیار کرو انھوں نے عرض

اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ وَوَصّٰى بِهَاۤ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِىَّ

کیا کہ میں نے اطاعت اختیار کی رب العالمین کی۔ — اور اسی کا حکم کر گئے ہیں ابراہیم (علیہ السلام) اپنے بیٹوں کو اور (اسی طرح) یعقوب (علیہ السلام) بھی (میرے

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○

بیٹو) اللہ تعالےٰ نے اس دین (اسلام) کو تمہارے لئے منتخب فرمایا ہے سو تم بجز اسلام کے اور کسی حالت پر جان مت دینا۔

ارشاد ہے کہ اور ابراہیم کے مذہب سے کون پھرے گا مگر وہی جس نے خو کو احمق بنا لیا ہو، اور ہم نے تو ان کو دنیا میں بھی منتخب کر لیا تھا اور آخرت میں تو وہ صالحین ہی میں شمار ہوں گے، اور وہ وقت بھی یاد کرو جب ابراہیم سے ان کے پروردگار نے فرمایا کہ حکمبردار ہو جاؤ وہ بولے میں حکمبردار ہوں اس پروردگار کا جو سارے جہاں کا پروردگار ہے اور ابراہیم اسی کی ہدایت

بقیہ حاشیہ ۵۵ کس درجہ دعاؤں میں محتاط ہوتے ہیں امامت کے معاملہ پر قیاس فرما کر رزق کے معاملہ کو بھی مومنین کے لئے خاص فرمایا، اللہ اکبر، رضا الٰہی کی طلب میں یہ حدود شناسی - اگرچہ حضرت ابراہیم نے اپنی دعار میں ایمان کے صرف دو ہی جز ذکر فرمائے ہیں یعنی ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ لیکن مراد ایمان کامل ہی ہے اندلسی نے لکھا ہے کہ "لما کان الایمان باللہ و بالیوم الآخر یتضمن الایمان بجمیع ما یجب ان یؤمن بہ اقتصر علےٰ ذلک"

ع۲ قرآن مجید الفاظ کے استعمال کرنے میں نہایت محتاط ہے وہ ہمیشہ وہی لفظ استعمال کرتا ہے جو صورت واقعہ کی مکمل تعبیر و ترجمانی کرے، یرفع کا لفظ اس موقع پر اختیار کیا صرف یہ بتانے کیلئے، کہ خانہ کعبہ کی بنیاد تو ابراہیم علیہ السلام کے دور سے بہت پہلے حضرت آدم رکھ چکے تھے اب ابراہیم بنیادیں نہیں اٹھا رہے تھے، بلکہ پہلی بنیاد پر، ایک تعمیر یا عمارت کھڑی کر رہے تھے لیکن اس موقع پر عام مفسرین نے جو چند واہی اور لغو روایات نقل کی ہیں جن میں بتایا گیا کہ خانہ کعبہ آسمان سے اترا، یا حجر اسود وغیرہ سے متعلق بے سروپا قصے، انھیں کو نقل کر کے محقق عصر علامہ آلوسیؒ نے لکھا ہے کہ سب قصے غلط اور روایات بے بنیاد ہیں، لکھتے ہیں "اشیاء لو یتضمنها القرآن العظیم ولا الحدیث الصحیح و بعضها یناقض بعضاً" یعنی ان واقعات و قصص کا نہ قرآن نے ذکر کیا نہ حدیث میں تذکرہ بلکہ یہ خود ایک دوسرے کی تردید کرنے والی داستانیں ہیں۔ تقریباً ان ہی الفاظ میں المنار میں یہ تنقید مل جائے گی، خانہ کعبہ کی تعمیر کے موقع پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاؤں سے فقہار نے یہ نکتہ نکالا ہے کہ ہر نیک کام کے بعد دعار کرنا مستحب ہے چنانچہ نماز کے اختتام پر دعار یا روزہ افطار نے کے بعد دعا یہ سب ابراہیم علیہ السلام ہی کی سنت کی اتباع ہے (باقی بر ص ۵۸)

کر گئے اپنے بیٹوں کو، اور اسی طرح یعقوب بھی (یہی) ہدایت دے گئے تھے اپنی اولاد کو، کہ اے میری اولاد واقعی اللہ تعالے نے تمہارے لئے دین انتخاب فرمالیا سو ایسا قطعاً نہ ہو کہ تم مرتے وقت بجز مسلمان کے کچھ اور ہو۔

ملّت ابراہیمی

یہ استفہام انکاری ہے یعنی سوال مقصد نہیں بلکہ ملت ابراہیمی سے اعراض کرنے والوں کو تنبیہ ہے، مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی سمجھدار ملت ابراہیمی کو چھوڑ ہی نہیں سکتا، کیونکہ ایک واضح حق ہے جس کا نام ملت ابراہیمی ہے ایک سچائی ہے جو ابراہیم علیہ السلام کی امت کہلاتی ہے پھر اس کو اختیار نہ کرنا بلا شبہ حماقت ہے زجاج نے لکھا ہے کہ ملت کے معنی، سنت اور طریقہ کے آتے ہیں۔

ترکیب نحوی

"الا من"، مرفوع ہے "یرغب" میں جو ضمیر ہے اس سے یہ بدل واقع ہو رہا ہے اور بدل کی یہ ترکیب صحیح ہے اس لئے کہ "من یرغب" کلام غیر موجب ہے یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ آپ کہیں "هل جاءكؐ احد الا زيد" اس ترکیب کے پیش نظر معنی یہ ہوں گے کہ ملت ابراہیمی سے کوئی اعراض نہیں کر سکتا بجز اسی شخص کے جو کہ احمق اور سفیہ ہو جس نے نہ کچھ سوچا ہو اور نہ سمجھا ہو گویا کہ سفہ، جہل کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، اور جس طرح عربی میں جہل کا تعدیہ ہوتا ہے ایسے ہی سفہ بھی یہاں متعدی ہوا ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ "یسفہ فی نفسہ" کے معنی میں ہو اور اس میں اسی طرح حذف ہوا ہو جیسا کہ "من" اللہ تعالیٰ کے ارشاد واختار موسی قومه میں "من" محذوف ہے یا "علی" اس ارشاد ربانی ولا تعزموا عقدة النكاح میں محذوف ہے یہ دونوں ترکیبیں زجاج سے منقول ہیں، فراء نحوی کہتے ہیں کہ یہ حال ہونے کی بنا پر منصوب ہے لیکن یہ تو بالکل ہی غلط ہے کیونکہ معرفہ ہے جس کے تمیز ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں۔

فرماتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کی دو ایسی خصوصیات ہیں جن کے بعد ان کے طریقہ اور دین کا انکار کرنے والا یقیناً احمق ہی ہو گا ایک تو ان کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ دنیا میں برگزیدہ تھے اور دوسری خصوصیت یہ کہ وہ آخرت میں صالحین میں شمار ہوں گے ایسے جامع صفات شخصیت کے طریقہ میں جو خیر و فلاح ہوگی اس کا قبول نہ کرنا واقعی بس احمق کا کام ہے۔

آگے حضرت ابراہیم کی برگزیدگی پر ایک خاص واقعہ، شہادت کے طور پر پیش فرما رہے ہیں کہ دیکھو ابراہیم سے ہم نے ایک موقع پر کہا کہ ابراہیم اپنے دین میں اخلاص پیدا کرو، اطاعت کرو اور یقین کی دولت جمع کرو بس اتنا ہی کہنا تھا کہ ابراہیم فوراً بولے کہ اے میرے پروردگار، میں تو آپ کا ہر حال میں مطیع و منقاد ہوں اور اسی ملت و طریقہ یا اس کلمہ یعنی اسلمت لرب العلمين" کی ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو اور یعقوب نے بھی اپنی اولاد کو وصیت کی انھوں نے اپنی اولاد سے کہا کہ اے بیٹو خدا تعالیٰ نے تمہارے لئے ایک دین تجویز فرمایا جو تمام ادیان میں منتخب اور پسندیدہ ہے یہ دین اسلام ہے اور خدا تعالیٰ نے

بقیہ حاشیہ صـ۵۶

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا میں یہ بھی ہے کہ وہ نبی جو نسل اسمٰعیل سے مبعوث ہو ان کو کتاب وسنت (حکمت) کی تعلیم دے، اس سے معلوم ہوا کہ ایک رسول کا پیغام صرف وحی پہنچانے پر ختم نہیں ہوتا بلکہ کتاب الٰہی پہنچانے کے بعد وہ اس کی تشریح تفسیر اور تبیین بھی کرتا ہے خدا قرار واقعی سزا دے ایسے منکرین حدیث کو جن کے طاغوتی امام، اسلم جیراج پوری، پرویز، برق وغیرہ ہیں کہ پیغمبر کو صرف ایک ڈاکیہ اور ہرکارہ ہی بنا دیا یاد رہے کہ منکرین حدیث پر تمام امت نے بالاتفاق کفر کا فتویٰ لگایا ہے اور غالباً غلام احمد قادیانی لعنۃ اللہ علیہ کے بعد یہ دوسرا موقع ہے کہ تمام امت نے انکار حدیث کے فتنہ کو کفر کا موجب قرار دیا۔

حکمت سے مراد چیزوں کو ان کے مواقع پر رکھنا، یا دین کی صحیح سمجھ، یا حدیث و ارشادات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، بہر حال اس لفظ میں تمام احکام دین اور شریعت کے سب ہی مقاصد آتے ہیں المنار میں ہے کہ "والمراد بها اسرار الاحكام الدينية والشرائع ومقاصدها

(باقی بر صـ۵۸)

اس کو اختیار کرنے کی تم کو توفیق بھی عطا فرمائی سو اب تمہاری موت اسی "دین اسلام" پر آنی چاہیے گویا کہ اس آیت میں ہمیشہ اسلام ہی پر رہنے کا حکم ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ زندگی کے ایام تو کسی اور دین پر گذاریں اور جب موت آنے لگے تو اسلام قبول کر لیا جائے اسے یوں سمجھیے کہ آپ کسی سے کہیں کہ "میاں نماز خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھا کرو" اس بات کا مطلب یہ نہیں ہے کہ نماز بغیر خشوع کے پڑھو ہی مت پڑھو تو خشوع کے ساتھ ورنہ چھوڑ دو، ایسا مطلب لینا تو بالکل ہی غلط ہو گا بلکہ زیادہ سے زیادہ یہی کہیں گے کہ نماز تو پڑھنا ہی ہے ہاں خشوع کے ساتھ ہو تو یہ نماز کا اعلیٰ درجہ ہے عـہ

أَمْ كُنتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِن

کیا تم خود (اس وقت) موجود تھے جس وقت یعقوب (علیہ السلام) کا آخری وقت آیا (اور) جس وقت انھوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ تم لوگ میرے مرنے کے بعد کس چیز

بَعْدِي قَالُوا نَعْبُدُ إِلَٰهَكَ وَإِلَٰهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ

کی پرستش کرو گے انھوں نے (بالاتفاق) جواب دیا کہ ہم اس کی پرستش کرینگے جس کی آپ اور آپکے بزرگ (حضرات) ابراہیم و اسمٰعیل و اسحٰق پرستش کرتے آئے

إِلَٰهًا وَاحِدًا وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ۝ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ

ہیں وہی معبود جو وحدہٗ لاشریک ہے اور ہم اسی کی اطاعت پر قائم رہیں گے یہ (ان بزرگوں کی) ایک جماعت تھی جو گذر چکی۔ ان کے کام انکا کیا ہوا آئے گا اور تمہارے

وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

کام تمہارا کیا ہوا آوے گا اور تم سے انکے کئے ہوئے کی پوچھ بھی تو نہ ہو گی۔

فرماتے ہیں" بھلا کیا اس وقت تم موجود تھے جب یعقوب کا وقت وفات قریب ہوا انھوں نے اس وقت اپنے بیٹوں سے کہا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ وہ بولے ہم عبادت کریں گے آپکے اور آپکے باد جداد ابراہیم، اسمٰعیل، اسحٰق کے معبود کی اس معبود واحد کی اور ہم تو اس کے حکم بردار ہیں یہ ایک جماعت ہے جو گذر چکی، ان کے آگے ان کا کیا ہوا آئے گا، اور تمہارے آگے تمہارا کیا ہوا، اور جو کچھ وہ کام کرتے رہے اس کی پوچھ گچھ تم سے نہ ہو گی"۔

ایک سوال ام، منقطعہ ہے اور ہمزہ استفہام کے لئے نہیں بلکہ انکار کے لئے ہے، مطلب یہ ہے کہ تم اس وقت موجود ہی نہیں تھے جب حضرت یعقوب کا وقت آخر ہوا۔ شہدا، شہید کی جمع ہے جس کے معنی موجود و حاضر کے آتے ہیں، خطاب مفسرین کے قول کے مطابق، مومنین سے ہے، یعنی اے مومنین، جس وقت حضرت یعقوب کا وقت قریب آیا

بقیہ حاشیہ صـ۵ـ غالباً یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کا نتیجہ ہے کہ ہم کو احکام دین سمجھا دیجئے گویا کہ مبعوث ہونے والی شخصیت دینی کی مکمل تعلیم بھی دے کر مناسک دین کی تعلیم کا فرض انجام دے گی۔ تزکیہ کے نتیجہ میں انسان اچھی باتیں سیکھتا ہے۔ اور تمام بری باتوں سے کنارہ کش ہو جاتا ہے تزکیہ کی یہ تعلیم امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں آج بھی صحیح اور منہاج سنت پر قائم خانقاہوں سے برابر پھیل رہی ہے۔

عـہ آیات کا حاصل یہ ہوا کہ ملت ابراہیمی تو فطرت انسانی کے بالکل مطابق ہے اسلئے انکار اور ترک انھیں لوگوں سے ہو سکتا ہے، جو فطرت کے تقاضوں سے غافل ہوں، اور فطری تقاضوں کا ترک حماقت ہے لہٰذا احمق ہی دین ابراہیم کو چھوڑ سکتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خدا تعالےٰ کے ارشاد کے جواب میں" اسلمت لرب العلمین" فرمانا گویا کہ اسلام لانے اور خدا تعالیٰ پر ایمان کامل کی وجہ بھی بیان میں آگئی، مطلب ہوا کہ میں آپ پر ایمان کیسے نہ لاؤں حالانکہ آپ درحقیقت پروردگار ہیں، حاکم بس آپ ہی ہیں، مالک آپکے سوا اور کوئی نہیں، ربوبیت صرف آپ ہی کا کام ہے۔ پھر ایمان آپکے سوا اور کس پر لایا جائیگا؟ توراۃ کے بیان کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آٹھ صاحبزادے تھے اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ، موت کا وقت انسان کے علم میں نہیں ہے اسلئے "اسلام" پر ہر وقت رہنا چاہیے، آیت کی یہ بھی ایک توجیہ ہے، علاوہ ان توجیہات کے جو مفسر "مدارک" نے ذکر کیں۔

اس وقت تم تو موجود نہ تھے کہ تم کو معلوم ہو کہ انھوں نے کس سے اور کیا فرمایا پھر جو کچھ معلوم ہوا وہ صرف وحی کے ذریعہ ہی سے معلوم ہوا ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ "ام" متصلہ ہو۔ اس صورت میں یہ ارشاد مومنین سے نہیں بلکہ یہود سے ہوگا کیونکہ وہی کہتے تھے کہ جب ابھی کسی نبی کی وفات ہوئی، یہودیت ہی پر ہوئی ہے۔ تو اب ارشاد کا حاصل یہ ہوگا کہ تم جو کہتے ہو کہ ہر نبی یہودیت ہی پر فوت ہوا ہے کیا تم اس وقت موجود تھے جبکہ یعقوب نے اپنی اولاد کو ایک خاص وصیت دین کے سلسلہ میں فرمائی اور جس سے تمہارے اس دعوی کی خوب تردید ہوتی ہے کہ انبیاء یہودیت ہی پر دنیا سے اٹھے ہیں۔

ترکیب نحوی

:۔ "اذ قال" اس سے پہلے جو اذا آچکا ہے اسی سے یہ بدل ہے ان دونوں میں عامل شہداء ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ اس کو حضر کا ظرف بنالیں، "ما تعبدون" میں، ما استفہامیہ ہے جس سے مقصود سوال ہے یہ "ما" تعبدون کی وجہ سے محل نصب میں ہے، مطلب یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے دریافت فرمایا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کروگے؟ یہاں پر "ما" بالکل عام ہے اور ہر چیز کو شامل ہے بعض مفسرین کی تحقیق کے مطابق یہ معبود کی صفات سے بھی متعلق سوال ہو سکتا ہے جیسا کہ آپ عربی میں کہیں کہ "ما سعید" یعنی سعید طبیب ہے یا فقیہ؟

بہر حال حضرت یعقوب علیہ السلام کے اس سوال پر ان کے تمام بیٹے بولے کہ ہم آپ کے بعد آپ کے معبود اور آپ کے آبا واجداد یعنی ابراہیم، اسمٰعیل و اسحٰق علیہم السلام کے معبود برحق کی عبادت کریں گے۔ یعقوب علیہ السلام کی اولاد نے اپنے جواب میں حضرت اسمٰعیل کو بھی آبا واجداد میں شمار کرلیا۔ حالانکہ اسماعیل علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام کے چچا ہیں یہ غالباً اس لئے کہ چچا اپنے حقوق و مراتب کے اعتبار سے، والد ہی کے درجہ میں ہوتا ہے چنانچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک موقع پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا تھا کہ بس میرے آبا واجداد میں اب یہی رہ گئے، یعقوب علیہ السلام کی اولاد نے یہ بھی کہا کہ وہ معبود برحق جو آپ کا اور آپ کے آباواجداد کا معبود ہے وہ ایک ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور ہم اسی کے مطیع و فرمانبردار ہیں

ترکیب نحوی

:۔ "ونحن لہ مسلمون" نعبد کے فاعل سے حال واقع ہو رہا ہے، یا پھر نعبد پر اس کا عطف ہے اور یہ جملہ ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ جملہ معترضہ ہے جس سے تاکید مقصود ہے۔

پھر فرماتے ہیں کہ اے یہود یعقوب، ابراہیم اور ان کی اولاد جو سب کے سب موحّد تھے ایک پاکیزہ صفات جماعت جو ختم ہوگئی، اور یہ ظاہر ہے کہ ہر ایک کا عمل اسی کے کام آتا ہے، کسی کا عمل دوسرے کے لئے مفید نہیں اس لئے جو انھوں نے کیا انھیں کے لئے فائدہ بخش ہے تم کو اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا یہ اس لئے فرمایا کہ یہود اپنے آباواجداد کے کارناموں پر فخر کرتے اور یہ بے جا اعتماد، خود ان کو نیک عمل سے روکتا تھا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی حقیقت صاف کردی کہ انھوں نے جو کچھ بدعملیاں (اگر) کیں تو ان کا مواخذہ تم سے نہ ہوگا [ع]

ع ان آیات کا شان نزول واحدی کی تحقیق کے مطابق یہ ہے کہ یہود نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ آپ ہم کو اپنے دین کی دعوت دیتے ہیں حالانکہ یعقوبؑ کی جب وفات ہوئی ہے تو انھوں نے یہودیت پر یقین و ایمان رکھنے کا ہم سے عہد لیا تھا، آیات نازل ہوئیں اور بتایا گیا کہ یہود غلط کہتے ہیں یعقوب نے یہودیت نہیں بلکہ اسی دین برحق پر قائم رہنے کی وصیت کی تھی جو انبیاء سابقین کا منتخب مذہب و دین رہا ہے واقعہ کا حاصل یہ ہے کہ حضرت یعقوب پر جب آثار موت طاری ہوئے اور وہ سمجھے کہ اب وقت موعود قریب آگیا، یہ مراد نہیں ہے کہ جب موت ان پر طاری ہو چکی ظاہر ہے کہ مرنے کے بعد کسی وصیت کا کیا سوال۔ بحر المحیط میں ہے کہ "نی بالموت عن مقدماتہ لانہ اذا احضر الموت نفسہ لا یقول المحتضر شیئاً"

(باقی بر صفحہ)

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ

اور یہ (یہودی و نصرانی) لوگ کہتے ہیں کہ تم لوگ یہودی نصرانی ہو جاؤ تم بھی راہ پر پڑ جاؤ گے آپ کہدیجئے کہ ہم تو ملت ابراہیم (یعنی اسلام) پر رہیں گے۔ جس میں کجی کا نام

مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ

نہیں، اور ابراہیم (علیہ السلام) مشرک بھی نہ تھے۔ مسلمانو کہدو ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور اس حکم پر جو ہمارے پاس بھیجا گیا اور اس پر بھی جو حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل

وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِىَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِىَ

اور حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب (علیہم السلام) اور اولاد یعقوب کیطرف بھیجا گیا اور (اس حکم و معجزہ پر بھی) جو حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کو دیا گیا اور اس پر بھی جو

النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۫ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝

کچھ اور انبیاء (علیہم السلام) کو دیا گیا انکے پروردگار کیطرف سے اس کیفیت سے کہ ہم ان حضرات میں سے کسی ایک میں بھی تفریق نہیں کرتے اور ہم تو اللہ تعالیٰ کے مطیع ہیں۔

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ

سو اگر وہ بھی اسی طریق سے ایمان لے آویں جس طریق سے تم (اہل اسلام) ایمان لائے ہو تب تو وہ بھی راہ (حق) پر لگ جاویں گے اور اگر وہ روگردانی کریں تو وہ لوگ

فِىْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

تو ہمیشہ سے) برسر مخالفت ہی ہیں تو (سمجھ لو کہ) تمہاری طرف سے عنقریب ہی نبٹ لیں گے اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ سنتے ہیں جانتے ہیں

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہودی ہو جاؤ یا نصرانی ہو جاؤ تو راہ یاب ہو جاؤ گے، آپ کہد یجئے کہ نہیں بلکہ ہم نے تو ابراہیم سیدھی راہ والے کا مذہب پالیا اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے (اور آپ یہ بھی کہدیں کہ ہم تو ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور اس پر جو ہم پر اتارا گیا اور جو ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اولاد یعقوب پر اتارا گیا اور جو عیسیٰ و موسیٰ کو دیا گیا اور اس پر جو دوسرے انبیاء کو ان کے پروردگار کی طرف سے دیا گیا اور ہم ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ ہی کے حکم بردار ہیں تو اگر یہ لوگ ایمان لے آئیں ایسا ایمان جیسا کہ تمہارا ہے تو بیشک وہ بھی راہ پا گئے - اور اگر انکار کریں تو بس بڑی مخالفت میں پڑے

بقیہ حاشیہ ص۵۹ تو انھوں نے اپنی اولاد کو جمع کر کے مذکورہ بالا سوال فرمایا، حیرت ہے کہ تورات کے موجودہ نسخوں میں یعقوب علیہ السلام کی زندگی کی یہ آخری داستان سرے سے موجود نہیں، البتہ علماء یہود نے لکھا ہے کہ یعقوبؑ اپنی دفات سے کچھ پہلے اپنے بیٹوں کو یہ تین نصیحتیں کی تھیں (۱) بت پرستی نہ کرنا (۲) خدا کی بے حرمتی نہ کرنا (۳) میرے جنازہ کو کوئی کافر ہاتھ نہ لگانے پائے (جیوش انسائیکلو پیڈیا جلد ، ص۲۳) یہ نصائح بھی قرآن مجید میں مذکور واقعہ کی بہر حال مکمل نہیں تو جزوی تائید کرتی ہیں قرآن مجید نے اس موقع پر اسحٰق علیہ السلام کا نام پہلی ہی مرتبہ ذکر کیا ہے آپ حضرت ابراہیم کے دوسرے صاحبزادہ حضرت سارہ کے بطن سے پیدا ہوئے عمر شریف حسب روایت تورات ۱۸۰ سال ہوئی - قرآن مجید نے اس موقع پر پہلی مرتبہ بتایا کہ جہانتک اعمال کی مسئولیت کا سوال ہے وہ صرف اسی شخص سے ہو گا جس کی عملی زندگی محاسبہ کی زد میں ہو ورنہ تورات میں آج تک الفاظ موجود ہیں" میں خداوند تیرا خدا غیور خدا ہوں جو باپ دادوں کی بدکاری کا بدلا انکی اولاد سے تیسری اور چوتھی پشت تک جو میرا کینہ رکھنے والے ہیں لیتا ہوں" اور یہ بھی کہ بعض کو ثواب اپنے اسلاف کا ملے گا اور بعض کو ثواب اپنے اخلاف کے اعمال کا"
اس موقع پر ایک اشکال پیش آتا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوتا پھر قرآن مجید نے کیسے کہدیا کہ انکے گناہوں کے بارے میں تم سے کوئی سوال نہ ہو گا۔
"ولا تسئلون عما کانوا یعملون" جواب یہ کہ مقصود اس ارشاد سے صرف اعمال کے سلسلہ میں ایک دوسرے سے ذمہ داری و مسئولیت کی نفی ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام سے گناہ بھی ہوتے ہوں۔ روح المعانی میں ہے کہ "اعترض بانہ مما لا یلیق بشان التنزیل کیف لا و ھم منزھون عن کسب السیئات فمن این یتصور تحمیلھا علی غیرھم حتی یتصدی لبیان انتفائہ وانت تعلم انہ اذا کان المقصود سوق ذلک بطریق ؟

ہیں سو اب اللہ آپ کی طرف سے ان کے مقابلہ میں ہے اور وہ بڑا سننے والا اور بڑا جاننے والا ہے

یہودیت ونصرانیت کی دعوت اور اس کا جواب

یہاں سے یہود ونصاری کی اس جسارت کا ذکر فرما رہے ہیں کہ اسلام کی حقانیت وصداقت کے تذکرے انبیار کی زبانی سننے کے باوجود بجائے اس کے کہ مسلمان ہوں خود مسلمانوں کو یہود یہودیت کی اور نصاری نصرانیت کی دعوت دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ مسلمان گمراہی میں الجھے رہیں گے تاوقتیکہ ہمارے دین اور ہماری ملت کو اختیار نہ کریں۔ خدا تعالےٰ فرماتے ہیں کہ ان کے اس احمقانہ مطالبہ کے جواب میں کہو، کہ ہم تو ملت ابراہیمی کا اتباع کرتے ہیں اور معلوم ہے کہ ابراہیمؑ نے تمام غلط ادیان کو چھوڑ کر، دین حق کو اختیار فرمایا تھا اور وہ مشرک نہ تھے، گویا کہ اس آخری ارشاد سے یہود ونصاری پر تعریض ہے کہ تم حضرت ابراہیم کی اتباع کا دعوی کرتے ہو اور ساتھ ہی شرک وکفر کی آلودگیوں میں ملوث، حالانکہ ابراہیم کا سب سے بڑا امتیاز یہی ہے کہ ان کا بے داغ ایمان ویقین، ہر قسم کے شرک سے پاک وصاف تھا۔

پھر مسلمانوں سے فرماتے ہیں کہ ان یہود ونصاری سے کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے، قرآن مجید پر ایمان لائے اور اُس ذخیرۂ وحی پر جو انبیار سابقین پر اور ان کی اولاد پر نازل ہوا۔ اسباط، سبط کی جمع ہے پوتے کو کہتے ہیں اور نواسے کو بھی چنانچہ حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما کو "سبط رسول" کہا جاتا ہے۔ مسلمانوں کا یہ کام نہیں کہ کچھ انبیار پر ایمان لائیں اور بعض کا انکار کردیں۔ جیسا کہ گمراہی کی اس وسیع خلیج کو تیار کرنے کا کام یہود ونصاری نے انجام دیا ہے۔ مسلمان تو بس اللہ کا فرماں بردار اور اپنے ذہن کی غلامی سے بہت دور ہوتا ہے۔

فرماتے ہیں کہ اگر یہ یہود ونصاری مسلمانوں کی طرح مکمل ایمان لے آئیں تو یہ بھی راہ پائیں۔ آیت کا یہ حصہ بظاہر مشکل ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالےٰ کا نظیر ہے حالانکہ خدا تعالےٰ نظیر ومثل قطعاً نہیں رکھتا، آیت کو حل کرنے کے لئے بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ "بمثل" میں بار زائد ہے، اور "مثل" ایک مصدر محذوف کی صفت ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر یہ سب ایسا ایمان لائیں جیسا کہ مسلمانوں کا ہے تو ہدایت گویا کہ انھوں نے پالی اس توجیہہ پر "بہٖ" میں موجود ضمیر خدا تعالےٰ کی طرف راجع ہوگی اور بار کو زائد قرار دینا مناسب ہوگا، تاکہ معنی ٹھیک ہوسکیں اور عقیدہ کے اعتبار سے کوئی غلط معنی پیدا نہ ہوں، قرآن مجید میں اس کی نظیر یہ آیت ہے والذین کسبوا السیئات جزاء سیئة بمثلها یہاں بھی محققین نے بار کو زائد قرار دے کر کہا کہ اصل عبارت جزاء سیئة مثلها ہے جیسا کہ یہی بات ایک دوسری آیت میں خود خدا تعالےٰ نے فرمائی "جزاء سیئة سیئةٌ مثلها" اور بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ "مثل" کا لفظ زیادہ ہے اور صرف اتنی بات پیش نظر ہے کہ "فان امنوا بما امنتم به" کہ اگر یہ اس پر ایمان لے آئیں جس پر تم ایمان لائے اس آخری توجیہہ کی تائید حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرارت سے بھی ہوتی ہے کیونکہ ان کی قرارت میں "مثل" کا لفظ موجود نہیں ہے "ما" الذی کے معنی میں ہے اس کی تائید اس طرح بھی ہوتی ہے کہ "ابی بن کعب" کی قرارت میں "بالذی آمنتم بہ" کے الفاظ ہیں بعض علمار کہتے ہیں کہ بار آیت میں استعانت کے لئے ہے اس صورت میں معنے یہ ہوں گے کہ "اگر یہ یہود ونصاری ایمان لائیں اور اس شہادت کی امداد کریں تو شہادت دے کر تم ایمان لائے تھے تو پھر یہ بھی سمجھئے کہ ہدایت یاب ہو گئے" بہرحال اس آیت کو اہل سنت کے عقائد کے مطابق بنانے کے لئے کہ خدا تعالےٰ کی کوئی نظیر ومثل نہیں ان توجیہات میں سے کوئی توجیہہ کرنا پڑے گی۔

اور اگر اس مطالبہ پر یہ یہود ونصاری بجائے قبولیت کے اعراض وانکار کریں تو یقین جانیئے کہ ان کا مطلوب حق وصداقت کی تلاش نہیں بلکہ عداوت ہے، عناد ہے جس کا مظاہرہ یہ کرتے رہیں گے، اور ان کی معاندت ودشمنی سے چنداں فکر بھی نہ کیجئے خدا تعالےٰ نے آپ کی طرف سے دفاع کے لئے پوری طرح تیار ہے اور اس کی مدافعت بالکل کافی ہے اس آیت سے صاف معلوم

ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہود و نصاریٰ پر غلبہ پانے کی نوید و بشارت، بلکہ وعدہ فرمایا ہے اور چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس وعدہ کو پورا فرمایا کچھ یہود قتل ہوئے اور ان کی ایک جماعت جلا وطن کی گئی یہاں آیت میں "سین" یعنی "فسیکفیکھم" پر قرب وقت پر دلالت نہیں کرتا کہ کہیں یہ شبہ پیش آئے کہ وعدہ کے ایفاء میں بڑی دیر اور تاخیر ہوئی بلکہ "سین" صرف یہ بتاتا ہے کہ یہود و نصاریٰ کی قوت و شوکت کو شکست و ریخت یقیناً کیا جائے گا اگرچہ بعض اہم مصالح کی بنا پر اس میں تاخیر ہو سکتی ہے۔

فرماتے ہیں کہ آپ کا خدا بڑا سننے والا ہے اور خوب جاننے والا ہے۔ چنانچہ یہود جو کچھ کہتے ہیں وہ اسکو سنتا بھی ہے اور جو نہیں کہتے بلکہ مسلمانوں کے خلاف منصوبے ان کے دل میں ہیں ان کو جانتا بھی ہے، حسد اور بغض سے ان کے دل بھرے پڑے ہیں آپ نہیں جانتے لیکن ہم جانتے ہیں اس لئے انکو سزا ضرور دیجائے گی۔ یہ ارشاد یہود و نصاریٰ کو ایک سخت ڈانٹ ہے، اور ہو سکتا ہے کہ یہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ ہو کہ آپ دین اسلام کو غالب کرنے کے لئے جن کوششوں کو بروئے کار لانا چاہتے ہیں جتنا حصہ اس مبارک کوشش کا آپ کے ذہن مبارک میں ہے اور جو کچھ آپ اسلام کے خیر خواہوں سے فرماتے ہیں وہ ہمارے علم میں ہے۔ ہمارا آپ سے وعدہ ہے کہ ہم آپ کو کامیاب کریں گے۔ اور اسلام کی سر بلندی سے متعلق آپ کی نیک تمنائیں ضرور پوری ہوں گی ؏

صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ۝ قُلْ

ہم دین کی اس حالت پر ہیں جسمیں رنگدیا ہمکو اللہ تعالیٰ نے رنگدیا ہے اور دوسرا کون ہے جس کے رنگ دینے کی حالت اللہ تعالیٰ سے خوب تر ہو اور (اسی لئے) ہم اسکی غلامی

اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ

آپ فرما دیجئے کہ کیا تم لوگ ہم سے (اب بھی) حجت کئے جاتے ہو حالانکہ وہ ہمارا اور تمہارا (سب کا) رب ہے اور ہمکو ہمارا کیا ہوا ملیگا اور ہم نے صرف حق تعالیٰ کیلئے

وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ۝ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ

اپنے دین کو شرک وغیرہ سے خالص کر رکھا ہے یا کہے جاتے ہو کہ ابراہیم ؑ اور اسمٰعیل ؑ اور اسحٰق ؑ اور

وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ

یعقوب ؑ اور اولاد یعقوب (میں جو انبیاء گذرے ہیں یہ سب حضرات) یہود یا نصاریٰ تھے (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کہدیجئے کہ تم زیادہ واقف ہو یا

اللّٰهُ ؕ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ

حق تعالیٰ۔ اور ایسے شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو ایسی شہادت کا اخفاء کرے جو اس کے پاس من جانب اللہ پہنچی ہو۔ اور اللہ تعالیٰ

بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ

تمہارے کئے ہوئے سے بے خبر نہیں ہیں۔ یہ ان بزرگوں کی ایک جماعت تھی جو گذر گئی ان کے کام ان کا کیا ہوا آوے گا اور

لَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝ ع

تمہارے کام تمہارا کیا ہوا آوے گا اور تم سے ان کے کئے ہوئے کی پوچھ بھی تو نہ ہوگی

؏ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ یہ آیات یعنی وقالوا کونوا ھودا (الخ)، یہود مدینہ کے سر برآوردہ لوگوں کے بارے میں نازل ہوئیں کیونکہ یہود میں سے کعب بن اشرف، مالک بن صیف، وہب بن یہودا، ابی یاسر بن احطب، وغیرہ اور عیسائیوں میں سے، اہل نجران، ایک بار (باقی بر صفحہ ۶۳)

"ہمارے اوپر اللہ کا رنگ ہے اور اللہ سے بہتر کون رنگ دینے والا ہے۔ ہم تو اس کی بندگی کرنے والے ہیں آپ ان سے کہئے کہ کیا تم ہم سے اللہ کے بارے میں حجت بازی کرتے ہو حالانکہ وہ ہمارا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی، اور ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لئے اور ہم تو اسی کے لئے خالص ہیں کیا تم یہ کہتے ہو کہ ابراہیم، اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب، اور اولاد یعقوب یہودی یا نصرانی تھے، آپ ان سے دریافت کیجئے کہ کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ زیادہ جانتا ہے اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اس شہادت کو چھپائے جو اس کے پاس اللہ کے ہاں سے پہنچ چکی، ورنہ اللہ ہمارے اعمال سے بے خبر تو ہے نہیں۔ یہ ایک جماعت جو گذر چکی ان کا کیا ہوا ان کے آگے آئے گا۔ اور تمہارا کیا ہوا تمہارے آگے آئے گا۔ اور جو کچھ وہ کرتے رہے اس کی پوچھ گچھ تم سے نہ ہوگی۔

یہود و نصاریٰ کی ہفوات اور مومنین کا جواب۔

آیت پاک میں صبغۃ تمیز ہے اور اسی لئے منصوب ہے، صبغۃ سے مراد دین ہے مطلب یہ ہوا کہ خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے جو دین پسند فرمایا اس سے اچھا کوئی دین ہو نہیں سکتا اور ہو سکتا ہے کہ صبغۃ سے طہارت مراد ہو اور مطلب یہ ہو کہ اللہ جب کسی کو ظاہری اور باطنی گندگیوں سے پاک فرما دیں تو اس تطہیر کے مقابل میں کوئی طہارت ہو نہیں سکتی۔

ترکیب نحوی

نحن لہ عابدون، کا عطف آمنا باللہ پر ہے، اس عطف سے یہ بات خوب معلوم ہوتی ہے کہ "صبغۃ اللہ" "قولوا آمنا" کا مفعول ہے، اس ترکیب پر معنی یہ ہوں گے کہ یہ بھی کہو اور وہ بات بھی کہو اس سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں کی تحقیق بالکل ہی غلط ہے جو یہ کہتے ہیں کہ "صبغۃ اللہ" "ملۃ ابراہیم" سے بدل ہے اور اغرار کی بناء پر منصوب ہے اور معنی یہ ہوں کہ وگویا تم پر صبغۃ اللہ لازم ہے اسی کو اختیار کرو بدل اور اغراء دونوں ترکیبوں کو ہم غلط اس لئے سمجھتے ہیں کہ ان تراکیب پر کلام میں نظم باقی نہیں رہتا۔ ترکیب کلام سست ہو جاتی ہے اور فصاحت کا اعلیٰ معیار باقی نہیں رہتا سیبویہ کی رائے میں مصدر موکد ہے۔

فرماتے ہیں کہ آپ ان سے یوں کہئے کہ کیا تم اے یہود و نصاریٰ ہم سے خدا تعالیٰ کی ذات و صفات کے بارے

بقیہ حاشیہ صـ ٦٢ مسلمانوں سے کہنے لگے کہ ہمارا دین حق ہے، یہودی یہودیت کے بارے میں، اور نصاریٰ، عیسائیت کے سلسلہ میں اسطرح کی باتیں کرتے، بلکہ یہودیوں نے، عیسائیوں کے تمام دین کا انکار کیا، اور نصاریٰ نے سب کا انکار کرتے ہوئے صرف اپنے دین وطریقہ کو صحیح قرار دیا اور مسلمانوں کو دونوں فریق اپنے دین کی دعوت دینے لگے، اس پر یہ آیات نازل ہوئیں، اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا آپ ان کے جواب میں یہ فرمائیے ای قل لاولٓئک القائلین علی سبیل الرد علیھم" (روح المعانی) صاحب روح المعانی نے یہ بھی لکھا ہے کہ "ما کان من المشرکین" جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تعارف میں فرمایا ہے اس سے مقصود یہود و نصاریٰ پر تعریض ہے کہ تم سب ملت ابراہیمی کے اتباع کا دعوی کرتے ہو اور ہو کفر و شرک میں مبتلا کیونکہ یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو معاذ اللہ خدا کا بیٹا کہتے اور عیسائی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام موحد اعظم اور شرک سے بہت دور تھے، شرک میں انہماک اور پھر اتباع ملت ابراہیم کے دعوے کیا زیب دیں گے۔

علامہ رشید رضا مرحوم نے المنار میں لکھا ہے کہ قرآن مجید نے اس موقع پر بعض انبیاء کے متعلق انزل کا لفظ استعمال کیا ہے مثلاً "وما انزل الینا وما انزل علی ابراھیم" الخ اور بعض کیلئے "ایتاء" مثلاً وما اوتی موسیٰ وعیسیٰ الخ وجہ اس فرق کی یہ ہے کہ بعض انبیاء پر کوئی ایسی وحی نازل نہیں ہوئی جو بعد والوں کے لئے اتباع کے لئے باقی رہے ان میں سے حضرت ابراہیم وغیرہ ہیں انکے لئے قرآن مجید لفظ انزال استعمال کرتا ہے اور جن کی وحی ایک شریعت تھی انکے لئے ایتاء کا لفظ اختیار کیا جاتا ہے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ وما انزل خود مسلمانوں کیلئے بھی استعمال ہوا اگر وہ نکتہ صحیح ہے تو کہنا پڑے گا کہ آنحضور پر بھی کوئی ایسی چیز نازل نہیں ہوئی جو بعد میں اتباع کے لئے معیار قرار دی جائے والعیاذ باللہ اور اسی طرح ایتاء کے متعلق اس بیان کردہ نکتہ کو پیش نظر کہنا ہو گا کہ شرائع موسوی اور عیسوی ابتک واجب الاتباع ہیں حالانکہ سب جانتے ہیں کہ اسلام سب مذاہب کے لئے ناسخ ہے اور اب تشریعی قانون کسی اور مذہب کا معتبر نہیں۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

بیں جھگڑا کرتے ہو یا اس پر جھگڑتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو چھوڑ کر عرب سے "خاتم النبیین" کیوں مبعوث کیا، اور کہتے ہو کہ اگر اللہ تعالیٰ اب کسی پر وحی نازل کرتا تو ہم پر کرتا۔ اور ان باتوں سے تمہارا مقصد خود کو نبوت کا مستحق سمجھنا ہوتا ہے حالانکہ اللہ تمہارا بھی رب ہے اور ہمارا بھی ہم سب اسی کی مخلوق ہیں تو وہ اپنی رحمت (نبوت و وحی) سے جس کو چاہے سرفراز فرما دے (پھر اس عطیۂ الٰہی پر ہم سے خواہ مخواہ جھگڑنا کس حد تک معقول ہے) اور تم اس بات کو نہیں جانتے کہ تمام معاملات کی بنیاد "عمل" پر ہے اور ظاہر ہے کہ جس طرح تم عمل کرتے ہو اسی طرح ہم بھی عمل کرتے ہیں (اور یہ خدا تعالےٰ ہی جانتا ہے کہ عمل کس کا مقبول ہے) لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ ہم اللہ تعالےٰ کی خدائی میں کسی کو شریک نہیں کرتے، ہمارا ایمان ہر قسم کے شائبہ شرک سے پاک ہے، جبکہ تمہارا ایقین و ایمان شرک و کفر کی آلودگی سے ملوث اور غالباً اس کا تم بھی انکار نہیں کر سکتے کہ توحید ہی ایک ایسا جوہر ہے جس پر خدا تعالےٰ کی رحمتیں نزول فرماتی ہیں اس لئے نبی اسی طبقہ سے مبعوث ہونا چاہئے جو توحید پرستوں کا طبقہ ہو۔

اور ایک لطف کی بات یہ بھی ہے کہ تم حضرت ابراہیم، اسمٰعیل، اسحٰق، یعقوب اور ان کی اولاد (علیہم السلام) کے بارے میں بھی مدعی ہو کہ وہ بھی یہودی یا نصاریٰ تھے، حالانکہ خدا تعالیٰ بار بار بتاتا ہے کہ یہ مومن تھے، مخلص تھے، مسلمان تھے اور مطیع و فرمانبردار، ظالمو! اتنا تو سوچو کہ تم زیادہ جانتے ہو یا خدا تعالےٰ، خدا تعالےٰ کی شہادت و اطلاع قابل اعتبار ہے یا تمہاری بکواس؟

خوب سنلو، اللہ تعالےٰ کی اس مضبوط شہادت کا تم کو بخوبی علم ہے کہ ابراہیم حنیف تھے باطل پرست نہیں تھے، پھر اس شہادت "عظمیٰ" کو چھپانا اس سے بڑھ کر اور کوئی ظلم نہیں ہو سکتا اور اس ظلم کا ارتکاب تم ہی کر سکتے ہو خدا کا شکر ہے کہ ہم اس ظلم میں شریک نہیں ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حقائق کو چھپانے کی تم کو پرانی عادت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ "نبی آخرالزماں محمد صلے اللہ علیہ وسلم" سے متعلق تمہاری کتابوں میں مسلسل پیشینگوئیاں موجود ہیں لیکن تم انکو بھی چھپاتے ہو لیکن یہ بھی یاد رکھو کہ یہ انبیاء کو جھٹلانا، حقائق پر پردہ ڈالنا اور اسی نوع کی برائیاں جو تم کر رہے ہو خدا تعالےٰ خوب جانتا ہے تمہارے ان کرتوت کا وہ تم کو مزہ خوب چکھائے گا۔

نیکو کار لوگوں کی جماعت دنیا سے گذر چکی اور اے یہود انبیاء یا تمہارے صالحین ختم ہوئے، ان کا کیا ہوا انکے آگے آئے گا اور تمہارے اعمال تمہارے آگے، تم سے یہ نہ پوچھا جائے گا کہ وہ کیا کرتے تھے، مفسرین نے کہا کہ آیات کا یہ تکرار بار بار اس لئے ہے کہ مضمون کی تاکید ہو جائے، یا پہلی آیات میں انبیاء علیہم السلام کے متعلق ارشاد تھا کہ وہ دنیا سے رحلت فرما چکے اور ان آیات میں یہود و نصاریٰ کے صالحین کے متعلق فرمایا کہ وہ تو ختم ہوئے اب ان کے اعمال پر بھروسہ کر کے خود ترک عمل کر نا یا بے عملی کی زندگی سوچو تمہارے لئے کس حد تک موزوں ہے ؏

؏ قرآن شریف کے ان ارشادات میں جیسا کہ معلوم ہے کہ روئے سخن یہود و نصاریٰ ہی کی جانب ہے نصاریٰ میں خاص عادت بپتسمہ یا اصطباغ کی تھی یعنی بچہ پیدا ہوتا تو زرد رنگ کے پانی سے اس کو غسل دیتے اور کہتے کہ یہ وہی پانی ہے جس میں حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے تھے گویا کہ بپتسمہ کا عمل انکے یہاں وہی درجہ رکھتا ہے جو کہ ختنہ کا مسلمانوں کے یہاں ہے، قرآن مجید نے اس پر رد کرتے ہوئے کہا کہ رسمی یہ تطہیر کس کام کی اصل میں اللہ کے اس دین کو اختیار کرو جو اس نے فطرت انسانی کے مطابق تیار کیا ہے لیکن اس توجیہ پر آیات نصاریٰ کے ساتھ خاص ہو جائیں گی کیونکہ "رسمی تطہیر" کا یہ عمل انھیں کے یہاں جاری تھا حالانکہ آیت میں خطاب یہود اور نصاریٰ دونوں کو ہے لیکن علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ غالباً یہ تطہیر کا معاملہ دونوں ہی قوموں میں معمولاً جاری تھا اللهم الا ان يعتبر ان ذلك الفعل كائن فيما بينهم " (روح) صبغۃ (رنگ) کے لفظ سے معلوم ہوا کہ دین انسان کے رگ و ریشہ میں اس طرح سرایت کر جانا چاہئے جیسا کہ رنگ کپڑے کے ایک ایک جز میں داخل ہو جاتا ہے۔

(باقی حاشیہ صہ ۶۵ پر)

سَیَقُوۡلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمۡ عَنۡ قِبۡلَتِهِمُ الَّتِیۡ كَانُوۡا

اب تو (یہ) بیوقوف لوگ ضرور کہیں گے کہ ان (مسلمانوں) کو ان کے (سابق سمت) قبلہ سے (کہ بیت المقدس تھا) جس طرف پہلے متوجہ ہوا کرتے تھے کس (بات) نے بدلدیا

عَلَیۡهَا ؕ قُلۡ لِّلّٰهِ الۡمَشۡرِقُ وَ الۡمَغۡرِبُ ؕ یَهۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ اِلٰی

آپ فرما دیجئے کہ سب مشرق اور مغرب اللہ ہی کی ملک ہیں جس کو خدا ہی چاہیں (یہ) سیدھا

صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ۝

طریق بتلا دیتے ہیں

"اب بے وقوف لوگ خود کہیں گے کہ کیا بات پیش آئی جو مسلمانوں نے اپنا پرانا قبلہ چھوڑ دیا؟ آپ کہدیجئے کہ مشرق و مغرب سب اللہ ہی کی ملک ہیں وہ جسے چاہے سیدھی راہ چلا دیتا ہے"۔

تحویل قبلہ

سفہہ کے معنی حماقت کے آتے ہیں اصل میں یہ لفظ خفت اور "ہلکا پن" کے مفہوم کو ادا کرتا ہے، اس لئے مراد وہ لوگ ہوں گے جو کہ احمق ہیں، اور ظاہر ہے کہ یہودی مراد ہیں، کیونکہ انھوں نے قبلہ کی تحویل پر سب سے زیادہ ہنگامہ کیا تھا اور انھیں کا یہ خیال تھا کہ قبلہ بیت المقدس کبھی منسوخ نہیں ہو سکتا اور ہو سکتا ہے کہ منافقین مراد ہوں کیونکہ مسلمانوں پر اعتراض کرنے اور ان کا مذاق بنانے کی ہمیشہ فکر میں لگے رہتے، اب جو قبلہ کی تبدیلی ہوئی تو اعتراضات اور استہزاء کے لئے ان کو ایک اچھا موقع ہاتھ آگیا۔ اور بعض مفسرین، مشرکین کو اس کا مصداق قرار دیتے ہیں، کیونکہ قبلہ کی تبدیلی پر انھوں نے کہا کہ محمد کا بھی معاملہ عجیب ہے قبلہ ابراہیمی کو چھوڑ دیا اور اب پھر اسی آبائی قبلہ کی جانب توجہ کی محمد ص کے اس عاجلانہ اقدامات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے دین آبائی کو بھی بہت جلد اختیار کر لیں گے۔

مفسرین کہتے ہیں کہ تحویل قبلہ پر جو کچھ کہا جائے گا اس کو خدا تعالےٰ نے پہلے ہی مسلمانوں کو بتا دیا کیونکہ حوصلہ فرسا باتیں جانک اگر کان میں پڑیں تو بڑی آزردگی و کوفت کا باعث بنتی ہیں لیکن اگر پہلے ہی سے خیال ہو کہ یہ کہا جائیگا تو انسان زیادہ متاثر نہیں ہوتا۔ نیز ان مہمل اعتراضات کے جواب بھی خدا ہی کی طرف سے بتا دیئے گئے، مدافعت کی یہ قبل از وقت تیاری مخالفین کے حوصلوں کو پست کرنے میں بڑا دخل رکھتی ہے عوام میں بھی مشہور ہے کہ تیر چلانے سے پہلے نشانہ درست کرنا چاہیئے، قصہ مختصر معترضین کہتے کہ آخر کیا بات پیش آئی کہ بیٹھے بٹھائے مسلمانوں نے بیت المقدس کو قبلہ کی حیثیت سے چھوڑ کر خانہ کعبہ کو اپنا قبلہ قرار دے لیا

بقیہ حاشیہ صـ٦٤ :۔ اس کے بعد پھر اسی حقیقت کا دانشگاف اعلان ہے جو اس سے پہلے بیان کی جا چکی کہ "دین صحیح" بس ملت ابراہیمی ہے، اور ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے اور نہ عیسائی بلکہ خدا تعالےٰ کے منتخب دین کا ایک گہرا رنگ تھا جو حضرت ابراہیم اور ان کی صالح نسل پر چڑھا ہوا تھا۔ اور اب یہی ملت ابراہیمی ہے جسکی تکمیل کیلئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے ہیں، اتنی اجاگر حقائق میں اختلاف کیا معنی رکھتا ہے۔ لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ یہود و نصاریٰ کو تو خدا تعالیٰ کی ذات و صفات تک میں اختلاف ہے، لیکن ظاہر ہے کہ ان اختلافات میں وقت ضائع کرنا عمل پسند جماعت کے لئے کسی طرح بھی مناسب نہیں اس لئے ایک مخلص مسلمان اپنے اعمال کی جوابدہی کا مراقبہ کرنے کے بعد تمام جھگڑوں سے قطع نظر، اپنے اخلاص و یقین، اطاعت اور فرمانبردارزندگی کا اعلان ہی اپنے لئے سب سے بڑی سعادت سمجھیگا "نحن لہ مخلصون" والی آیت اور اس سے پہلے ارشادات، اسی مطلب کے حامل ہیں حقائق کو چھپانے کی جو مذموم عادت یہود و نصاریٰ میں ہے خدا تعالیٰ اسی کو بنیادی عیب قرار دے کر تمہاری برائیوں کی جڑ بتاتے ہیں، یہی عیب تھا جسنے حضرت ابراہیم ایسے جلیل القدر نبی کے بارے میں ان سے کیا کہلایا اور اب آپ کے بارے میں کیا کہہ رہے ہیں صاف آپکی نبوت کا انکار ہی ہے ابن جریر نے لکھا ہے کہ شہادۃ ق کتما ھو امر محمد صلے اللہ علیہ وسلم و نبوتہ بہر حال ہر شخص اپنے اعمال کا جوابدہ ہے کسی کو کسی کے حسن عمل سے فائدہ نہیں پہنچتا وقت آئے گا اور خدا تعالیٰ ہر ایک کو رتی رتی بھر اعمال پر سزا یا جزا ضرور دے گا "نجات" متوارث کا وہ عقیدہ جو یہود و نصاریٰ کے یہاں "سرمایہ ایمان" ہے ضرب شدید آخر میں پھر اسی پر لگائی گئی ہے

م الحمد للہ کہ آج ۲۹ ربیع الثانی ۱۳۸۳ھ بروز چہار شنبہ پارہ الم کی تفسیر و تشریح ختم ہوئی۔ اب سیقول کا پارہ شروع ہوتا ہے واللہ ہو الموفق۔

عربی لغت کے اعتبار سے قبلہ اس جہت کو کہتے ہیں جس کی طرف رخ کرکے انسان نماز پڑھے۔

فرماتے ہیں کہ ان تمام نکتہ چینیوں کے جواب میں آپ بس ایک جواب دیجئے اور وہ یہ کہ مشرق و مغرب بلکہ کل کائنات خدا تعالیٰ ہی کی ہے اس لئے وہ جس کو چاہے سیدھی راہ لگا دے۔ "صراط مستقیم" سے مراد سیدھا راستہ ہے، مطلب یہ ہے کہ صحیح قبلہ کی جانب توجہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے ورنہ انسان خود کوئی قبلہ متعین کرے اور وہ صحیح بھی ہو یہ ناممکن ہے، آج واقعی قبلہ خانہ کعبہ ہے جس کی طرف رخ کرنے کا مسلمانوں کو حکم ہوا۔ اور ہو سکتا ہے کہ ان آیات کا مطلب یہ ہو کہ ساری کائنات خدا تعالیٰ کی ہے وہ جسطرف چاہیں رخ کرنے کا حکم عنایت فرمائیں اس میں کسی کو اعتراض کیوں ہو؟ جسطرح بیت المقدس قبلہ رہا اور اس پر تم کو کوئی اعتراض نہیں تھا، ایسے ہی اب خانہ کعبہ قبلہ قرار دیا گیا تو اس پر یہ چراغ پائی کیا معنے رکھتی ہے؟

عہ الحمدللہ آپ قرآن مجید کا مکمل ایک پارہ مطالعہ کر چکے ہیں آپ کو یاد ہوگا کہ آخر پارہ میں گفتگو مسجد الحرام سے متعلق تھی، اس کی تعمیر، اس کی قدامت وغیرہ پر ارشاد فرمانے کے بعد، یہود و نصاریٰ اور مشرکین سے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ایک خصوصی مناظرہ ہوا کہ آیا ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں وہ سب کچھ صحیح ہے جو یہ گمراہ فرقے کہتے ہیں یا ان بیانات کو صحیح اور واقعی سمجھا جائے جو خدا تعالیٰ کے ارشادات ہیں، حضرت ابراہیم کے متعلق مسلسل یہ واقعات، تحویل قبلہ کے عظیم واقعہ کی بہترین تمہید تھے، بیت المقدس کی جانب مسلمانوں کی نمازیں، اس بات کا اعلان تھیں کہ ملت ابراہیمی سب کی مشترک وراثت ہے، لیکن جب خدا تعالیٰ نے، خانہ کعبہ کو جسکے معمار حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام تھے، قبلہ کی حیثیت سے مسلمانوں کو عنایت فرمایا تو ملت ابراہیمی کی اس وراثت میں یہود و نصاریٰ نے شرکت سے انکار کر دیا، اور کیونکہ مسلمان ہی صحیح طور پر ملت ابراہیمی کے وارث ہیں، اس لئے قدرتی طور پر خانہ کعبہ جو حضرت ابراہیم کی یادگار ہے، قبلہ کی حیثیت سے مسلمانوں کے لئے مقرر ہونا چاہیے تھا گویا کہ گمراہ قوموں کے مقابل میں ہدایت یافتہ اقوام و افراد کا امتیاز جو قدرت کی جانب سے ہمیشہ ہوتا ہے آج تحویل قبلہ کے ساتھ فیصلہ کن انداز میں سامنے آگیا۔ اب دنیا اس مغالطہ میں نہیں پڑ سکتی کہ ابراہیم علیہ السلام کا متبع کون ہے اور کون نہیں۔ اس مختصر سی تمہید کے بعد آئیے اور آیات ربانی کو علمی و تاریخی انداز میں بھی پڑھ لیجئے۔

تحویل قبلہ پر جو سوال مخالفین کی طرف سے ہو رہا تھا کہ آخر یہ تحویل ہوئی کیوں، وہ کسی تحقیق، یا استفسار کی بنار پر نہیں بلکہ محض استہزاء، طنز اور تعریض کے طور پر تھا چنانچہ روح المعانی میں ہے کہ "والاستفہام للانکار" کیا یہ آیات تحویل قبلہ سے پہلے نازل ہوئیں یا بعد میں، مفسرین کا بڑا حلقہ یہی کہتا ہے کہ آیات کا نزول، تحویل قبلہ سے پہلے ہوا جیسا کہ مدارک نے بھی یہی رجحان ظاہر کیا ہے۔ اس صورت میں "سیقول" میں سین (س) ہو سکتا ہے کہ مستقبل کے لئے ہو اور معنی "عنقریب" کے ہوں اور یہ بھی ہے کہ اس سے مقصود صرف تاکید ہو۔ اور معنی زمانہ ماضی کے حاصل ہوں۔ لیکن ایک جماعت کی رائے ہے کہ آیات تحویل قبلہ کے بعد نازل ہوئیں جیسا کہ روح المعانی میں ہے "وقال القفال ان الآیۃ نزلت بعد تحویل القبلۃ" اس صورت میں (س) سے مراد ماضی ہے، فتح القدیر میں ہے کہ "قیل ان سیقول بمعنی قال" لیکن اس کے باوجود ترجیح اسی قول کو ہے کہ آیات تحویل قبلہ کے بعد نازل ہوئیں اور "سین" استقبال ہی کے معنی دیتا ہے چنانچہ اندلسی نے بحر المحیط میں لکھا ہے کہ "وسیقول ظاھر من الاستقبال" امام رازی نے بھی تقریباً یہی لکھا ہے، جیسا کہ معلوم ہے کہ انبیاء سابقین علیہم السلام کا قبلہ بیت المقدس تھا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مکہ میں قیام کے زمانہ میں اسیطرف رخ کرکے نماز پڑھی بلکہ ہجرت کے بعد بھی مدینہ میں آپ کچھ مدت، بیت المقدس ہی کو قبلہ بنائے رہے لیکن تمنا تھی کہ قبلہ، قبلہ ابراہیمی ہو چنانچہ ۱۶ ماہ بعد مدینہ میں تحویل قبلہ کا حکم آیا! السفہاء سے یہودی مراد ہیں جیسا کہ بخاری میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت میں صاف موجود ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ آیت عام رہے اور تحویل قبلہ پر اعتراض کرنے والے سب ہی مراد ہوں چنانچہ ابن کثیر میں ہے کہ "والآیۃ عامۃ فی ھولاء کلھم"

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ

اور ہم نے تمکو ایک ایسی جماعت بنا دیا ہے جو (ہر پہلو سے) نہایت اعتدال پر ہے تاکہ تم (مخالف) لوگوں کے مقابلہ میں گواہ ہو اور تمہارے سے رسول اللہ صلی اللہ

عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِىْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ

علیہ وسلم گواہ ہوں اور جس سمت قبلہ پر آپ رہ چکے ہیں (یعنی بیت المقدس) وہ تو محض اس مصلحت کیلئے تھا کہ ہمکو معلوم ہو جائے کہ کون تو رسول اللہ

يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا

صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع اختیار کرتا ہے اور کون پیچھے کو ہٹتا جاتا ہے - اور یہ قبلہ کا بدلنا (منحرف لوگوں پر) ہوا بڑا ثقیل (ہاں) مگر

عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

جن لوگوں کو اللہ تعالٰی نے ہدایت فرمائی ہے اور اللہ تعالٰی ایسے نہیں ہیں کہ تمہارے ایمان کو ضائع (اور ناقص) کر دیں۔ (اور) واقعی اللہ تعالٰی تو

بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝

لوگوں پر بہت ہی شفیق (اور) مہربان ہیں -

" اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک امت عادل بنا دیا ہے، تاکہ تم گواہ رہو لوگوں پر اور رسول گواہ رہیں تم پر اور جس قبلہ پر آپ اب تک تھے - اسے تو ہم نے اسی لئے رکھا تھا کہ ہم پہچان لیں رسول کا اتباع کرنے والوں کو (بمقابلہ) الٹے پاؤں واپس چلے جانے والوں کے - (اور تحویل قبلہ کا یہ حکم) بہت شاق ہے، مگر ان لوگوں پر نہیں جنھیں اللہ نے راہ دکھائی ہے اور اللہ ایسا نہیں کہ ضائع ہو جانے دے تمہارے ایمان کو، اور اللہ تو لوگوں پر بڑا شفیق ہے بڑا مہربان ہے "

ترکیب نحوی :- ان آیات میں کاف تشبیہ کے لئے ہے اور "ذا" کاف حرف جر ہی کی وجہ سے مجرور ہے، لام، اشارہ قریب اور بعید میں فرق کے لئے استعمال ہوا ہے، کاف خطاب کے لئے ہے جس کا کوئی محل اعراب نہیں، اس ترکیب کے بعد معنی یہ ہوئے کہ اے مسلمانو! جسطرح ہم نے تمہارا قبلہ، قبلہ ابراہیم متعین کر کے ایک عجیب وغریب فیصلہ کیا ہے ایسے ہی بالکل تعجب خیز تمہارا "امت عادل" ہونا ہے وسط کا ترجمہ بہتر اور عمدہ کے آتے ہیں کیونکہ اطراف وجوانب، خلل ونقصان سے محفوظ نہیں رہتے بخلاف درمیانی حصہ کے، کہ وہ ہر نقصان سے محفوظ رہتا ہے - مطلب یہ ہے کہ جس طرح تمہارا قبلہ تمام قبلوں میں بہترین قبلہ ہے ایسے ہی تم تمام امتوں میں ایک بہترین امت ہو - وسط، عدل کے معنی میں بھی آتا ہے اور یہ اس لئے کہ وسط، اطراف میں ایک اعتدالی درجہ ہے - ایسا نہیں کہ "درمیانی حصہ" بعض حصوں سے قریب ہو اور بعض سے دور، نہیں بلکہ دونوں جانب سے اس کا قرب بعد یکساں ہوتا ہے اور یہی عدل ہے کسی جانب میلان غلط طور پر نہ ہو - ان معنی کے پیش نظر معنی یہ ہونگے، کہ اے امت محمدیہ جس طرح تمہارا قبلہ، مشرق ومغرب کے بالکل درمیان میں واقع ہے - ایسے ہی ہم نے تم کو ایک ایسی امت بنا دیا ہے جس کا مزاج اور فطرت، اعتدال پر ہے افراط وتفریط سے نا آشنا، تم عیسائیوں کی طرح غلو نہیں کرتے کہ انھوں نے حضرت عیسیٰ ع کو خدا ہی بنا لیا اور نہ تم میں تفریط کی مکروہ عادت کہ کسی کو اس کے واقعی مقام سے بھی گرا دو - جیسا کہ یہود کے ظالموں نے مریم عذرا

پر زنا کا الزام لگایا، اور عیسیٰ کو العیاذ باللہ "ولد الزنا" کہتے۔

ترکیب نحوی

:- لتکونوا شہداء میں شہدا غیر منصرف ہو کیونکہ اس میں الف تانیث موجود ہے علی الناس "شہدا" کا صلہ ہے ویکون الرسول علیکم شہیدا کا عطف "لتکونوا" پر ہے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ ہم نے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو ایک معتدل اور بہترین امت اس لئے بنایا تاکہ یہ امت، قیامت کے دن لوگوں پر گواہ بنا کر پیش کی جائے اور خود اس امت پر محمد رسول اللہ علیہ وسلم گواہ ہوں گویا کہ آپؐ کی شہادت پر شہادت ہوگی ایک روایت میں آتا ہے کہ قیامت کے دن تمام امتیں خدا تعالیٰ کے سامنے اس کا انکار کریں گی کہ ہمارے پاس کوئی نبی آیا تھا کہیں گے کہ اے خدا اگر آپ کا کوئی پیغمبر یا رسول ہمارے پاس آتا تو ہم ضرور ان کی دعوت قبول کرتے، توحید اختیار کرتے، شرک نہ کرتے گمراہی کو چھوڑ کر راہ راست پر چلتے، خدا تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ امتوں کا اپنے انبیاء کے متعلق یہ بیان بالکل غلط اور جھوٹ ہے لیکن ضابطہ کی کارروائی کے لئے، خدا تعالیٰ حضرات انبیاء علیہم السلام سے دریافت فرمائیں گے کہ کیا یہ ٹھیک ہے کہ تم نے میرا پیغام ان کو نہیں پہنچایا، اس پر انبیاء عرض کریں گے کہ بارالٰہا ہم آپ کا پیغام ہمیشہ اور ہر حال میں مکمل پہنچاتے رہے یہ غلط کہتے ہیں خدا تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ بتاؤ تمہارے اس بیان پر شاہد کون ہے؟

انبیاء علیہم السلام عرض کریں گے کہ امت محمدیہ اس حقیقت کی شاہد ہے کہ ہم نے رسالت، اور پیغمبری کے فرائض میں کوئی کوتاہی نہیں کی، امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام آئے گی، اور شہادت دے گی کہ انبیاء سچ کہتے ہیں اس پاکیزہ جماعت نے اپنے فرائض کو خوب ادا کیا، اور کبھی کوئی بات نہ چھپائی اور نہ قابل بیان چیزوں کو چھوڑا۔ اس پر جناب باری عزاسمہ دریافت فرمائیں گے کہ تم جو انبیاء (علیہم السلام) کے متعلق یہ بیان دے رہے سوال یہ ہے کہ خود تم کو اس کا علم کیسے ہوا کیونکہ تم تو ان انبیاء کے دور میں تھے نہیں؟

امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام عرض کرے گی کہ اے اللہ یہ ہم کو آپ ہی سے معلوم ہوا کیونکہ آپ نے یہ تمام واقعات انبیاء کی تبلیغ اس راہ میں ان کی مخلصانہ کوششیں طویل جدوجہد کے عبرت انگیز واقعات قرآن مجید میں ذکر فرمائے اور قرآن مجید ہم تک آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت پہنچا، آپ کے بیان کردہ حقائق و واقعات سب سے بڑی سچائی ہیں جس میں غلط بیانی کا شائبہ بھی نہیں ہو سکتا۔

اس کے بعد خدا تعالیٰ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو طلب فرمائیں گے اور آپ سے آپ کی امت کے بارے میں سوال ہوگا کہ بتائیے کیا آپ کی امت کی شہادت قابل اعتبار ہے؟ وہ سرکار دوجہاں (فداہ روحی) اپنی امت کی شہادت کے قابل اعتبار ہونے پر ایک شہادت عالی پیش فرمائیں گے۔ اس حقیقت کو بھی مت بھولئے کہ شہادت کبھی اس طرح بھی ہوتی ہے کہ آپ نے ایک چیز نہیں دیکھی اور اس کے متعلق صرف سنا ہے، خصوصاً مشہور واقعات کے سلسلہ میں تو یہی ہوتا ہے کہ صرف سننے پر شہادت دی جاتی ہے اور ایسی شہادت قابل قبول ہوتی ہے، انبیاء علیہم السلام کی تبلیغ، ادائیگی فرض کے پرخلوص جذبہ کی داستانیں اس قدر مشہور ہیں کہ سننا بھی دیکھنے سے کم نہیں، اس لئے امت محمدیہ کی شہادت عند اللہ قبول ہوگی، یہ مسلسل روایت گویا کہ اس آیت لتکونوا شہداء الخ کی ایک تفسیر و تشریح ہے۔

یہاں ایک نکتہ قرآنی علوم کے شائقین کے لئے خاص طور پر توجہ کا طالب ہے کہ شہید، معنی کے اعتبار سے رقیب (نگراں) ہی کا مرادف ہے اور یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس کے ساتھ "علیٰ" صلہ کے طور پر استعمال کیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے کہ لتکونوا شہداء علی الناس جیسا کہ فرمایا گیا کنت انت الرقیب علیہم بعض مفسرین نے یہ بھی

لکھا ہے کہ امت محمدیہ اسی دنیا میں لوگوں پر شاہد ہے، اور ان حقائق میں اس امت کی شہادت ہر وقت معتبر ہے جو حقائق قابلِ اعتبار شہادت سے ثابت ہوتے ہیں اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت اپنی امت کی شہادت کی توثیق کے سلسلہ میں ہے۔

ایک اہم مسئلہ

انھیں آیات سے امام ابو منصور ماتریدیؒ نے استدلال کیا ہے کہ "اجماع امت" حجت ہے اس لئے کہ خدا تعالیٰ نے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو عادل فرمایا اور اس کی عدالت کی تعریف فرمائی اور یہ سب جانتے ہیں، کہ عدالت ہی ایک ایسا وصف ہے جس سے انسانوں کی شہادتیں، قابل قبول ٹھہرتی ہیں اس لئے جب امت محمدیہ کسی بات پر متفق (اجماع امت) ہوجائے اور اس کے درست وصحیح ہونے کی شہادت دے تو تمام مسلمانوں پر لازم ہوجاتا ہے کہ اس کو سنیں اور مانیں، عمل کریں اور اتباع سے گریز نہ ہو۔

نکتہ

آیات ربانی میں شہید دو مرتبہ آیا ہے اور ہر بار صلہ (علی) کے ساتھ، لیکن پہلی بار (علی) صلہ کو شہید سے موخر کردیا، چنانچہ فرمایا گیا "لتکونوا شهداء على الناس" اور دوسری مرتبہ (علی) کو مقدم کردیا، ارشاد ہے کہ "ويكون الرسول عليكم شهيداً" یہ اس لئے کہ پہلی آیت میں یہ بتانا ہے کہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام تمام امتوں پر شاہد کی حیثیت سے پیش کی جائے گی اور دوسری آیت میں یہ سمجھانا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت صرف اپنی ہی امت کے حق میں ہوگی، مضامین وحقائق کے اس اختلاف کو ایک نکتہ کے دامن میں سمو دینا بس حکیم علی الاطلاق ہی کا کام ہے۔

ارشاد ہے کہ اے (محمدؐ) وہ جہت جس کو آپ بطور قبلہ اب اختیار کریں گے یعنی کعبۃ اللہ، اس کا ایک مقصد ہے ان معنے کے پیش نظر "التي كنت عليها" قبلہ کی صفت نہیں ہے بلکہ "جعل" کا مفعول ثانی ہے کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ میں، خانہ کعبہ ہی کی طرف رخ کرکے نماز پڑھتے۔ لیکن ہجرت کے بعد آپ کو مدینہ کے قیام کے زمانہ میں بیت المقدس کی جانب رخ کرکے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا، یہ حکم، یہودیوں کو اسلام کی طرف مائل کرنے کے لئے تھا۔ اور پھر قبلۂ حقیقی یعنی خانہ کعبہ ہی کی جانب استقبال کا آخری حکم آگیا مقصد تحویل قبلہ سے یہ ہے کہ ہم کو دیکھنا تھا کہ تحویل کے اس حکم پر کون اسلام پر قائم رہتا ہے اور کون محض، قبلہ کی تبدیلی کے حکم کو سنکر، اسلام کو چھوڑتا ہے۔

اشکال اور اس کا حل

آیت ربانی کے اس خاص جز پر یہ اشکال ضرور پیدا ہوگا کہ اللہ تعالےٰ تو سب کچھ جانتے ہی ہیں اور ان کو خوب معلوم تھا کہ اسلام میں صدق کے ساتھ کون داخل ہوا، اور کس کا ایمان اسلام فتنوں کی صرصر سے متاثر ہونے کے قریب ہے پھر کیا ضرورت تھی کہ وہ مومنین اور مخلصین کو جاننے کے لئے قبلہ کی تبدیلی کا حکم دیں۔

ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے کہ دو چیزیں ہیں۔ ایک یہ علم کہ یہ امور فلاں وقت پیش آئیں گے۔ اور دوسرے ان کے وقوع پر معلوم ہونا کہ وہ معاملات پیش آچکے، جب آپ یہ سمجھ گئے تو اللہ تعالےٰ ازل ہی میں خوب جانتے تھے کہ فلاں بات فلاں وقت پیش آئے گی۔ سو اس سلسلہ میں تو کچھ ان کو جاننے کی ضرورت نہیں ہاں اب جو فرمارہے ہیں کہ ہم جاننا چاہتے تھے" تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ پیش آنے کے بعد ان امور کے متعلق علم ہمارا مقصود تھا۔ اسکو مختصر یوں سمجھئے کہ ہونے والے معاملات" اور یہی معاملات پیش آچکے "ہوں گے"۔ اس کو خدا تعالےٰ جانتے تھے" ہوگئے" اس کو معلوم کرنا چاہتے تھے۔

ابو منصور نے اسی لئے کہا ہے کہ اللہ تعالےٰ کے متعلق یہ کہنا کہ وہ ازل ہی میں ہر چیز کو جانتے تھے اور اس کا یہ مطلب ٹھیرانا کہ ان چیزوں کے وقوع میں آنے کے بعد کا بھی انکو ازل ہی میں علم تھا صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ ازل میں تو وہ واقع ہی نہیں ہوئی تھیں پھر ان کے علم کا کیا مطلب، ہاں جب واقع ہوچکیں تو ان کے وقوع کا علم خدا تعالےٰ کے علم ازلی میں داخل ہوگیا اس تقریر وتوجیہ پر جو تغیرات ہو رہے ہیں ان کا تعلق خدا تعالےٰ کے "علم" سے نہیں بلکہ "معلوم" سے ہے یعنی علم تو خدا تعالےٰ کا ایک ہی حال میں رہا ہاں وہ "معلوم" پہلے موجود واقع نہیں تھا اب موجود بھی ہوگیا اور واقع بھی۔

دوسرا حل اس اشکال کا یہ بھی ہے کہ خدا تعالٰے خود تو جانتے ہی تھے کہ کون مسلمان ہے اور کون منافق لیکن عام مسلمانوں کے لئے چاہتے تھے کہ ان دونوں میں امتیاز ہو جائے گویا "علم اور جاننا" مقصود ہی نہ تھا بلکہ تمیز و امتیاز پیش نظر تھا اور وہ بھی اپنے لئے نہیں بلکہ عام مسلمانوں کے لئے، یہ ایسا ہے جیسا کہ ایک دوسرے موقع پر فرمایا کہ لیمیز اللہ الخبیث من الطیب کہ اللہ تعالٰے اچھوں اور بروں کو ایک دوسرے سے جدا کرنا چاہتا تھا۔ اس آخری توجیہ پر ایک اور اشکال ہوگا وہ یہ کہ جب اللہ تعالٰے خود جاننے کے درپے نہ تھے، بلکہ دوسروں کو علم کرانا اور بتانا مطلوب تھا تو "لنعلم" کیوں فرمایا جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ "ہم خود جاننا چاہتے تھے" جواب اس کا یہ ہے کہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم اور تمام مسلمان اللہ تعالٰے کے ایسے مقبول و مقرب بندے ہیں کہ ان کی معلومات، گویا کہ خدا تعالٰی ہی کی معلومات ہیں اور ہو سکتا ہے کہ یہ پیرایۂ بیان نہ جاننے والوں کے لئے ایک لطف آمیز گفتگو کا رنگ لئے ہوئے ہو جیسا کہ ایک شخص آپ کے سامنے ہے اور وہ سونے کے متعلق یہ نہیں جانتا کہ یہ ایک ایسی دھات ہے جو آگ میں پڑ کر پگھل جاتی ہے اور آپ خوب جانتے ہیں کہ سونا پگھلنے والی دھات ہے اب آپ اس سے کہیں کہ میاں ذرا سونے کو آگ میں ڈالو دیکھیں یہ پگھلتا ہے یا نہیں ؟

ظاہر ہے کہ آپ اپنی اس گفتگو سے سونے کے متعلق مخاطب کو ایک نئی بات بتانا چاہتے ہیں ورنہ آپ کا علم تو اس کے بارے میں بالکل کافی ہے۔

ارشاد ہے کہ یہ تحویل قبلہ کا حکم یا خانہ کعبہ کو قبلہ بنا دینا یا پھر خانہ کعبہ بطور قبلہ، لوگوں پر بڑا ہی شاق گذر رہا ہے اور یقیناً شاق ہوگا بجز ان کے جن کو اللہ تعالٰے نے ہدایت دی اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں۔ پھر وہیں فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں کو تردد تھا کہ تحویل قبلہ کے بعد ان مسلمانوں کی نمازوں کا کیا حکم ہوگا جنھوں نے مدینہ میں تحویل قبلہ سے پہلے، بیت المقدس کی جانب نمازیں پڑھیں اور ابھی خانہ کعبہ قبلہ ہوا بھی نہیں تھا کہ ان کی وفات ہوگئی آیا ان کو اجر ملے گا یا نہیں ؟

ان آیات میں خدا تعالٰی نے نماز کو "ایمان" کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے یہ اس لئے کہ نماز مومنین ہی پر فرض ہوتی ہے اور مومن ہی ایک اہم فریضہ کی حیثیت سے اس کو قبول کرتا ہے اور جماعت سے نماز کی ادائیگی، ایمان ہی کی علامت ہے، گویا کہ شروع سے آخر تک ایمان ہی ایمان ہے اس لئے ایمان سے نماز کی تعبیر بڑی اچھوتی اور حقیقت آفریں تعبیر ہے۔

بیت المقدس کی جانب نمازوں پر اجر کا وعدہ فرما کر اس کی ایک دلیل بھی عنایت فرما رہے ہیں اور لطف یہ ہے کہ وہ خدا تعالٰے ہی کے اسماء حسنیٰ ہیں اور ساتھ ہی دلیل بھی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالٰے لوگوں پر مہربان ہیں اور بہت رحیم رحمت، و رافت کا تقاضہ ہے کہ ان کے کسی بھی عمل کو ضائع نہ کیا جائے۔ اہل لغت کہتے ہیں کہ رافت میں رحمت سے زیادہ مبالغہ ہے، رؤف و رحیم قرآن مجید میں اکثر یکجا استعمال ہوتے ہیں جیسا کہ عموماً رحمٰن و رحیم ساتھ ہی لائے جاتے ہیں ع۵

ع۵ تمام آیات پر مفصل گفتگو، تفسیری انداز میں الحمد للہ مدارک میں بھی آپ کو مل جائے گی لیکن کچھ اہم اور نادر معلومات خاکسار مترجم آپ کی نذر کرتا ہے۔ "کذالک جعلناکم امۃ وسطا" گویا کہ یہ ماقبل میں خدا تعالٰی کے ارشاد "واللہ یہدی من یشاء الخ" کی تصریح ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہدایت جو خدا تعالٰے کسی خوش نصیب قوم کو عنایت فرماتے ہیں اسی کا ایک شعبہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے حق میں یہ تھا کہ اس امت کو امت وسط بنایا گیا المنار میں ہے کہ وھو تصویح بما فھم من قولہ واللہ یہدی الخ وسط کے معنی صاحب تفسیر مدارک نے وضاحت سے بیان کئے ہیں، اور تقریباً تمام ہی مفسرین نے وسط کے معنی میں اسی نوعیت کی تفصیل پیش نظر رکھی ہے لیکن یہ امت، کس کس اعتبار سے وسط ہے اس کو سید قطب مؤلف فی ظلال القرآن نے، بڑے اچھے انداز و اسلوب سے لکھا ہے، قارئین کی معلومات کے لئے ہم بھی اس موقع پر کچھ نقل کرتے ہیں سید قطب نے لکھا ہے کہ ....

(باقی بر صفحہ ۷۱)

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا ۚ فَوَلِّ وَجْهَكَ

ہم آپ کے منہ کا (یہ) بار بار آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ رہے ہیں اس لئے ہم آپکو اسی قبلہ کی طرف متوجہ کردیں گے جسکے لئے آپکی مرضی ہے (لو) پھر اپنا چہرہ (نماز میں) مسجد

شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۗ وَاِنَّ

حرام (کعبہ) کی طرف کیا کیجئے اور تم سب لوگ جہاں کہیں بھی موجود ہو اپنے چہرو کو اسی (مسجد حرام) کیطرف کیا کرو اور یہ

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ

اہل کتاب بھی یقیناً جانتے ہیں کہ یہ (حکم) بالکل ٹھیک ہے (اور) ان کے پروردگار ہی کیطرف سے ہے، اور اللہ تم انکی ان کارروائیوں سے کچھ بیخبر نہیں ہیں

بے شک ہم نے دیکھ لیا آپ کے منہ کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا، سو ہم ضرور آپ کو متوجہ کردیں گے اس قبلہ کی طرف جسے آپ چاہتے ہیں، اچھا اب کر لیجئے اپنا چہرہ مسجد الحرام کی طرف، اور تم لوگ جہاں کہیں بھی ہو اپنے چہرے کر لیا کرو اسی کی طرف اور جن لوگوں کو کتاب مل چکی ہے وہ بھی یقیناً جانتے ہیں کہ (تحویل قبلہ کا) یہ حکم بالکل واقعی اور سچا ہے، ان کے پروردگار کی طرف سے اور اللہ بے خبر نہیں ان کی کارروائیوں سے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ :- (۱) امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام امت وسط ہے زمانہ کے اعتبار سے، کیونکہ زمانہ کا وہ حصہ جس کو "عہد طفولیت" کہا جاسکتا ہے اس امت کے دور پر ختم ہوتا ہے گویا کہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نے جو دور پایا اس پر زمانہ اپنے طفولیت کی معصوم گھڑیاں کو ختم کرکے، شباب کی پرقوت ساعتوں میں قدم رکھ رہا تھا۔ معصومیت کی ادائیں ختم ہو رہی تھیں اور بلوغ کے ساتھ، شرعی نقطۂ نظر سے مکلف اور مخاطب ہونے کے لمحات آرہے تھے گویا کہ "رشد عقلی" کی ابتداء تھی۔

اس "عہد" کی خصوصیات یہ ہے بچپن کی خرافاتی اور اوہامی قصوں بکھیڑوں کا خاتمہ، اور ہر شئے میں عقل کی جامع رہنمائی ہے۔

(۲) یہ امت عقیدہ کے اعتبار سے بھی : سط کہی جاسکتی ہے، اس کے افکار نہ خالی روحانیت کی چراگاہیں ہیں اور نہ صرف مادیت کے خوفناک ریگزار، بلکہ یہ فطرت کے تقاضوں کے مطابق ایک "ہدایت" سے سرفراز ہے جس کو سمجھانے کے لئے ہم جسم اور روح کے تعلق سے تعبیر کرسکتے ہیں، جہاں جسم کے حقوق بھی پیش نظر ہوں اور روح کا حق بھی خوب ادا ہوتا ہو۔

(۳) یہ امت "فکر" کے اعتبار سے بھی وسط ہے، یہ جمود کے قائل ہوکر، دقیانوسیت کی جامد فضاؤں میں عقل و تجربہ کی روشنی سے تہی دامن نہیں ہے۔ اور نہ یہ ہے کہ ہر جدت کو کودا۔ "تقلید کے تحت لینا" اس کا شعار، اس کے پاس کچھ اصول ہیں کچھ خاص قسم کے معیار ہیں جو چیز ان پر پوری اترتی ہے اس کو اسکا فکر قبول کرلیتا ہے، اور جو اس اصول و معیار سے جوڑ نہیں کھاتیں اس کا شاداب فکر اس کو جذب کرنے سے بھی انکار کرتا ہے۔ "صداقت" مومن ہی کا سرمایہ ہے جہاں مل جائے اس کو "لے لو" اس کی پرعزم صدا ہے۔

(۴) یہ امت اپنے مضبوط نظام کے اعتبار سے بھی "وسط" ہے اس کا سفینہ زندگی خواہشات کی خوفناک لہروں پر بے منزل سفر نہیں کرتا، نہ ہوا و ہوس کی راہ نمائی پر اس کا کاروان عزم جادہ پیما، یہ دلوں کی زندگی میں انقلاب لاکر پورے نظام حیات کو شریعت کی ایک ٹھوس قیادت میں دیدیتی ہے، نہ اس کے نظام پر ملوکیت کا تسلط اور نہ ہی اپنے وجدان و شعور کا دلفریب تخیل۔

(۵) یہ امت اپنے نظم و نسق کے اعتبار سے بھی وسط ہے، اس کے جزو کل پر شخصی اقتدار کی پرچھائیں، اور نہ یہاں رسمی جمہوریت کی کھوکھلے نعروں پر عوام کے غیر منظم قافلے بلکہ اس کے نظم و نسق میں، سب سے بڑا انسان، قوم کا سب سے بڑا خادم، جماعتیں، قانون شریعت کے

(باقی برصفحہ)

قبلہ بدل دیا گیا

یہ اس پاکیزہ آرزو و تمنا کی طرف اشارہ ہے جو ہمارے پیغمبر آخرالزماں سیدنا و سیدالانس والجانؑ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر میں پرورش پا رہی تھی کہ خدا تعالےٰ جلد از جلد، قبلہ خانہ کعبہ کو بنا دیں اسی آرزو پر آپ کی مبارک و منور آنکھیں نزول حکم کے انتظار میں آسمان کی طرف اٹھ اٹھ جاتیں، آپ چاہتے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اتباع اس طرح ہو کہ سرمو کوئی مخالفت نہ رہے تا آنکہ قبلہ بھی وہی ہو جو اس امام الموحدین کا رہا اور یہود سے قطعی مخالفت ہو یہاں تک کہ انکے ساتھ قبلہ کے معاملہ میں بھی کوئی شرکت و اشتراک نہ ہو اس کے ساتھ ہی عرب کے غیور انسانوں کو اسلام کی طرف مائل کرنے کے لئے بھی... خانہ کعبہ، قبلہ کی حیثیت سے بہترین تھا کیونکہ خانہ کعبہ، عرب کے انسانوں کا سب سے پہلا عبادت کدہ، مرکز روح و ایمان، زیارت گاہ اور طواف کی جانے والی مقدس و پرانوار عمارت تھی۔

اس پاکیزہ آرزو کی تکمیل کے سلسلہ میں حضرت حق جل مجدہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اے محمدؐ ہم آپ کو بجائے بیت المقدس کے اسی قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیں گے جو آپ کو بہت محبوب ہے جس کی تمنا بہترین اور صالح مقاصد کی آئینہ دار ہے اور جسکے بارے میں آپ کی خواہش، آرزو، خدا تعالےٰ کی مشیت کے موافق ہے۔

اچھا لیجئے اب آپ اپنا چہرہ نماز میں اسی محبوب عمارت کی طرف رکھئے جس کو عام طور پر "مسجد الحرام" کے باعظمت نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ شطر کے معنی جانب کے آتے ہیں یہ لفظ، خدا تعالیٰ کے غیب سے متعلق کامل علوم کی خوب شہادت دے رہا ہے گویا کہ خدا تعالےٰ خوب جانتے تھے کہ دنیا کے ایک ایک گوشہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت موجود ہوگی اور وہ بعینہٖ خانہ کعبہ کی طرف رخ کرنے سے عاجز ہوگی۔ اس لئے صرف خانہ کعبہ کی جانب رخ کرنا ضروری قرار دیا۔ اس آیت میں ایک اور بلاغت بھی غور کیجئے اور لطف لیجئے خانہ کعبہ کا ذکر نہیں، بلکہ مسجد الحرام کا تذکرہ ہے یہ اس لئے تاکہ معلوم ہو کہ اصل مقصود، جہت قبلہ ہے، نہ کہ خود خانہ کعبہ

بقیہ حاشیہ ص۱۷ :- دوائر پرگھومجانے والے انسانی نقوش، افراد جماعت کی طاقت، اور جماعتیں، افراد کی نگراں۔ یہی جماعت اپنے فکر عمل، عقیدہ، نظم و نسق، انفرادی اور اجتماعی ہر اعتبار سے پوری دنیا کے لئے خدا تعالےٰ کی ایک مضبوط شہادت ہے اس مضبوط شہادت کی توثیق، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی، اور انبیاء اسی شہادت کو لیکر آئے انکی تکذیب پر آج بھی ہر امت شہادت دے رہی ہے اور آنے والی کل میں بھی یہی شاہد ہوگی۔ (فی ظلال القرآن جز ۲ ص۹)

علامہ رشید رضا لکھتے ہیں کہ اسلام سے پہلے دنیا دو ہی طرح کے انسانوں سے لبریز تھی، ایک انسانوں کا گروہ صرف کورانہ تقلید کے ماتحت، لذت کوشی کو مقصد زندگی بنائے ہوئے تھا یہ یہود تھے یا مشرکین اور دوسرا طبقہ روحانیت کو انسانی زندگی کا معیار سمجھے ہوئے تھا۔ ترک دنیا ان کا بہترین نعرہ اور جسمانی لذتوں سے کنارہ کشی ان کے یہاں کوششوں کا انتہائی نقطہ عروج تھا انہیں عیسائی، صابئین اور ہندوستان کے شرک پسند ریاضت و نفس کشی کی بھٹی میں جھلسی ہوئی تو میں۔ اسلام آیا اور اپنے ساتھ ایک عہد آفریں قوم کی زندگی، معیار شہادت بنا یا گیا، یہ زندگی دو حسین حقوق پر پھیلی ہوئی تھی، ایک جسم دوسری روح، مختصر یوں کہیے کہ اسلام نام ہی تمام حقوق انسانی کے اجتماع کا ہے، کیونکہ انسان ترکیب ہے جسم سے، روح سے، حیوانیت اور ملکیت سے، اسلام ان سب کے حقوق ادا کرتا ہے سب کو ایک مناسب ضابطہ میں لا کر بے راہ روی سے روکتا ہے المنار ج۲ ص۵ یہ بھی یاد رکھیئے کہ صاحب تفسیر مدارک نے "وما جعلنا القبلة التي كنت عليها" سے جو خانہ کعبہ مراد لیا ہے وہ مرجوح اور بعض علماء کا قول ہے ورنہ اکثر مفسرین اس سے بیت المقدس مراد لیتے ہیں المنار میں ہے کہ "وهو مبني على قول الاقلين"

ان آیات سے معلوم ہوا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ ابراہیمی کو اپنی امت کے لئے قبلہ کی حیثیت سے نہ صرف پسند فرماتے بلکہ تحویل و تبدیل کے حکم کے بے پناہ مشتاق تھے یہ اس لئے کہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کے احیاء کے لئے تشریف لائے تھے چنانچہ قبلہ کے معاملہ میں بھی آپ انہیں کی اتباع مناسب سمجھتے لیکن اس کو پیغمبر کی "خواہش نفسانی" پر محمول کرنا سخت غلط ہوگا اصل یہ ہے کہ انبیاء ابتداء ہی سے (باقی ص۲۳)

یہ روایت غالباً ہم کسی موقع پر ذکر کر آئے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو تقریباً سولہ مہینہ آپ بیت المقدس کیجانب رخ کرکے نماز پڑھتے رہے اس کے بعد خانہ کعبہ آپ کا قبلہ متعین ہوا۔

فرماتے ہیں کہ مسلمان، زمین کے کسی بھی گوشہ میں ہوں جب نماز پڑھنا چاہیں تو خانہ کعبہ کی طرف اپنا رخ رکھیں اور دیکھو یہ اہل کتاب بھی خوب جانتے ہیں کہ قبلہ ابراہیمی ایک سچائی ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام برابر اطلاع دیتے چلے آئے تھے کہ نبی آخرالزمان دو قبلوں کی جانب نماز پڑھیں گے کچھ مدت بیت المقدس کیطرف، اور پھر قیامت تک، خانہ کعبہ ان کا قبلہ ہوگا لیکن اب تحویل قبلہ پر ایک ہنگامہ کھڑا کئے ہوئے ہیں، خدا تعالے ان کی ساری کارروائیوں سے خوب واقف ہے آیت ربانی میں یہ پہلا حصہ اگر یعملون پڑھا جائے تو آیت کافروں کے لئے ایک وعید ہے کہ تم کو تمہارے اس اعراض وانکار اور قبلہ کے معاملہ میں اختلاف پر ہم پوری پوری سزا دیں گے۔ اور اگر "تعملون" ہو تو مسلمانوں سے ایک وعدہ ہوگا کہ قبلہ کو کسی تامل کے بغیر جو تم نے قبول کیا اور نمازوں میں اسی طرف رخ شروع کر دیا اس پر ہم تم کو بہترین جزا دیں گے۔

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ

اور اگر آپ ان اہل کتاب کے سامنے تمام (دنیا بھر کی) دلیلیں پیش کر دیں جب بھی یہ (کبھی) آپکے قبلہ کو قبول نہ کریں اور آپ بھی انکے قبلہ کو قبول نہیں کر سکتے

قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۭ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاۗءَهُمْ مِّنْۢ

(پھر موافقت کی کیا صورت) اور انکا کوئی فریق بھی دوسرے فریق کے قبلہ کو قبول نہیں کرتا اور اگر آپ بکے (ان) نفسانی خیالات کو اختیار کر لیں (اور وہ بھی) آپ کے

بَعْدِ مَا جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۘ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰھُمُ

پاس علم (وحی) آئے پیچھے تو یقیناً آپ (نعوذ باللہ) ظالموں میں شمار ہونے لگیں جن لوگوں کو ہم نے کتاب (توراۃ و انجیل)

الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَاۗءَھُمْ ۭ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ

دی ہے وہ لوگ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایسا پہچانتے ہیں جسطرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں اور بعضے ان میں سے امر واقعی کو باوجودیکہ خوب جانتے ہیں مگر

الْحَقَّ وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ؁ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ؁

(حالانکہ) یہ امر واقعی من جانب اللہ (ثابت ہو چکا) ہے سو ہرگز شک وشبہ لانے والوں میں شمار نہ ہونا

ع ۱۷

اور اگر آپ ان لوگوں کے سامنے جن کو کتاب مل چکی ہے۔ ساری ہی نشانیاں لے آئیں جب بھی یہ آپکے قبلہ کی پیروی نہ کرینگے اور نہ آپ ان کے قبلہ کی پیروی کرنے والے ہیں اور نہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے قبلہ کو ماننے والے ہیں اور اگر آپ کہیں انکی

بقیہ حاشیہ صـــ۷۲ ؛۔ شعوری طور پر، دین کے پورے مزاج سے ایک مناسبت رکھتے ہیں اور جب کسی حکم کا مناسب وقت آ جاتا ہے تو دین کا وہی حصہ، جو خدائے علیم دنیا میں قوموں پر نافذ کرنا چاہتا تھا ایک تمنا کی صورت میں انبیاء کی مبارک زبانوں پر آ جاتا ہے بس یہی (باقی برصـــ۷۴)

خواہشوں کی پیروی کرنے لگیں اس کے بعد کہ آپ کے پاس علم آچکا ہے تو یقیناً آپ بھی ظالموں میں شمار ہوں گے، جن لوگوں کو ہم کتاب دے چکے ہیں وہ آپ کو اس طرح پہچانتے ہیں جیسا کہ اپنی اولاد کو، اور بے شک ان میں بعض، حق کو خوب چھپاتے ہیں حالانکہ جانتے ہوتے ہیں یہ امر آپ کے رب کی جانب سے بالکل حق ہے پس آپ کہیں شک کرنیوالوں میں سے نہ ہو جائیں۔

دلائل سے کام نہ چلے گا

فرماتے ہیں کہ قبلہ کے معاملہ پر یہ سارا ہنگامہ کھڑا کرنے والے معاندت میں مبتلا ہیں اس لئے آپ اس سلسلہ میں کہ قبلہ کی تبدیلی ایک امر حق ہے ہزار ہا دلائل بھی ان کے سامنے رکھیں تو بھی یہ آپ کی بات نہ مانیں گے کیونکہ، قبلہ کی تبدیلی کے مسئلہ میں ان کو کوئی شبہ تو ہے نہیں جس کو دلائل سے صاف کیا جا سکے بلکہ یہ تو ایک عناد ہے اور ظاہر ہے کہ عناد کا کوئی علاج نہیں اور اس کے ساتھ یہ بھی ایک طے بات ہے کہ آپ بھی ان کے قبلہ کی اتباع نہ کریں گے۔ یہ ارشاد اس لئے فرمایا تاکہ یہودی اور نصاریٰ کو جو آپ کے متعلق یہ توقع تھی کہ آپ ہمارے دین کی طرف لوٹ آئیں گے اگر ہمارے قبلہ کی اتباع کرتے رہے اور اس کے بعد شاید ہماری یہ توقعات پوری ہوں کہ یہ وہی نبی آخر الزماں ہیں جن کا ہم انتظار کر رہے تھے۔ قرآن مجید نے اس موقع پر دو قومیں مراد لی ہیں یعنی یہود و نصاریٰ کہ آپ ان اقوام کی اتباع قبلہ کے معاملہ میں ہرگز نہ فرمائیں گے، تو میں متعدد لیکن قبلہ واحد ہی ذکر کیا حالانکہ قوموں کی کثرت کے پیش نظر، قبلہ میں بھی جمع ملحوظ ہونی چاہئے تھی، یہ غالباً اس لئے کہ یہ تمام اسلام خلاف قومیں باطل پرستی میں بہرحال متحد تھیں شاید اسی اتحاد کے پیش نظر، متعدد قبلے ذکر فرمانے کا اہتمام نہیں کیا۔

پھر فرماتے ہیں کہ یہ بھی عجیب بات ہے کہ قبلہ کے معاملہ میں آپ کی مخالفت میں اگرچہ یہ سب مشترک ہیں۔ لیکن پھر بھی ان کے قبلے ایک دوسرے سے جدا جدا ہیں چنانچہ یہود کا "بیت المقدس" ہے اور نصاریٰ کا "مطلع آفتاب" اس سے معلوم ہوا کہ یہ آپس میں بھی ایک دوسرے کے قبلہ کی اتباع گوارا نہیں کرتے اب مختصر یہ ہے کہ آپ کو خوب معلوم ہو گیا کہ آپ کا قبلہ خانہ کعبہ ہی ہونا چاہئے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ سچا دین اسلام ہے اس پر دلائل بھی آچکے اور آپ کو الحمد للہ شرح صدر بھی ہے لیکن اگر (خدانخواستہ) آپ نے کسی بھی جذبہ کے تحت یہود و نصاریٰ کی بات مان لی اور ان کی خواہشات کی اتباع شروع کر دی تو بلاشبہ یہ بڑا ظلم ہوگا۔ گویا کہ اس ارشاد سے مقصود، لوگوں کو "حق" پر جم جانے کی تلقین اور ان کو وعید ہے جو حق واضح ہو جانے کے بعد اس کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں، بعض مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسی "معصوم" شخصیت سے یہ ظلم کیسے ممکن ہے چنانچہ آیات میں بظاہر آپ کو خطاب فرمایا لیکن حقیقتاً آپ مراد نہیں، بلکہ مراد وہ لوگ ہیں جو آپ کی امت سے ہوں اور قبلہ کے معاملہ میں زیغ پسند قوموں کی بات مانیں۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۳ :- وہ استعداد فطری ہے جس میں انبیاء تمام انسانوں سے ممتاز ہوتے ہیں اسی طرح کی صورت حال آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قبلہ کے معاملہ میں پیش آئی۔ بعض محققین نے یہ خوب لکھا ہے کہ یہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال ادب تھا کہ بے پناہ تمنا، آنکھیں بار بار آسمان پر اٹھتیں لیکن زبان مبارک سے سوال نہ ہوتا المنار میں ہے کہ

آیت میں اگرچہ قبلہ کی جانب صرف چہرہ کرنے کا حکم ہے لیکن باتفاق امت نماز میں پورا ہی جسم خانہ کعبہ کی طرف ہونا چاہئے روح المعانی میں ہے کہ قیل المراد بہ جمیع البدن وکنی بذلک عنہ لانہ اشرف الاعضاء وبہ یتمیز بعض الناس عن بعض مسجد الحرام، لفظی ترجمہ عزت و حرمت والی مسجد، مراد مکہ معظمہ کی وہ مسجد ہے جس کے اندر خانہ کعبہ واقع ہے چنانچہ جصاص نے لکھا ہے کہ "ومرادہ البیت نفسہ" ابن العربی میں ہے کہ والمراد بہ البیت لانہ تعالیٰ خاطبنا بلغۃ العرب وھی تعبر عن الشئ بما یجاورہ او بما یشتمل علیہ" فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ نماز میں جو استقبال قبلہ فرض ہے وہ سینہ کا ہے چہرہ کا استقبال صرف مسنون ہے اگر چہرہ کے ساتھ سینہ بھی قبلہ سے ہٹ گیا تو نماز نہیں ہوگی لیکن صرف گردن پھر جانے سے نماز باطل نہیں ہوگی۔

ترکیب نحوی

ترکیب کے اعتبار سے "ظالمین" پر وقف ہونا چاہئے اور اگر وقف نہ کیا گیا تو "الذین آتینا ھم الکتاب" ظالمین کی صفت ہو جائے گی حالانکہ یہ صفت نہیں ہے بلکہ مبتدا ہے جس کی خبر "یعرفونہ" ہے۔

فرماتے ہیں کہ اے محمد آپ کو یہ اہل کتاب اپنی اولاد سے بھی بہتر طور پر جانتے ہیں کہ آپ ہی نبی آخر الزماں ہیں بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ تحویل قبلہ مراد ہے یعنی اہل کتاب قبلہ کی تبدیلی کو خوب جانتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ قرآن مجید مراد ہے یعنی قرآن مجید کے متعلق یہ خوب جانتے ہیں کہ یہ اللہ تعالے ہی کا کلام ہے۔ لیکن ان تمام اقوال میں پہلا ہی قول زیادہ صحیح سمجھا گیا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل کتاب بخوبی پہچان گئے تھے کہ آپ ہی نبی مبشر ہیں لیکن عناداً آپ کی نبوت و رسالت کا انکار کرتے تھے۔ اسی لئے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے اس آیت کے نازل ہونے پر فرمایا تھا کہ "بخدا ہم اپنی اولاد کو پہچاننے میں غلطی کر سکتے ہیں لیکن آپکی معرفت میں ذرا بھی چوک نہیں ہو سکتی کیونکہ آپ کی علامات اس تفصیل سے ہماری آسمانی کتابوں میں موجود ہیں اور اس طرح وہ آپ پر صادق ہیں کہ پھر آپ کو پہچاننے میں کوئی تامل نہیں ہو سکتا۔ اور رہ گیا اولاد کا معاملہ تو ہو سکتا ہے کہ میری عورت نے کوئی خیانت کی ہو نطفہ کسی اور کا ہو اور میں اس کو اپنا لڑکا سمجھ رہا ہوں لیکن آپ کے معاملہ میں تو اس کا کوئی امکان ہی نہیں۔ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد پر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کی پیشانی چوم لی۔

ارشاد ہے کہ جو لوگ ایمان نہیں لائے وہ حسد و عناد کی وجہ سے حق کو چھپاتے ہیں حالانکہ خوب جانتے ہیں کہ جس چیز کا انکار کر رہے ہیں وہ حق ہے اور خدا تعالے نے اس کو اپنی کتاب میں نازل فرمایا ہے۔

سو ان کے انکار سے ہوتا بھی کیا ہے، حق تو من جانب اللہ ہے جس پر آپ قائم ہیں اور وہ چیز باطل ہے جسکے لئے ان معاندین کو اصرار ہے اس صورت میں یہ لام "الحق" پر ہے جنس کا ہوگا اور اگر لام عہد لیں تو وہ حق مراد ہوگا جس پر آپ ہیں یا یہ خبر ہو اور مبتدا یہاں محذوف ہو۔ اور "من ربک" مکرر خبر ہو یا پھر حال ہو سو آپ اس حق کے بارے میں کوئی شبہ اپنے قلب میں مت لائیے۔

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللَّهُ

اور ہر شخص (ذی مذہب) کے واسطے ایک ایک قبلہ رہا ہے جس کی طرف وہ (عبادت میں) منہ کرتا رہا ہے سو تم نیک کاموں میں سبقت کرو تم خواہ کہیں ہوگے (لیکن) اللہ تم سب کو

جَمِيعًا إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ

حاضر کر دیں گے بالیقین اللہ تعالی ہر مراد پر پوری قدرت رکھتے ہیں اور جس جگہ سے بھی کہیں (سفر میں) آپ باہر جاویں تو (بھی) اپنا چہرہ (نماز میں) مسجد حرام (یعنی

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ یہود و نصاری کا قبلہ کے سلسلہ میں اختلاف و انکار ایسا نہیں کہ واقعی کسی شک و شبہ کی بناپر ہو۔ ہرگز نہیں وہ تو آپ کے متعلق اس قدر تفصیل سے جانتے ہیں کہ اس کے بعد کسی بھی معاملہ میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا پھر یہ انکار، عناد و مخالفت برائے مخالفت کی راہ سے ہے جس کے لئے نہ کوئی دلیل کار آمد اور نہ کوئی بحث و مباحثہ مفید اور رہا قبلہ کا معاملہ سو ہر قوم کا بالکل جداجدا قبلہ ہے، نفسیاتی طور پر ایک قوم دوسری قوم کے قبلہ کی اتباع کرنے کے لئے تیار بھی نہیں ہوتی جب یہ آپ کے قبلہ کو نہیں مانتے تو آپ بھی ان کے قبلہ کو ہرگز تسلیم نہ کیجئے چنانچہ یہود کا قبلہ آج تک "ہیکل بیت المقدس" ہے اور نصاری صرف جہت مشرق کو قبلہ بنائے ہوئے ہیں وہ لکھتے ہیں کہ سمت مشرق میں وہ خصوصیات ہیں جو کسی دوسری سمت میں نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سمت مشرق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے لئے منتخب کی گئی جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ "اذانتبذت من اھلھا مکانا شرقیا" لیکن اس کے باوجود نہ تورات میں ہیکل سلیمان کو قبلہ بنانے کا حکم اور نہ انجیل میں سمت مشرق کے متعلق کوئی حکم، جب باطل پر یہ اصرار تو آپ کو حق پر کیوں نہ اصرار ہو۔

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِن رَّبِّكَ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝ وَ

کعبہ کیطرف رکھا کیجیے اور (یہ حکم عام قبلہ کا) بالکل حق ہے (اور من جانب اللہ ہی) اور اللہ تعالے تمہارے کئے ہوئے کاموں سے اصلاً بے خبر نہیں اور (مکرر کہا

مِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّوا

جاتا ہو کہ) آپ جس جگہ سے بھی (سفر میں) باہر جاویں اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف رکھئے اور تم لوگ جہاں کہیں (موجود) ہو اپنا چہرہ

وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ

اسی کیطرف رکھا کرو تاکہ (ان مخالف) لوگوں کو تمہارے مقابلہ میں گفتگو (کی مجال) نہ رہے - مگر ان میں جو (بالکل ہی بے انصاف ہیں تو ایسے لوگوں

فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝

سے (اصلا) اندیشہ نہ کرو اور مجھ سے ڈرتے رہو - اور تاکہ تم پر جو کچھ میرا انعام ہے اس کی تکمیل کر دوں اور تاکہ (دنیا میں) تم راہ راست (حق) پر رہو

اور ہر ایک کے لئے کوئی رخ ہوتا ہے - جدھر وہ متوجہ رہتا ہے سو تم نیکیوں کی طرف بڑھو - تم جہاں کہیں بھی ہو گے اللہ تم سب کو پالیگا بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور آپ جس جگہ سے بھی باہر نکلیں، اپنا منہ مسجد الحرام کیطرف موڑ لیا کریں - اور یہ آپکے پروردگار کی طرف سے امر حق ہے اور اللہ اس سے بے خبر نہیں جو تم کر رہے ہو - اور آپ جس جگہ سے بھی باہر نکلیں اپنا منہ مسجد الحرام کی طرف موڑ لیا کریں اور تم لوگ جہاں کہیں ہو اپنا منہ اسکی طرف موڑ لیا کرو تاکہ لوگوں کو تمہارے مقابلہ میں کوئی حجت نہ رہ جائے (ہاں وہ لوگ تو حجت بازی کرتے ہی رہیں گے) جو ان میں سے ظالم ہیں سو تم ان سے نہ ڈرو بلکہ صرف مجھ ہی سے ڈرو، تاکہ میں اپنا انعام تم پر پورا کروں اور تاکہ تم راہ پر قائم رہو -

ہر قوم را راست راہے دینے و قبلہ گاہے

ارشاد ہے کہ مختلف دین سے تعلق رکھنے والوں کے لئے ایک قبلہ ہے جس کی طرف وہ رخ کرتے ہیں[ع] اس معنی کے پیش نظر کہنا پڑے گا کہ دو مفعولوں میں سے ایک محذوف ہے اور ہو سکتا ہے کہ معنی یہ ہوں کہ اللہ تعالے قوموں کو ان کے قبلہ کی جانب رخ کرا دیتے ہیں سو قبلہ کے سلسلہ میں اس اختلاف کو چنداں اہمیت نہ دیجئے بلکہ اس قبلہ کے معاملہ کو ایک نیک اقدام یا ایک نیکی کا حصول سمجھ کر سب حاصل کرنے کیلئے ایک دوسرے پر آگے بڑھنے کی کوشش کریں، اور یاد رکھیئے کہ آپ ہوں یا آپ کے دشمن خدا تعالےٰ ان سب کو قیامت کے دن جمع کرے گا اس دن حق و باطل کا فیصلہ ہو جائے گا - اس آیت کی ایک دوسری تفسیر یہ بھی کی گئی کہ امت محمدیہ ہی میں سے یہ قبلہ کسی کے لئے مشرق میں ہو گا کسی کے لئے مغرب میں شمال میں یا جنوب میں (مختلف شہروں و علاقوں کے اعتبار سے) تو

ع حاصل ان آیات کا یہ ہے کہ تاریخ سے خوب ثابت ہے کہ ہمیشہ تمام قوموں کا کوئی نہ کوئی قبلہ رہا ہے - مثلاً ابراہیم و اسمٰعیل علیہم السلام کا خانہ کعبہ، یہودیوں کا بیت المقدس اور نصاری کا سمت مشرق اور یہ تمام قومیں ایک ہی قبلہ پر کبھی متحد نہیں رہیں پھر آخر کیا بات ہے کہ اگر مسلمانوں کا ایک قبلہ متعین کر دیا گیا ہے تو اس پر بحث و مناظرہ، اعتراضات و دلخراش جملوں کا ایک طومار کھڑا کر دیا حالانکہ ہونا یہ چاہیئے تھا کہ جب کسی قوم کے لئے کوئی سمت بحیثیت قبلہ متعین ہونے کی حکمت سمجھ میں نہیں آتی تو بلا چون و چرا خدا تعالےٰ کے حکم کی اتباع کرنا چاہیئے، لیکن معترضین اس طرف بھی توجہ نہیں کرتے "یات بکم اللہ جمیعاً" سے ایک شبہ کا جواب عنایت فرما رہے ہیں کہ کوئی اگر یہ سمجھے کہ قبلہ کی تعین سے تو اور انتشار کی صورت ہو گی، کیونکہ کوئی شمال کی طرف رخ کرے گا اور کوئی جنوب کی طرف کوئی مشرق رہرو تو کوئی بجانب غربی - فرمایا ایسا نہیں بلکہ تعین قبلہ سے تو خود مقصود یکجہتی پیدا کرنا ہے خدا تعالےٰ تو عالم الغیب ہے کہیں اور کسی جانب میں بھی پڑھی جائے لیکن خانہ کعبہ ہی کی طرف پڑھی ہوئی نمازوں میں انکا شمار ہو گا چنانچہ روح المعانی میں ہے کہ "یجعل اللہ تعالی صلوٰتکم مع اختلاف جہاتہا فی حکم صلوٰۃ متحدۃ الجہۃ" اہل لطائف و اسرار نے لکھا ہے کہ اب تک چھ مرتبہ استقبال قبلہ کے متعلق حکم آیا ہے (باقی برصفحہ

تم بہترین سمت کو حاصل کرو۔ اور وہ بہترین سمت وہ ہے جس میں خانہ کعبہ واقع ہے اور یہ یقین رکھو کہ دنیا کے کسی بھی گوشہ میں ہو لیکن قیامت کے دن خدا تعالےٰ تم سب کو جمع کرے گا بلکہ تمہارے ساتھ تمہاری نمازیں بھی حاضر کر دی جائیں گی پھر اس وقت تمکو محسوس ہو گا کہ تم سب ایک ہی جہت میں اس طرح نماز پڑھتے تھے کہ گویا خانہ کعبہ تمہارے سامنے تھا اور اس بات میں تمکو کوئی تامل نہ ہونا چاہئے کہ خدا تعالیٰ مختلف گوشہ ہائے زمین سے کس طرح جمع کرے گا، اس پر یقین رکھو کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔

سفر میں قبلہ سے متعلق احکام

اور آپ جہاں کہیں سے بھی سفر کریں اور نماز پڑھنے کا خیال ہو تو رخ خانہ کعبہ ہی کی طرف رہنا چاہئے یہ حکم سفر سے متعلق اللہ تعالیٰ کا ہے اور اللہ تعالےٰ تمہارے سارے اعمال کی پوری خبر رکھتا ہے اور مکرر پھر کہا جاتا ہے کہ سفر میں چہرہ خانہ کعبہ ہی کی طرف ہونا چاہئے اور جہاں کہیں بھی ہوں بس رُخ اسی طرف ہو اس کو خوب سن لیجئے، قبلہ سے متعلق یہ بار بار حکم خوب بتاتا ہے کہ قبلہ کا معاملہ کسقدر اہم ہے اور یہ اس لئے کہ قبلہ سابق منسوخ ہونے پر جو مخالفین نے فتنہ کھڑا کیا تھا اس کا توڑ، احکام متعلقہ قبلہ میں اب اسی اہتمام، تاکید اور مبالغہ کا مقتضی تھا۔ اور اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ ہر بار حکم سے ایک نیا فائدہ مفہوم ہوتا ہے جس کی بنا پر یہ بھی نہیں کہا جاتا کہ خواہ مخواہ بات دہرائی گئی جس سے کوئی فائدہ نہیں فرماتے ہیں کہ قبلہ سے متعلق جو کچھ ہم نے تم کو بتایا اور خصوصاً یہ آخری بات کہ ہر قوم کا ایک قبلہ ہمیشہ رہا ہے اس کے بعد اطمینان سے خانہ کعبہ کو قبلہ یقین کرو دیکھو اگر تم ذرا بھی اس بارے میں تذبذب میں پڑے تو تورات میں تمہارے متعلق آچکا تھا کہ ایک وقت آئے گا اور تمہارا قبلہ بجائے بیت المقدس کے، خانہ کعبہ ہو گا اب اگر ایسا نہیں ہوتا تو یہود جو تمہاری ایک علامت تحویل قبلہ بھی جانتے تھے، قبلہ کی تبدیلی نہ ہونے کی صورت میں کہیں گے کہ یہ وہ قوم ہی نہیں ہے جس کا نبی مبعوث نبی آخرالزماں ہو گا قرآن مجید نے اس موقع پر یہود کے معاندانہ اختلاف کو "حجت" کہا حالانکہ ان کی معاندانہ کٹ حجتی حجت کیا ہوتی یہ اس لئے کہ وہ یہود خود اس سارے مہمل اختلاف کو حجت ہی کہتے اور سمجھتے بس قرآن کریم ان کے مزعومات کو انھیں کے لفظوں میں دہرا دیا۔

اور اس کا فکر نہ کیجئے

فرماتے ہیں کہ اصولی طور پر اپنی طرف سے تو معاملہ بالکل صاف رکھئے لیکن یہ بھی ہے کہ ہر قسم کی احتیاط کے باوجود بعض پھر بھی کہیں گے کہ جناب یہ قبلہ ابراہیمی کا ہنگامہ محض اپنی قوم کی رعایت، اپنے وطن سے محبت اور باطل پرستی کا مظاہرہ ہے اگر یہ نبی ہوتے تو اس قبلہ کو چھوڑنے کا کیا سوال جو ہمیشہ سے انبیاء علیہم السلام کا قبلہ رہا ہے (یعنی بیت المقدس) اس طرح کے معاندانہ، دلخراش جملے آپ کو ہر احتیاط کے باوجود سننے پڑیں گے۔ بس سنئے اور توجہ نہ کیجئے سمجھئے کہ ظالم اس طرح کی باتیں برابر کہتے رہیں گے، آیت کی یہ تفسیر بھی کچھ کم

بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۶:۔ اور ہر مرتبہ حکم سے ایک نیا فائدہ حاصل ہوتا ہے چنانچہ (۱) صرف استقبال قبلہ کا وجوب (۲) سفر وحضر میں ایک ہی قبلہ (۳) نزدیکی و دوری میں بھی ایک ہی قبلہ (۴)، قبلہ رو رہنے کا استحباب (۵) توجہ قلبی (۶) اب قبلہ منسوخ ہونے کا کوئی امکان نہیں۔ المنار میں ہے کہ خدا تعالےٰ نے ابتدا میں خانہ کعبہ کو مسلمانوں کا قبلہ اس لئے نہیں بنایا تھا کہ وہ بت پرستی کا مرکز اور بتوں سے لبریز ایک عمارت ہو گئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی ان کے دور میں خانہ کعبہ کی تطہیر کا حکم دیا گیا تھا اور جب مسلمانوں کو مکہ معظمہ کی فتح کی خوشخبری اور ساتھ ہی بیت اللہ کے حصول کی اطلاع بھی دیدی گئی تو خانہ کعبہ انکا قبلہ بنا دیا گیا۔ "فاستبقوا الخیرات" کے فوائد میں جصاص نے لکھا ہے کہ عبادات میں عجلت شرعاً پسندیدہ ہے الا یہ کہ کسی موقع پر تاخیر کا حکم ہو وھذا یحتج بہ من ان تعجیل الطاعات افضل من تاخیرھا مالم تقم الدلالۃ علی فضیلۃ التاخیر لیکن تاخیر پر کوئی شرعی دلیل ہونا ضروری ہے۔

وقیع نہیں کہ ہم نے قبلہ کو اس لئے بدل دیا تاکہ عرب اقوام کو تمہارے معاملہ میں یہ کہنے کا موقع نہ رہے کہ "لو صاحب اتباع ابراہیمی کے دعوے اور ابراہیم واسمعیل کے قبلہ سے نفرت، اس اعتراض کی جڑ ہی کاٹنے کے لئے ہم نے قبلہ بدل دیا لیکن پھر بھی کچھ کہنے والے کہ اچھا اب قبلہ تو بدلا، بس ہوتے ہوتے دین بھی بدلے گا اور جہاں سے چلے تھے وہیں آجائیں گے یعنی شرک وکفر، یہ مکہ کے باشندوں نے کہا بھی، اسی پر فرمایا کہ ان ظالموں کی ان باتوں پر توجہ تک نہ کیجئے اپنے کام سے کام اور ڈرنا تو بس خدا تعالیٰ ہی سے چاہئے اور ہر وقت اپنے اعمال کا محاسبہ کرتے رہنا چاہئے کہ کہیں خدا تعالیٰ کے کسی حکم کی مخالفت تو نہیں ہو رہی ہے، ہم نے کعبۃ اللہ کی طرف آپ کی راہ نمائی کر کے اپنی نعمتوں کو آپ پر مکمل کرنا چاہا ہے اور یہ بھی ایک عظیم نعمت ہے کہ قبلہ ابراہیمی اب آپؐ کا اور آپؐ کی امت کا قبلہ ہوا۔

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَ

جسطرح تم لوگوں میں ہم نے ایک (عظیم الشان) رسول کو بھیجا تم ہی میں سے ہماری آیات (و احکام) پڑھ پڑھ کر تم کو سناتے ہیں (اور جہالت) سے تمہاری صفائی کرتے رہتے

يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝ فَاذْكُرُوْنِيْٓ

ہیں اور تم کو کتاب (الٰہی) اور فہم کی باتیں بتلاتے رہتے ہیں اور تم کو ایسی (مفید) باتیں تعلیم کرتے رہتے ہیں جن کی تم کو خبر بھی نہ تھی پس (ان نعمتوں پر) مجھ کو

اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ۝٤

یاد کرو میں تمکو (عنایت سے) یاد رکھوں گا اور میری (نعمت کی) شکر گذاری کرو اور میری ناسپاسی مت کرو

ع ۱۸

اسی طرح جیسے ہم نے تمہارے درمیان ایک رسول تم ہی میں سے بھیجا جو تمہارے سامنے ہماری آیات پڑھتا ہے اور تمکو پاک کرتا ہے اور تم کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور جو تم نہیں جانتے تھے اس کی تعلیم دیتا ہے سو تم مجھ کو یاد کرتے رہو میں بھی تمہیں یاد کرتا رہوں گا اور میری شکر گذاری کرتے رہو اور میری ناشکری نہ کرو۔

یہ نبی حکمت و تعلیم ترکیب نحوی کے اعتبار سے "کما" میں "کاف" یا تو اپنے ماقبل سے متعلق ہے اس صورت میں معنی یہ ہونگے کہ ہم آخرت میں تم پر ثواب کی اسی طرح تکمیل کریں گے جیسا کہ اس دنیا میں ہم نے اپنی نعمت کی تکمیل اس طرح کی کہ ایک پیغمبر تم میں معبوث کیا عه جو ان اوصاف کے حامل تھے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ "کاف" اپنے بعد والے

عه خدا تعالیٰ نے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے لئے تعیین قبلہ فرما کر جو عزت افزائی فرمائی تھی اسی کی ایک شاخ یہ بھی فرما رہے ہیں کہ دیکھو ہم نے تم ہی میں سے ایک نبی ان عظیم خصوصیات کا حامل معبوث کیا، کسی خاندان، قوم اور ملک کے لئے اس سے بڑا کیا امتیاز ہوگا کہ نبی ان میں سے معبوث ہو اور پھر اس سعادت کا کیا ٹھکانہ ہے کہ نبی آخر الزماں، اپنے مخصوص ومنفرد امتیازات کے مالک تم میں سے پیدا ہوئے، فی ظلال القرآن میں ہے انہ التکریم ان تکون الرسالۃ فیکم وان یختار الرسول منکم وفی ھذہ الاشارۃ امتداد لمعنی التکریم الذی یتضمن التوجیہ الی قبلۃ خاصۃ غیر قبلۃ بنی اسرائیل، تلاوت آیات کی صفت کے ذیل میں صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ یہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کبریٰ کی ایک مستقل دلیل ہے کیونکہ امی کا معجز کلام جو غیب کی خبروں پر حاوی اور معاد و معاش سے متعلق تفصیلی احکام کا جامع ہو پیش کرنا نبی ہونے کی بڑی دلیل ہے۔

تزکیہ کا مطلب، خود کو عملی طور پر شریعت کے رنگ میں رنگنا کہ یہی انسان کی معراج ہے یہ مقام دین کو سمجھنے کے بعد حاصل ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ آیات میں تزکیہ پر تلاوت آیات کو مقدم ذکر فرمایا۔ آیات سے مراد عقائد اور اصول دین تھے اس کے بعد تہذیب و اخلاق کا درجہ ہے اسکی طرف ویزکیھم سے اشارہ فرمایا صاحب المنار نے لکھا ہے کہ عرب میں برائیاں اور اخلاقی عیوب بے پناہ تھے۔ (باقی حاشیہ بر صـ ۷۹)

جملوں سے تعلق رکھتا ہو۔ پورا مطلب یہ ہو کہ جس طرح میں نے تم کو یاد رکھا اور انبیاء برابر مبعوث کرتا رہا تم بھی میری طاعت کر کے مجھ کو یاد رکھو میں طاعت پر ثواب دے کر تم کو یاد رکھوں گا اس آخری ترکیب پر "تہتدون" پر وقف کرنا ہو گا لیکن پہلی ترکیب پر وقف نہیں کرنا پڑتا بہر حال یہ رسول عرب میں سے مبعوث ہوئے جو تم کو قرآن مجید سناتے ہیں تم کو پاکیزہ خصائل کرتے ہیں قرآن و سنت کی تعلیم دیتے ہیں اور جو امور صرف وحی سے معلوم ہو سکتے ہیں ان کو بتاتے ہیں، ان تمام انعامات کا تقاضہ ہے کہ تم طاعت والی زندگی اختیار کرو جو مجھ کو یاد رکھنے کی ایک صورت ہے جزاء میں ہم بھی تم کو ثواب دیں گے جو ہماری طرف سے یاد رکھنا ہے، تم ہماری تعریف کرو، ہم تم کو دیں گے، تم ہم سے مانگو گے، یہاں سے دیا جائے گا، تم توبہ کرو، ہم معاف کریں گے، تم عبادات میں اخلاص سے کام لو ہم تم کو جہنم سے چھڑا دیں گے، تم مناجات کرو، ہمارا جواب اس پر نجات ہو گا بہر حال تم بھی تو کچھ کرو تاکہ ہم نیک جزاء کا تم سے معاملہ کریں۔ اور اصل تو یہ ہے کہ ہماری نعمتوں کا شکر یہ بروقت ادا ہونا چاہیئے اور کفران نعمت سے بہت بچنا ایمان و اخلاص ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ○ وَلَا

اے ایمان والو! صبر اور نماز سے سہارا حاصل کرو بلاشبہ حق تعالیٰ صبر کرنیوالوں کے ساتھ رہتے ہیں (اور نماز پڑھنے والوں کے ساتھ تو بدرجۂ اولیٰ) اور

تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ○ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ

جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے جاتے ہیں انکی نسبت یوں بھی مت کہو کہ وہ (معمولی مُردوں کی طرح) مُردے ہیں بلکہ وہ تو (ایک ممتاز حیات کے ساتھ) زندہ ہیں لیکن تم (ان) حو[illegible]

بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۭ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ⑪

ہم تمہارا امتحان کریں گے کسیقدر خوف سے اور فاقہ سے اور مال اور جان اور پھلوں کی کمی سے اور آپ ایسے صابرین کو بشارت سنا دیجئے (جنکی عاد[illegible]

الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ⑮ اُولٰۗىِٕكَ

کہ ان پر جب کوئی مصیبت پڑتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو (مع مال و اولاد حقیقۃً) اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہیں اور ہم سب (دنیا سے) اللہ ہی کے پاس جانیوالے ہیں

عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۣ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ○

ان لوگوں پر (جدا جدا) خاص خاص رحمتیں بھی انکے پروردگار کی طرف سے ہونگی اور (سب پر بالاشتراک) عام رحمت بھی ہو گی اور یہی لوگ ہیں جنکی (حقیقت حال تک) رسائی ہو گی

اے ایمان والو صبر اور نماز سے مدد چاہو۔ بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے، اور جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جائیں انھیں مردہ نہ کہو وہ مردہ نہیں ہیں، بلکہ زندہ ہیں ہاں یہ بات ہے کہ تم انکی حیات کا ادراک نہیں کر سکتے۔ اور ہم تمہاری ضرور

بقیہ حاشیہ ۵۶ :- قساوت کا یہ عالم کہ لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیں، شقاوت کی یہ انتہا کہ ڈکیتی قتل و غارت گری انکا محبوب مشغلہ، زنا، شراب خوری سود خواری، جوا، چوری، حرام کھانا سب ہی انکی عادات میں داخل تھے اسلام آیا اور ہر قسم کی اخلاقی و عقیدہ کی برائیوں سے انکی تہذیب و تطہیر کی جصاص نے لکھا ہے کہ آیات میں ذکر کا حکم ہے اور ذکر کی متعدد صورتیں ہیں کبھی ذکر زبان سے اس طرح ہوتا ہے کہ قلب خدا تعالےٰ کی عظمت کے یقین سے معمور ہو (۲) شکر کے طور پر بھی ذکر ہوتا ہے (۳) نعمتوں کا اعتراف بھی ذکر ہے (۴) لوگوں کو اسلام کی دعوت دینا، دلائل سے اسلام کی حقانیت ثابت کرنا یہ بھی ذکر ہے (۵) کائنات میں غور و فکر اور صانع عالم کی وحدانیت اور قدرت کا یقین کامل بھی ذکر ہے اور یہ ذکر کی قسم تمام اقسام میں نہایت اہم ہے آیات میں ذکر کو شکر پر مقدم کیا گیا ہے یہ اس لئے کہ ذکر کا مقصود، خدا تعالےٰ کی ذات میں انہماک ہے اور شکر خدا تعالیٰ کی نعمتوں کا اعتراف ہے اور ظاہر ہے کہ مشغولیت فی الذات نعمتوں میں مشغولیت سے بہت فائق ہے (باقی حاشیہ بر صہ ۸۰)

آزمائش کریں گے - کچھ خوف اور بھوک سے اور مال اور جان سے اور پھلوں کے کچھ نقصان سے اور آپ صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجئے کہ جب ان پر کوئی مصیبت آپڑتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ بے شک ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور بے شک ہم اسی کی طرف واپس ہونے والے ہیں یہ وہ لوگ ہیں کہ ان پر نوازشیں ہونگی ان کے پروردگار کی طرف سے اور رحمت بھی اور یہی لوگ راہ یاب بھی ہیں -

مصائب کا اسلامی فلسفہ

صبر میں گویا کہ تمام ہی فضائل آگئے اور نماز ہر قسم کی برائی سے روکنے والی عبادت ہے اچھائیوں کو حاصل کرنا اور برائیوں سے محفوظ رہنا یہی انسان کیلئے اسلامی زندگی کا اہم مقصود ہے اس لئے آیت میں ان دو جامع عبادات کا حکم دیا گیا - اور صبر کے نتیجہ میں بہت سی مصائب اور مشکلات اٹھا کر آدمی کامیاب ہوتا ہے کامیابی نصرت الہی کے بغیر ممکن نہیں تو گویا کہ صابرین، اللہ تعالےٰ کی نصرت سے سرفراز ہیں اس تمہید کے بعد ایک اہم حقیقت کی جانب توجہ دلاتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں جان دینے والوں کو مردہ نہ کہنا چاہئے بلکہ وہ تو زندہ[ع] ہیں لیکن تم ان کی موجودہ زندگی کی حقیقت کو سمجھ نہیں سکتے، یہ آیات مفسرین کی تحقیق کے مطابق، بدر کے ان چودہ شہید صحابہ کے بارے میں نازل ہوئیں جو اسلام کے پہلے معرکہ حق و باطل یعنی بدر میں شہید ہوئے تھے -

اس سے معلوم ہوا کہ شہید کی عالم برزخ میں زندگی ضرور ہے لیکن ہمارا احساس اس کو دریافت کرنے سے عاجز ہے - حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ شہداء حسینا ہیں رزق ان کی روح کے سامنے پیش کیا جاتا ہے، اس سے انکی روح کو راحت اور فرحت حاصل ہوتی ہے جیسا کہ فرعون اور اس کے متبعین کی ارواح آگ کے سامنے کی جاتی ہیں اور اس سے ان کو تکلیف و اذیت ہوتی ہے یہ معاملہ صبح و شام ان کے ساتھ ہوتا ہے مجاہد کہتے ہیں کہ شہداء اگرچہ جنت میں نہیں ہیں لیکن ان کو جنت کے پھل کھانے کے لئے دیئے جاتے ہیں اور ان کو جنت کی ہوائیں لطف پہنچاتی رہتی ہیں پھر ارشاد ہے کہ یہ دیکھنے کے لئے کہ تم صبر کرتے ہو یا نہیں ہم تم کو کچھ پریشانیوں میں ضرور مبتلا کریں گے - عجیب بات ہے کہ حضرت حق جل مجدہ نے پریشانیوں کے سلسلہ میں فرمایا کہ بس یہ مصیبتیں یوں ہی معمولی ہوں گی - یہ اس لئے تاکہ انسان کو معلوم ہو کہ خدا تعالیٰ کی رحمت ہر وقت اس کے ساتھ ہے - مصائب جو کچھ آرہے ہیں اس سے زیادہ آسکتے تھے لیکن خدا تعالےٰ نے اپنی رحمت سے ان مصائب سے اس کو محفوظ فرما دیا اور یہ خود ایک رحمت ہے کہ پریشانیوں میں الجھنے سے پہلے ان مشکلات کی انسان کو اطلاع دیدی کہ اس اطلاع کے نتیجہ میں ذہن و دماغ مصائب کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہوں گے اور "اچانک حوادث" دل و دماغ پر کوئی خوفناک اثر نہ ڈالیں گے -

یہ مصائب کبھی تو اس صورت میں ہوں گے کہ خدا تعالیٰ کا خوف دامن گیر ہوگا اور کا ہے دنیا میں دشمنوں سے ایسا خوف ہوگا جس کا تصور انسان کے لئے مہیب بن جائے گا، خشک سالی ہوگی اور کھانے پینے کی چیزوں کا فقدان اور ہو سکتا ہے کہ رمضان مبارک مراد ہو جس میں انسان روزہ رکھ کر خود کو بھوکا رکھتا ہے، جانور ہلاک ہو جائیں گے اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ زکوٰۃ فرض

بقیہ حاشیہ ص۷۹ :- روح المعانی میں ہے کہ لان فی الذکر اشتغالا بذاتہ تعالیٰ و فی الشکر اشتغالا بنعمتہ والاشتغال بذاتہ تعالیٰ اولی من الاشتغال بنعمتہ ص۱۹ جلد ثانی

ع تحویل قبلہ پر مخالفین کی طرف سے جو کچھ ہنگامہ آرائی ہوئی شکستہ قلوب مسلمانوں کی تسلی اور تشفی کے لئے عزیز وحکیم کے چند مجرب نسخے ان آیات میں ذکر فرمائے گئے ہیں فرمایا کہ مصائب اور مشکلات، پریشانیاں اور غم انگیز حالات افراد کے لئے اور قوموں کے لئے ضروری ہیں بقول علامہ طنطاوی جب مصائب نہ آئیں انسان ایک سونے کی ڈلی ہے جو گرد آلود ہو کر نظروں سے چھپی رہے گی جس کی چمک دمک سے عام نظریں خیرہ نہ ہونگی اور جس کو عزیز دگراں قیمت زیور کی شکل میں گلے میں نہ پہنا جائے گا، مصائب ہوں اور پھر صبر آزما گھاٹیاں بس انسان کو سونا بلکہ (باقی ص۸۱)

کیجائے گی، جس کی ادائیگی میں بظاہر آدمی کا مال کم ہوتا ہے۔ انسان، انسان کو قتل کرے گا۔ موت کی گرم بازاری ہوگی، بیماریاں ہوں گی، اور بڑھاپے کی کمزوریاں، کھیتیاں خشک ہوجائیں گی۔ اولاد کی موت کا دلدوز صدمہ، کیونکہ اولاد بھی، آدمی کی تمناؤں کا مرکز ہے، لیکن جو لوگ ان تمام آفات وافکار پر صبر کرتے رہے۔ اور ہر تازہ مصیبت کو خدا تعالےٰ ہی کا ایک فیصلہ سمجھکر تقدیری امور پر راضی رہے یہ ہم اس لئے کہتے ہیں کہ استرجاع (انا للہ وانا الیہ راجعون) کی حقیقت، رضا بالقضا ہے۔ حدیث میں ہے کہ جسنے مصیبت پر زبان سے یہ کلمہ انا للہ الخ کہا اللہ تعالےٰ اس کی پریشانی کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ۸۰ ملاحظہ کیجئے) بلکہ کندلنبا جاتی ہیں۔ اسی لئے ارسطو نے اپنے ایک مکتوب میں اسکندر کو لکھا تھا کہ جب قوم ہر طرح سے آسودہ حال ہوا دراس پر افکار و پریشانیوں کا کسی طرف سے بھی ہجوم نہو، تو سمجھ لینا چاہیئے کہ اس قوم کے زوال کا وقت قریب آگیا اور جو قومیں ہمیشہ کشمکش کی زندگی گذارتی ہیں اس دنیا میں عروج واقتدار کی پختہ بنیاد عمارتیں انھیں کے لئے چشم براہ ہیں بلکہ راحت کوش انسانوں کے لئے مصائب جس درجہ پریشان کن ہیں، ایسے ہی باعزم انسانوں کے لئے عیش وراحت کی زندگی، وبال جان ہے، خوب کہا ہے اُردو کے کسی شاعر نے ؎

چلا جاتا ہوں ہنستا کھیلتا موج حوادث سے ؛ جو ہوں آسانیاں تو زندگی دشوار ہو جائے

اس لئے وہ شریعت اور وہ قانون جامع نہیں جو مصائب کے فلسفہ پر اور پھر اس کے مضبوط حل پر انسان کو روشنی نہ دے قرآن حکیم نے حسب دستور بتایا کہ تحویل قبلہ پر اس ہنگامہ کو اپنی قومی وملی زندگی کا پیش خیمہ سمجھو، سمجھو کہ سب کچھ من جانب اللہ ہے گھبراؤ نہیں، بلکہ صبر اور صلوۃ کے مضبوط اور ناقابل تسخیر ہتھیاروں سے، اس پورے ہنگامہ کا مقابلہ کرو۔ مفردات میں امام راغب نے لکھا ہے کہ صبر کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی مشکلات میں بھی خود پر کنٹرول رکھے "الصبر الامساک فی ضیق" اور شریعت صبر کی حقیقت یہ بتاتی ہے کہ آدمی ہر مصیبت پر نفس کو قابو میں رکھے۔ شریعت سے قدم باہر نہو اور نفس وعقل کی کشمکش میں عقل ہی غالب رہے امام راغب ہی نے لکھا ہے کہ الصبر حبس النفس علی ما یقتضیہ العقل والشرع اس لئے صبر کا یہ مطلب بالکل غلط ہوگا کہ آدمی ان اثرات کو بھی خود پر طاری نہ ہونے دے جو بشری وطبعی طور پر حوادث کے وقت انسان پر طاری ہوتے ہیں، مرض کی حالت میں کراہنا، اذیت بیماری سے جسم کی ناتوانی، چہرہ پر گھبراہٹ طبعی تقاضہ ہے، صبر یہ نہیں کہ ان کیفیات کا مقابلہ بھی انسان کرے، یہ صبر نہوہ بلکہ قانون فطرت سے ایک احمقانہ جنگ ہے جسکا نتیجہ شکست کے سوا اور کیا ہوگا۔

بس صبر یہ ہے کہ آدمی مصائب پر صابر وشاکر رہے۔ شکوہ وشکایت نہ کرے اور کسی مصیبت کے حل میں اس کی تلاش غیر شرعی حدود میں نہو حاکم سے تعلقات، شکستہ دلوں کے لئے کتنا بڑا سہارا ہے۔ پس فطرت انسانی کے اسی خاص پہلو کو سامنے رکھکر احکم الحاکمین نے اپنی "معیت مخصوصہ" کی ایک صورت بیان فرمائی کہ اگر تم کو ہمارے ایسے سب سے بڑے حاکم کی معیت ونصرت مطلوب ہے تو نماز اور صبر سے کام لو گویا کہ معیت الٰہی کو حاصل کرنے کے دو طریقے ہیں ایک نماز اور دوسرا صبر "لیکن معیت سے خاص قسم کی معیت مراد ہے جو رحمت کی ایک کامل شکل میں ہوگی ورنہ ظاہر ہے کہ معیت عمومی" تو خدا تعالیٰ کی کافروں تک کیساتھ ہے، جو خدا تعالےٰ کی رحمت سے محروم ہیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ صبر کے ساتھ راہ حق میں جان دینے والوں کا مقام ومرتبہ عند اللہ اسقدر بلند ہے کہ مرنے کے بعد عالم برزخ میں وہ ایک مخصوص زندگی کیساتھ زندہ ہیں ان کے اخلاص، حیات جاودانی، عزیمت اور بے نظیر صبر واستقامت کا تقاضہ ہے کہ ان کو مردہ بھی نہ کہا جائے کہ یہ لفظ ان کے واجبی احترام کی ایک توہین ہے، علامہ آلوسی نے روح المعانی میں لکھا ہے کہ بدر کے عظیم ترین معرکہ میں جب بعض اکابر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین شہید ہوگئے تھے تو بعض شقی کفار نے کہنا شروع کیا کہ بیکار انہوں نے اپنی جان گنوائی۔ زندہ رہتے تو دنیا کے مزے لوٹتے۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ برزخ، (عالم دنیا اور عالم آخرت کے درمیان کی منزل جس کو عوام قبر کی زندگی کہتے ہیں) میں تو ہر ہی مومن، کافر، مشرک، ملحد کو حیات حاصل ہے پھر شہدار کو خاص طور پر زندہ وحیات کہنے کا کیا مطلب ہے، علمار نے لکھا ہے کہ حضرات شہدار کو کفار تو درکنار عام مومنین کے مقابلہ میں بھی ایک قوی تر حیات حاصل ہے زندگی کی یہی مخصوص کیفیت، اس کا تقاضہ کرتی ہے کہ ان کی زندگی کا خاص طور پر تذکرہ ہو۔ اس کو یوں سمجھیئے، جیسا کہ اس ناسوتی عالم میں سب ہی جیتے ہیں، لیکن ایک بادشاہ، تندرستی وصحت، ناز ونعمت آرام وراحت کے جن خوشگوار لمحات میں زندگی گذار رہا ہے اس کو دیکھکر کہا جائے کہ بس زندگی تو ان کی ہے (بقیہ حاشیہ صفحہ۸۲ پر ملاحظہ ہو)

ختم فرما دیتے ہیں، انجام بخیر ہوتا ہے اور کوئی ایسی نعمت (ایسے بعد میں ملجاتی ہے، جس سے اس کا غم غلط ہوجائے ایک مرتبہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چراغ گل ہوگیا تو آپؐ نے فوراً انا للہ وانا الخ پڑھا، عرض کیا گیا کہ کیا چراغ کا گل ہونا بھی کوئی مصیبت ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ تمام وہ چیزیں جن سے مومن کو تکلیف پہونچے وہ مصائب ہی ہیں (اور ظاہر ہے کہ چراغ گل ہونے سے بھی پریشانی ہوتی ہے اس لئے وہ بھی مومن کے حق میں مصیبت ہوگی) آیات میں خطاب یا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور مطلب یہ ہے کہ مصائب پر صبر کرنے والوں کو آپؐ بشارت دیجئے یا ہر وہ شخص اس کا مستحق ہے جو دوسروں کو بشارت دے سکے۔

ترکیب نحوی

الذین، صابرین کی صفت ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، اس پر وقف نہ کرنا چاہئے بلکہ وقف راجعون پر ہوگا اور جن مفسرین نے مبتدا، الذین کو بنایا ہے اور "اولٰئک" کو خبر وہ صابرین پر وقف کرتے ہیں لیکن پہلی ترکیب زیادہ بہتر ہے کیونکہ "الذین" اور اس کا مابعد "صابرین" کا بیان ہے۔

فرماتے ہیں کہ مصائب میں انا للہ الخ پڑھنے والوں پر من جانب اللہ رحمتیں ہوں گی. صلوٰۃ کے معنی، رحمت، و نرمی ہی کے آتے ہیں اس طرح یہ لفظ صلوٰۃ، رافت کے مفہوم کو ادا کرتا ہے خدا تعالےٰ نے اکثر مواقع پر رافت اور رحمت کو جمع کیا ہے مثلاً ارشاد ہے کہ "رافۃً ورحمۃً" یا "رؤف رحیم" اس کا مطلب، رحمت و رافت کے معنی میں مبالغہ مقصود ہے، فرماتے ہیں کہ صبر و رضا کے یہی وہ خوش نصیب پیکر ہیں جنکو مصائب پر صحیح راہ اختیار کرنے کے لئے مل گئی اسی لئے عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ یہاں دو چیزیں ذکر فرمائیں یعنی صلوٰۃ و رحمت اور ایک علیحدہ ذکر آئی یعنی ہدایت یہ سب چیزیں بڑی قیمتی ہیں۔

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَائِرِ اللَّهِ ج فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا

تحقیقاً صفا و مروہ منجملہ یادگار (دین) خداوندی ہیں سو جو شخص حج کرے بیت (اللہ) کا یا (اسکا) عمرہ کرے اسپر ذرا بھی گناہ نہیں ہوتا

جُنَاحَ عَلَيْهِ أَن يَطَّوَّفَ بِهِمَا ۚ وَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا لا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ○

ان دونوں کے درمیان آمدرفت کرنے میں (جسکا نام سعی ہے) اور جو شخص خوشی سے کوئی امر خیر کرے حق تعالیٰ (اسکی بڑی) قدر دانی کرتے ہیں (اور اس خیر کرنیوالے کی نیت بخلوص) جانتے

صفا اور مروہ بے شک اللہ کی یادگاروں میں سے ہیں سو جو کوئی بیت اللہ کا حج کرے، یا عمرہ کرے. اس پر ذرا بھی گناہ نہیں کہ ان دونوں کے درمیان آمدرفت کرے. اور جو کوئی خوشی سے کوئی اچھا کام کرے، سو اللہ تو بڑا قدردان ہے، بڑا علم رکھنے والا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۱ ملاحظہ ہو) جو آرام و راحت اور پوری فراغت کیساتھ زندگی گذار رہے ہیں. گویا کہ ناسوتی زندگی ہی میں، تکلیف و عذاب اور راحت و آرام کے تفاوت سے لوگوں کے ذہنوں میں زندگی کا فرق قائم ہوگیا، لیکن سوال یہ ہے کہ یہ زندگی شہداء کی کیسی ہے؟ آیا صرف روحانی، یا روح اور جسم دونوں کیساتھ یا پھر ہمارے اس جسم کا کوئی مثالی جسم، مفسر روح المعانی نے تفصیل سے تینوں صورتوں کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اکثر اہل علم اور اہل تحقیق کی رائے یہ ہے کہ شہداء کی زندگی، اسی جسم اور روح کے ساتھ ہے روح المعانی میں ہے کہ "فذهب كثير من السلف الى انها حقيقة بالروح والجسد" قرآن مجید میں ایک موقع پر شہداء کے لئے یرزقون بھی استعمال کیا گیا ہے جس کے معنی ہیں کہ ان شہداء کو رزق دیا جاتا ہے رزق خود حیات جسمانی کی دلیل ہے، دوسرے اقوال سے متعلق روح المعانی نے تفصیل سے لکھکر پھر لکھا ہے کہ مشہور اور راجح یہی ہے کہ شہداء کو حیات جسمانی برزخی حاصل ہے عالم برزخ کے احوال ہمارے ان قویٰ ادراکیہ کی گرفت سے باہر ہیں اس لئے اس زندگی کو ہم معلوم نہیں کرسکتے تھے. روح المعانی میں ہے کہ "احوال البرزخ التي لا يطلع عليها ولا طريق للعلم بها الا بالوحي"

احکام حج

صفا اور مروہ دو پہاڑوں کے نام ہیں، انہیں کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ یہ اللہ تعالےٰ کی یادگار ہیں شعائر، شعیرۃ کی جمع ہو معنی علامت اس لئے جو شخص حج کا ارادہ کرے یا عمرہ کا لغت میں حج کے معنی ارادہ کے آتے ہیں اور عمرہ کے معنی، زیارت کرنے کے، لیکن پھر بیت اللہ ہی کی زیارت و قصد خاص طور پر ان کے معنی مشہور ہو گئے، جیسا کہ "النجم" ہر ہی ستارے کو کہتے تھے۔ لیکن "النجم" سے صرف زہرہ ستارہ ہی مراد لیا جانے لگا۔ طواف کے معنی کسی چیز کے اردگرد گھومنا، لیکن یہاں طواف سے سعی مراد ہے، کیونکہ طواف، تو صرف بیت اللہ کا ہوتا ہے، صفا و مروہ کا نہیں۔

کہا جاتا ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں ایک مرد تھا جس کا نام اساف تھا، اس کے نائلہ نامی عورت سے ناجائز تعلقات تھے ظالموں نے خانہ کعبہ میں جا کر زنا کی اللہ تعالےٰ نے وہیں دونوں کو مسخ کر دیا اور یہ دونوں پتھر ہو گئے، مشرکین نے عبرت کے لئے ان میں سے ایک کو صفا پر رکھدیا اور دوسرے کو مروہ پہاڑ پر شروع شروع میں دیکھنے والے عبرت حاصل کرتے کہ خانہ کعبہ جیسی پر عظمت و مقدس جگہ پر زنا کرنے کی سزا خدا تعالےٰ یہ دیتا ہے، لیکن جہالت کا برا ہو۔ کہ کچھ دنوں بعد مشرکین انہیں اساف و نائلہ کے مسخ شدہ پتھروں کی عبادت کرنے لگے۔

اور طواف و سعی کے اوقات میں مشرکین ان کو چھوتے اور پھر ہاتھوں کو اپنے چہرہ پر تقدس کی نیت سے پھیرتے۔ جب مکہ فتح ہوا اور خانہ کعبہ کے بت توڑ ڈالے گئے تو مسلمانوں کو مروہ اور صفا کی سعی میں تردد ہوا کہ وہاں بت رکھے ہوئے ہیں ہم ان کی سعی کیسے کریں۔ آیا جائز ہے۔ یا حرام؟ اسی پر قرآن مجید کی یہ آیات نازل ہوئیں اور بتایا کہ سعی کرنے میں کوئی حرج نہیں (جناح) یہ الفاظ کے حرج نہیں ہے اس بات کی دلیل ہیں کہ سعی حج میں رکن نہیں ہے جیسا کہ امام مالک اور شافعی رحمہما اللہ کہتے ہیں بلکہ واجب ہے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے۔ یطوف دراصل یتطوف تھا: تا کا طا میں ادغام ہو گیا۔

پھر فرماتے ہیں کہ اور جو کوئی نیک، کام کرنا چاہے اس سے مراد سعی ہے اور یہ خود اس کی دلیل ہے کہ سعی، صفا اور مروہ کی رکن نہیں بلکہ واجب ہے تو خدا تعالےٰ تو تھوڑے پر بھی بہت زیادہ دینے والے ہیں اور لوگوں کی چھوٹی و بڑی سب ہی نیکیوں کو خوب جانتے ہیں۔

---

۵ عبادات اسلامی میں چوتھا اور اہم رکن حج ہے جو بشرط استطاعت عمر بھر میں ایک بار مسلمان پر فرض ہوتا ہے حج میں کل تین چیزیں فرض ہیں (۱) حدود حرم میں بلا سلا ہوا لباس پہننا جس کو احرام کہتے ہیں (۲) میدان عرفات میں ۹ ذی الحجہ کو قیام (۳) وقوف عرفات کے بعد خانہ کعبہ کا طواف جسکو اصطلاح فقہا میں طواف زیارت کہتے ہیں اسی طرح حج میں واجب کل چار چیزیں ہیں (۱) مزدلفہ میں ٹھہرنا (۲) سعی یعنی صفا و مروہ کے درمیان آمد و رفت (۳) منیٰ میں کنکریاں پھینکنا (۴) طواف کعبہ یہ طواف فرض کے علاوہ ہے اور طواف زیارت کے نام سے فقہاء کے یہاں مشہور ہے، باقی سب چیزیں یا سنن ہیں یا مستحب عمرہ، حج اصغر کا دوسرا نام ہے۔ اسمیں حج کی طرح نہ متعین دن نہ متعین تاریخیں سوائے زمانہ حج کے تمام سال کیا جا سکتا ہے۔ آیات بالا میں حج ہی کے ایک اہم رکن سعی پر ایک خاص توجہ دلائی وجہ وہی ہے جو صاحب مدارک نے ذکر کی یعنی صفا و مروہ پر اساف و نائلہ کے بتوں کیوجہ سے مومنین کو شبہ تھا کہ سعی کرنا ٹھیک بھی ہے یا نہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا جب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو بعالم شیر خواری خانہ کعبہ کے پاس لیکر قیام پذیر ہو گئیں تھیں تو اسمٰعیل علیہ السلام کی شدید پیاس پر پانی کی تلاش میں ادھر ادھر دوڑتی تھیں۔ صفا و مروہ کے درمیان پانی یا آنے جانے والے قافلہ کی تلاش میں حضرت ہاجرہ کی مسلسل آمد و رفت اب حج کا ایک اہم واجب ہو گیا یہ سعی امام اعظم کے یہاں واجب اور سیدنا امام احمد بن حنبل کے یہاں سنت اور مالکیہ و شوافع کے یہاں فرض ہے آمد و رفت سات مرتبہ ہوتی ہے۔ تطوع۔ ہر وہ چیز جو انسان اپنی خوشی سے کرے اور وہ اس پر فرض نہو خیر عام ہے اور اس سے یہی خیر مراد ہو سکتی ہے۔ امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ "المراد منہ جمیع الطاعات" بتانا یہ ہے کہ انسان کا نیک عمل کیسا ہی کیوں نہو بیکار نہیں جاتا اسپر اجر ضرور ملتا ہے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ شکر کا تعلق جب خدا تعالےٰ کے کیساتھ قائم ہو تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے (بقیہ حاشیہ نمبر ۴ ص ۸ پر ملاحظہ ہو)

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ

جو لوگ اخفاء کرتے ہیں اُن مضامین کا جنکو ہم نے نازل کیا ہے جو کہ (اپنی ذات میں) واضح ہیں اور (دوسروں کو) ہادی ہیں بعد اس کے کہ ہم اسکو کتاب (الٰہی توراۃ و انجیل) میں عام لوگوں پر

فِي الْكِتَابِ ۙ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ ○ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا

ظاہر کر چکے ہوں۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ بھی لعنت فرماتے ہیں اور (دوسرے بہتیرے) لعنت کرنیوالے بھی انپر لعنت بھیجتے ہیں۔ مگر جو لوگ توبہ کر لیں اور اصلاح کر دیں اور (ان

وَبَيَّنُوا فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ○

مضامین کو) ظاہر کر دیں تو ایسے لوگوں پر میں متوجہ ہو جاتا ہوں۔ اور میری تو بکثرت عادت ہے توبہ قبول کر لینا اور مہربانی فرمانا۔

بےشک جو لوگ چھپاتے ہیں اس چیز کو جو ہم کھلی ہوئی نشانیوں اور ہدایت سے نازل کر چکے ہیں اور اس کے بعد میں کہ ہم اس کو اپنی کتاب میں لوگوں کے لئے واضح کر چکے ہیں یہی ہیں وہ لوگ جن پر اللہ تعالیٰ لعنت کرتا ہے اور ان پر لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں البتہ جو لوگ توبہ کر لیں اور درست ہو جائیں اور ظاہر کر دیں یہ وہ لوگ ہیں جن پر میں متوجہ ہوا ڈنگا رحمت سے اور میں بڑا توبہ قبول کرنے والا اور بہت رحمت والا ہوں۔

کتمان حق یہ علماء یہود کے متعلق فرمایا جا رہا ہے[ع۵] کیونکہ وہی، تورات کے مضامین اور حقائق کو جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے متعلق تھے چھپاتے اور عوام کو ان سے بے خبر رکھتے، ساتھ ہی ان سراپا ہدایت حقیقتوں کو بھی بشدت چھپانے کی کوشش ہوتی جو لوگوں کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ فیصلہ کرنے میں مدد دیتے کہ واقعی آپ ہی خدا تعالےٰ کے آخری نبی ہیں حالانکہ خدا تعالےٰ نے ان مضامین کو تورات میں واضح طور پر بیان فرمایا تھا۔ فرماتے ہیں کہ حق کو اس طرح چھپانے والوں پر کائنات کی ہر وہ چیز لعنت کرتی ہے جو لعنت کر سکتی ہے مثلاً فرشتے اور مومنین لیکن جو لوگ ایمان لے آئیں اور کتمان حق کے جرم کو چھوڑ دیں اور تلافی مافات کرتے ہوئے جو کوتاہیاں ہو چکیں ان کا تدارک کریں اس طرح کہ جو امور حق چھپاتے تھے۔ ان کو سب کے سامنے کھول کر بیان کر دیں تو میں ان کی توبہ قبول کروں گا اور واقعی میں تو ہوں ہی بہت توبہ قبول کرنے والا اور سراپا رحمت،

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ

البتہ جو لوگ (ان میں سے) اسلام نہ لاویں اور اسی حالت غیر اسلام پر مر جائیں ایسے لوگوں پر (وہ) لعنت (مذکورہ) اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں کی اور آدمیوں

وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ○ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ○

کی بھی سب کی (ایسے طور پر رہا کریگی کہ) وہ ہمیشہ ہمیشہ اسی (لعنت) میں رہیں گے اُن سے عذاب ہلکا نہ ہونے پاوے گا اور نہ (داخل ہونے کے قبل) انکو مہلت دی جاویگی

وَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ لَّا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَٰنُ الرَّحِيمُ ⓔ

اور (ایسا معبود) جو تم سبکے معبود بننے کا مستحق ہو وہ تو ایک ہی معبود حقیقی ہے اُسکے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں (وہی) رحمٰن ہو رحیم ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۳ ملاحظہ ہو) تھوڑے سے عمل پر بڑی جزا عنایت فرماتا ہے گویا کہ وہ بہت ہی قدر داں ہے معالم التنزیل میں ہے کہ الشکر من اللہ تعالیٰ ان یعطی لعبدہ فوق مایستحقہ بشکر الیسیر و یعطی الکثیر صاحب المنار نے لکھا ہے کہ تحویل قبلہ کے بعد احکام حج کا تذکرہ گویا کہ مسلمانوں کو اس بات کی بشارت تھی کہ عنقریب مکہ ان کے ہاتھ پر فتح ہونے والا ہے " فکان ذکرھا نصًا ضمنیًا بان سیاخذ ون مکۃ و یقیمون مناسک ابراھیم فیھا" ع۵ یہود و نصاری کی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق اپنی مذہبی کتابوں میں وارد تمام ہی (بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۵ پر دیکھیے)

بے شک جو لوگ کفر کرتے ہیں اور مرجائیں اسی حال میں کہ وہ کافر ہیں سو یہ وہی لوگ ہیں کہ ان پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی آدمیوں کی سب کی وہ اس میں پڑے رہنے والے ہیں کہ نہ ان پر سے عذاب ہلکا ہونے پائیگا اور نہ انہیں مہلت دیجائے گی۔ اور تمہارا خدا ایک خدا ہے بجز اس کے کوئی خدا نہیں بے انتہا رحم کرنے والا بار بار رحم کرنے والا۔

کفر اور اس کی ابدی سزا

اس سے پہلے ان لوگوں کا ذکر فرمایا تھا جو کتمان حق کرتے ہیں اب انہیں کے متعلق فرما رہے ہیں کہ اگر یہی لوگ اسی کفر پر مرجائیں اور اپنے برے افعال و عقیدوں سے توبہ نہ کریں توانپر زندگی کی حالت میں بھی لعنت اور مرنے کے بعد بھی لعنت، یاد رہے کہ سابقہ آیات میں اس لعنت کا ذکر تھا جو انپر جیتے جی ہو رہی تھی اور ان آیات میں اس لعنت کا تذکرہ ہے جو مرنے کے بعد ان پر جاری رہیگی۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ آیات میں "الناس" سے مومنین مراد ہیں یعنی ایسے بدبختوں پر ان کے مرنے کے بعد مومنین کی بھی لعنت جاری رہے گی، اور بعض مفسرین کہتے ہیں کہ "الناس" سے مومن اور کافر سب ہی مراد ہیں کیونکہ قرآن مجید میں آیا ہے کہ جہنم میں جب کافروں کی جماعت داخل ہو گی تو وہ اپنے سے پہلے داخل شدہ جماعت پر لعنت و ملامت کرے گی اس سے معلوم ہوا کہ کافر، کافر پر لعنت کرے گا۔[ع]

فرماتے ہیں کہ یہ کفار اس لعنت میں ہمیشہ رہیں گے اور ہو سکتا ہے کہ مراد یہ ہو کہ کفار جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔ لیکن جہنم کا پہلے ذکر نہیں آیا اس لئے کہنا پڑے گا کہ جہنم کے ہولناک اور بھیانک عذاب کیوجہ سے اس کا ذکر صراحتہ نہیں ہوا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ نہ تو انکو عذاب سے مہلت ہو گی کہ اپنی بداعمالیوں کا یہ اس مہلت میں عذر پیش کر سکیں اور نہ خدا تعالٰے ان کی طرف رحمت کیساتھ متوجہ ہو گا، پہلی صورت میں لا ینظرون انظار سے ماخوذ ہو گا جسکے معنی مہلت دینے کے آتے ہیں اور دوسرے ترجمہ کے پیش نظر، نظر کے مشتق ہو گا جسکا ترجمہ دیکھنا ہو گا۔

اس کے بعد ارشاد ہے کہ تمہارا خدا الوہیت میں منفرد ہے اس کا کوئی شریک نہیں بلکہ اس کے علاوہ کسی اور کو خدا کہہ نہیں سکتے۔ "لا الٰہ الا ھو" سے بھی وحدانیت کا ثبوت اور غیر اللہ سے خدا ہونے کی نفی مقصود ہے۔

ترکیب نحوی

کے اعتبار سے یہ "لا الٰہ الا ھو" رفع میں ہے کیونکہ یہ لا الٰہ کے موضع سے بدل ہے اس پر نصب نہیں دیا جا سکتا، بدل سے معلوم ہوتا ہے کہ اعتماد دوسرے احتمال پر ہے۔ اور اسی ترکیب کو سامنے رکھکر آیت کا ترجمہ کیا گیا ہے اور اگر نصب ہو تو اس سے ظاہر ہو گا کہ پہلی توجیہ معتبر رہی حالانکہ ایسا نہیں ہے "الرحمٰن الرحیم" سے بتاتے ہیں کہ چھوٹی بڑی تمام نعمتوں کے عطا کرنے والے وہی خدا تعالٰے ہیں ان کے سوا کوئی نہیں بلکہ ان کے علاوہ کسی دوسرے میں نہ وہ رحم اور نہ وہ رحمت بلکہ ان کے سوا جو کچھ بھی ہے یا وہ نعمت ہے، یا وہ ہیں جن پر انہوں نے نعمت فرمائی۔ اس کو یوں سمجھئے کہ مثلاً علم صحیح ہے تو وہ نعمت ہے اور "عالم باعمل" ہے تو اس پر خدا تعالیٰ کی نعمت علم کی صورت میں ہوئی اور علم، اور عالم دونوں خدا تعالےٰ کے غیر ہیں معلوم ہوا کہ اب ذات باری عز اسمہٗ کے علاوہ جو کچھ ہے یا نعمت ہے یا منعم علیہ ہے۔ ترکیب نحوی کے اعتبار سے الرحمٰن الرحیم مرفوع ہے کیونکہ یہ خبر ہے۔ یا ھولاء سے بدل ہے یہ اس لئے کہ ضمیر کو موصوف نہیں بنایا جا سکتا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۰ ملاحظہ ہو) چیزوں کو چھپاتے کہ کہیں ایسا نہو کہ عوام یہ جانکر کہ یہی نبی آخر الزماں ہیں آپ پر ایمان نہ لے آئیں آیات میں ذکر انہیں اہل کتاب کا ہے روح المعانی میں ہے کہ "الا قرب انھا نزلت فی الیھود" لیکن اب یہ وعید ان سب ہی کو ہے جو اس جرم کے مرتکب ہوں چنانچہ روح المعانی ہی میں ہے کہ "والحکم عام"

لعنت آخرت میں بصورت عذاب اور دنیا میں رحمت حق سے محرومی کا نام ہے امام راغب نے لکھا ہے کہ "وذلک من اللہ تعالیٰ فی الاخرۃ عقوبۃ وفی الدنیا انقطاع من قبول رحمتہ وتوفیقہ۔"

ع بعض علماء نے لکھا ہے کہ کسی متعین گنہگار پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے ہاں کسی تعین کے بغیر لعنت کر سکتے ہیں۔ (بقیہ صفحہ ۶۸ پر ملاحظہ ہو)

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي

بلاشبہ آسمانوں کے اور زمین کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے میں اور جہازوں میں جو کہ

تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَاءٍ فَأَحْيَا

سمندر میں چلتے ہیں آدمیوں کے نفع کی چیزیں (اور اسباب) لیکر اور (بارش کے) پانی میں جس کو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے برسایا پھر اس سے زمین کو

بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ

تر و تازہ کیا اس کے خشک ہوئے پیچھے، اور ہر قسم کے حیوانات اس میں پھیلا دیئے اور ہواؤں کی (سمتیں اور کیفیتیں) بدلنے میں (اور ابر کے وجود) میں

الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ

جو زمین و آسمان کے درمیان مقید (اور معلق) رہتا ہے دلائل (توحید کے موجود) ہیں اُن لوگوں کیلئے جو عقل (سلیم) رکھتے ہیں۔

یقیناً آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے ادل بدل میں اور جہازوں کے چلنے میں جو سمندر میں ان چیزوں کو لیکر چلتے ہیں جو لوگوں کو نفع پہونچاتی ہیں اور اس پانی میں جسے اللہ نے اتارا پھر اس سے زمین کو بنجر مردہ ہونے کے بعد شاداب اور جلا اٹھایا۔ اور اس میں ہر طرح کے حیوانات پھیلا دیئے اور ہواؤں کے بدلنے میں اور بادل میں جو زمین اور آسمان کے درمیان مقید ہے (غرضیکہ ان سب چیزوں میں) ان لوگوں کیلئے جو عقل رکھتے ہیں نشانیاں ہیں۔

یہ پوری کائنات

ان آیات کا پس منظر (شان نزول) یہ ہے کہ مشرکین کے سامنے جب اسلام نے ایک خدا کا تصور رکھا تو اُن کو بڑی حیرت ہوئی اور تعجب سے پوچھنے لگے کہ ایک ہی خدا ہو اس کی دلیل کیا ہے، جواب میں یہی آیات نازل ہوئیں کہ پوری پھیلی ہوئی یہ کائنات اپنے ذرہ ذرہ کے اعتبار سے، خدائے واحد کے وجود گرامی پر دلیل ہے۔

زمین اپنے رنگ، تخلیق، جسم، آسمان اپنی پنہائیوں اور وسعتوں نیز بے ستون قیام کے اعتبار سے، راتوں کا کبھی چھوٹا ہونا تو کبھی لمبی ہونا دن کبھی چھوٹے تو کبھی بڑے، پھر دن اور رات کا ایک دوسرے کے پیچھے مسلسل سفر، اور وہ طول و طویل جہازات جو انسانوں کو اٹھا کر ادھر سے ادھر پھونچاتے ہیں یا انسانوں کے لئے کار آمد چیزوں کی بار برداری، خوفناک انگیز موجوں پر کرتے ہیں یا بارشوں کا وہ سلسلہ جو آسمان سے ہوتا ہے جس سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۵ ملاحظہ ہو) مثلاً یہ کہنا کہ زید پر لعنت اس لئے کہ وہ چوری کرتا ہے جائز نہ ہوگا لیکن صرف اتنا کہنا کہ چور پر خدا کی لعنت اس میں کوئی حرج نہیں ہے ابن العربی نے لکھا ہے کہ "فاما العاصی المعین فلا یجوز لعنہ اتفاقاً واما لعن المعاصی مطلقاً یجوز اجماعاً۔ حدیث میں آیا ہے کہ کسی مسلمان پر لعنت کرنا ایسا ہے جیسا کہ اس کو قتل کر دیا اسی تاکید کے پیش نظر علماء نے لکھا ہے کہ زندگی میں تو کسی متعین کافر پر بھی لعنت مناسب نہیں کیا عجب کہ وہ اسلام ہی لے آئے "وماتوا" سے بھی علماء کی اس رائے کی تائید معلوم ہوتی ہے کیونکہ قرآن مجید سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ مومنین ان پر اسوقت لعنت کریں جب وہ اسی کفر پر مرجائیں ابن العربی میں ہے کہ "وقد شرط اللہ تعالیٰ فی ھذہ الآیۃ فی اطلاق اللعنۃ الموافاۃ علی الکفر" اس سے ان مسلمانوں کو سبق لینا چاہئے جو ہر وقت ایک دوسرے پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔ آیت میں ایک عجیب نکتہ یہ بھی ملحوظ ہے کہ لعنت کفار پر بتایا گیا کہ انسان بھی کریں گے اور ملائکہ بھی حالانکہ ان میں سے ایک کی بھی لعنت کافی ہوگی المنار نے لکھا ہے کہ دونوں کیطرف سے لعنت کی وجہ اور اس کا تذکرہ اس وجہ سے آیا تاکہ معلوم ہو کہ ان کی شفاعت کوئی نہ کرے گا نہ مومن اور نہ فرشتے، یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ کفر سے بڑھ کر کوئی ظلمت اور کوئی ظلم (بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۷ پر ملاحظہ ہو)

پھلتے ہوئے کھیت، کھیتیاں، چمن، پھلواریاں، باغ اور بوستاں خشک و بنجر ہونے کے بعد لہلہا اٹھتے ہیں۔ اور اسی طرح ہر طرح کی جاندار چیزوں کا وہ سلسلہ جو پوری زمین میں پھیلا ہوا ہے، کیسے کیسے جانور، اور ایسے ہی ہواؤں کا کبھی گرم سفر، کبھی نرم رو، کبھی جانب جنوب میں سبک خرام تو گاہے مغربی سمت میں سبک رفتاری، جنوب میں جھونکوں کیساتھ، شمال میں صرصر و آندھی بنکر، کبھی پانی سے لبریز تو کبھی خشک بادلوں کو بار دوش بنائے ہوئے، اور یہ بھی کہ کبھی رحمت بنکر اور کبھی عذاب الٰہی کا نمونہ ہو کر، اور یہ بادل آسمان و زمین کے درمیان لٹکے ہوئے نہ گریں، نہ ٹوٹیں، نہ پھٹیں، اللہ تعالےٰ کے حکم کے پابند جہاں حکم ہو برس جائیں بستیوں سے گزریں، کھیتوں پر سے آئیں باغات ان کے سفر کی راہ میں، ہزاروں مشتاق و منتظر نگاہیں ان کے تعاقب میں لیکن برسنے کا حکم نہیں تو صاف بلا برسے نکل جائیں۔ اے انسان یہ سب چیزیں، ایک نہیں سینکڑوں اپنے خدا کے وجود و وحدانیت لازوال طاقت۔ غیر معدود قدرت کی نشانیاں ہیں لیکن ان سے فائدہ وہی اٹھائیں گے جن کے پاس عقل ہے، جس سے وہ سوچتے ہیں سمجھتے ہیں۔ عبرت حاصل کرتے ہیں اور سوچ سمجھے ہوئے کو، سر بستہ چیزوں تک پہونچنے کا ذریعہ بناتے ہیں حدیث میں آیا ہے کہ یہ آیات اور اس میں مذکور مضامین خدا تعالیٰ کی ذات وصفات وحدانیت و یکتائی کی ان قاہر دلائل کا مرقع ہیں کہ جن کی نظیر نہیں، افسوس اس پر جسنے ان کو پڑھا اور پھر بھی اس کا دل و دماغ اپنے سچے اور ایک خالق و مربی کو نہ پہچان سکا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۶) اس دنیا میں نہیں ہو سکتا اس لئے اس کی سزا ریں دائمی لعنت بالکل ایک معقول سزا ہے المنار میں ہے کہ فکان خلودہ فی ھذہ اللعنۃ قد نشاء عن وصف لازم لہ۔

عہ ان آیات میں عجائبات عالم کیطرف انسان کو عبرت کی نظر ڈالنے کی دعوت دی گئی ہے تاکہ وہ اس کائنات میں پھیلے ہوئے دلائل میں غور کرکے صانع عالم کو ڈھونڈ نکالے، اللہ ایک ہے اور بے پایاں رحمت کا مظہر کامل ہے، ساری کائنات پر طائرانہ نظر کا ہمیشہ حاصل ہونے والا یہی "یقین" ایمان اور اسلام ہے پوری دنیا اپنی ظاہری شکل و صورت کے اعتبار سے بھی ایک درس عبرت ہے پھر ان پڑے ہوئے پردوں کی اوٹ سے جھانکنے والے خدا جانے کن کن حیرت انگیز چیزوں پر مطلع ہو رہے ہوں گے، مطلب یہ ہے کہ ہمارے اور آپ کے سامنے چاند ہے آسمان کے طویل و عریض لائنوں پر اس کی گرم رفتاری، اس کا نکلنا، بڑھنا، پھیلنا، پھیلکر پھر سمٹ جانا، لیکن روس و امریکہ کے سائنسدان کیا کچھ دیکھ رہے ہیں۔ ہم اور آپ اس سے بالکل ہی ناواقف لیکن حیرت ہے کہ عجائبات عالم پر یہ تفصیلی نظر اور ایمان و یقین سے اس درجہ محرومی ختم اللہ علی قلوبہم وعلی سمعہم وعلی ابصارہم غشاوۃ الخ۔

اسی لئے المنار میں لکھا ہے کہ ففیہ آیات بینات کثیرۃ الانواع یدھش المتاملین بعض ظواھرھا فکیف حال من اطلع علی ما اکتشف العلماء من عجائبہا" یہ آسمان ٹکڑوں سے وجود پذیر ہوتا ہے جو ایک دوسرے سے کروروں میل کے فاصلے پر ہیں اور ہر ٹکڑہ اپنی جگہ ایک مستقل نظام لئے ہوئے، دوسرا نظام اس کے لئے خلل انداز کسی حالت میں بھی نہیں۔ پھر ان تمام ٹکڑوں کو ایک مضبوط ہیئت ترکیبی دینا یقیناً اس بات کی علامت ہے کہ تمام نظام پر حاوی کوئی مقتدر اعلیٰ ذات گرامی ہے اسی آسمان کا ایک مختصر جزو وہ بھی ہے جسکو ہم نظام شمسی کہتے ہیں ہماری اس دنیا سے قریب جس کی شعاعیں، دنیا میں ضو فگن اور زندگی میں، نمو اور بالیدگی کی کا باعث، پھر ستاروں اور سیاروں کی ایک پوری دنیا اسی نظام شمسی کے قبضہ میں جکڑ بند۔ سب اپنے اپنے مدار پر مصروف سفر، ایک دوسرے سے بعید اور قریب لیکن اس کے باوجود نہ ایک دوسرے سے ٹکرائیں، اور نہ ٹوٹیں یہ سب کچھ اس بات کی علامت ہو کہ کوئی مرکزی اقتدار ان سبکو تسخیر کی محفوظ زنجیروں سے جکڑے ہوئے ہے چابکدست ڈرائیور کے ہاتھ نے گاڑیوں کو کتنی مرتبہ ٹکرا دیا، جہاز کا پائلٹ، متعین خطوط او رلائنوں سے ہٹکر کتنے انسانوں کی بربادی کا باعث بنا، لیکن سیاروں کی گرم رفتاری ہو رہی ہے اور ہوتی رہے گی لیکن نہ تصادم نہ ٹکراؤ پھر زمین کو لیجئے اس کا جرم، اس کا مادہ اس کی شکل اس پر جمادات، نباتات، حیوانات کی پوری دنیا پھر ہر ایک کا مستقل اور جداگانہ نظام دور مت جائیے جمادات ہی پر نظر ذرا ڈالئے تو پتھروں تک کا ایک مربوط نظام نظر آئے گا بلکہ جدید سے سائنس ہی کی زبان سے ہم نے یہ بھی سن لیا کہ جمادات (بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۸ پر ملاحظہ)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ

اور ایک آدمی بھی ہیں جو علاوہ خدا تعالٰے کے اوروں کو بھی شریک (خدائی) قرار دیتے ہیں ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ سے (رکھنا)

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ

ضروری ہے اور جو مومن ہیں ان کو (صرف) اللہ تعالٰے کے ساتھ نہایت قوی محبت ہے اور کیا خوب ہوتا اگر یہ ظالم (مشرکین) جب (دنیا میں) کسی مصیبت کو دیکھتے تو اس کے

اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ○ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ

وقوع میں غور کر کے سمجھ لیا کرتے کہ سب قوت حق تعالٰی ہی کو ہے اور (سمجھ لیا کرتے) کہ اللہ تعالٰی کا عذاب (آخرۃ میں اور بھی) سخت ہوگا۔ جبکہ وہ لوگ جن کے کہنے پر دوسرے چلتے تھے ان

اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ○

لوگوں سے صاف الگ ہو جاویں گے جو ان کے کہنے پر چلتے تھے اور سب عذاب کا مشاہدہ کریں گے اور باہم ان میں جو تعلقات تھے اس وقت سب قطع ہو جاویں گے

وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ

یہ تابع لوگ یوں کہنے لگیں گے کسی طرح ہم سب کو ذرا ایک دفعہ (دنیا میں) جانا مل جاوے تو ہم بھی ان سے صاف الگ ہو جاویں جیسا یہ ہم سے (اس وقت) صاف

يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ○

الگ ہو بیٹھے۔ اللہ تعالٰی یوں ہی ان کی بداعمالیوں کو خالی ارمان کر کے ان کو دکھلا دیں گے اور ان کو دوزخ سے نکلنا کبھی نصیب نہ ہوگا۔

اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ اللہ کے علاوہ دوسروں کو بھی شریک بنائے ہوئے ہیں ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی اللہ سے رکھنی چاہیئے اور رہے ایمان والے تو اُن کو اللہ کی محبت سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ اور کاش ظالم جب عذاب کو دیکھ لیتے تو اس وقت

بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۷) میں حیات نباتیہ کے علاوہ ایک اور خاص حیات بھی موجود ہے۔ نباتات میں بقول علامہ طنطاوی، ناریل ہی کا درخت حیرت انگیز عجوبہ زائیوں کا مرقع ... ایک درخت، لیکن اسی میں غذا اسی میں دوا اسی میں دودھ، اسی میں شراب اسی میں تیل۔ اسی میں جلنے والی لکڑیاں، اسی سے برتن کی تیاری، مکانوں کا انبار، اون اور بستر ے و بچھونوں کے لئے سامان، اسی سے رسیاں، اور ہتھیار تیار کرنے کے بہترین مواقع ایک درخت لیکن سینکڑوں منافع پر پھیلا ہوا۔

"اسکاٹ لینڈ" میں ایک درخت ہے جس کی جڑ وغیرہ زمین میں نہیں ہوتی بلکہ بیلوں کی شکل میں دوسرے درخت پر چڑھتا ہے اس کے پھول عجیب وغریب ہوتے ہیں طنطاوی نے لکھا ہے کہ کبھی شاخیں جھومتی ہیں تو اس کے پھول کھلکر بالکل ایسی شکل اختیار کر لیتے ہیں جیسا کہ کوئی مکلف بستر ہ کسی کے انتظار میں ہو، اور کبھی پھول سمٹکر شہد کی مکھی کی صورت بنا لیتے ہیں دیکھنے والے دیکھتے ہیں اور دست قدرت کی اس صناعی پر حیرت زدہ ہوتے ہیں۔ اس سے زیادہ حیرت انگیز امر یہ ہے کہ اب تک تو آپ نے یہی سنا تھا کہ نباتات جانوروں کی غذا ہیں لیکن اب یہ بھی سنئے کہ امریکہ میں ایک درخت ہے کہ اس کے پتوں پر جب ننھے ننھے کیڑے آ بیٹھتے ہیں تو اس کے پتے سمٹ کر ایک بند ڈبیہ کیڑوں کو اپنے پیٹ میں لیلیتے ہیں اور وہی کیڑے اُن کی غذا ہیں، اسی طرح جانور جو زمین پر چلتے پھرتے ہیں انکی اقسام، خصوصیات، غذائیں رہنے سہنے کے طریقوں کے علاوہ عمر کا معاملہ بھی عجیب ہی ہے چنانچہ طنطاوی نے لکھا ہے کہ بے سینگ والے جانور سینگ والوں سے زیادہ عمر پاتے ہیں اسی طرح جری جانوروں کی عمر بزدل جانوروں سے (بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۹ پر)

سمجھ لیتے کہ ہر طرح کی قوت بس اللہ ہی کو ہے۔ اور یہ کہ اللہ کا عذاب بہت ہی سخت ہے۔ اس وقت کا خیال کرو جب مقتدا (متبوع) اپنی مقتدیوں (پیروؤں) سے الگ ہو جائیں گے، اور ان کے باہمی تعلقات ٹوٹ کر رہ جائیں گے اور پیرو کہنے لگیں گے کاش ہم کو پھر ایک دفعہ (دنیا میں جانا) ملجاتا تو ہم بھی ان مقتداؤں سے ایسا ہی الگ ہو جائیں جیسا کہ یہ ہم سے الگ ہو گئے۔ بس اسی طرح اللہ ان کے اعمال کو انہیں (خالی) ارماں و نری تمنائیں کر کے دکھائیگا۔ اور وہ دوزخ سے کبھی بھی نکل نہ پائیں گے۔

بتوں سے تمکو امیدیں خدا سے ناامیدی

فرماتے ہیں کہ ان دلائل کے باوجود جو ہر طرح سے خدا تعالیٰ کے وجود و قدرت، ربوبیت اور آقائیت پر بول رہے ہیں پھر بھی کفار بتوں کی اس طرح تعظیم و عبادت کرتے ہیں جس عبادت کا مستحق سوائے خدا تعالےٰ کے کوئی اور نہیں تھا۔ اور سمجھتے ہیں کہ اللہ اور یہ معبودان باطل ایک درجہ کی چیز ہیں۔ آپ نے بھی سنا ہو گا کہ مشرکین اللہ کا بھی اقرار کرتے ہیں اور ساتھ ہی یہ بت پرستی کا ذلیل اقدام بھی۔ بعض مفسرین کی رائے میں آیت کا مطلب یہ ہے کہ بتوں سے یہ لوگ اس طرح معاملہ کرتے ہیں جیسا کہ مومنین کا معاملہ عبادت و عظمت کا اللہ تعالےٰ کے ساتھ ہے۔ حالانکہ مومنین تو سوائے۔ اللہ کے اور کسی کو معبود برحق جانتے ہی نہیں اور رہے یہ کفار سو ان کا حال عجیب ہے کہ راحت و آرام میں بت پرستی اور مصائب و پریشانیوں میں بتوں کو چھوڑ چھاڑ کر صرف خدا تعالےٰ سے لو لگانا، تو بتاؤ وہ مومنین اپنے معبود برحق سے زیادہ متعلق ہوئے جو کسی حال میں بھی غیر خدا کی طرف توجہ نہیں کرتے یا یہ مشرک ہرجائی جو منٹ میں ادھر اور منٹ میں ادھر اور اسلئے رسول یا اسے مخاطب اگر آنے والا واقعہ جس کا ہم اب تذکرہ کرتے ہیں تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لو تو ایک حیرت انگیز چیز ہی اس کو سمجھو۔

بات یہ ہے کہ کفر و شرک میں مبتلا بدنصیب جب خدا تعالےٰ کا عذاب دیکھیں گے اور یہ کہ تمام قوت اللہ ہی کو حاصل ہے اور یہ کہ اللہ تعالےٰ کا عذاب بھی نہایت سخت ہے اور یہ سب کچھ ان کو قیامت کے دن دکھایا جائے گا اس سے پہلے اگر دکھا دیا جاتا تو پھر ان میں سے کوئی بھی حسرت و ندامت اٹھانے والوں میں سے نہ ہوتا۔ ان معنی کے پیش نظر معلوم ہوا کہ "لولا" کا جواب محذوف ہے نحاۃ نے کہا ہے کہ جب "لولا" کسی ایسی چیز کے ساتھ آئے جس سے شوق دلانا مقصود ہو یا خوف دلانا تو اکثر اس کے جواب کو حذف کر دیتے ہیں تاکہ مخاطب کا رجحان خود ہی کوئی جواب متعین کر لے" "لولا" کے متعلق نحویوں میں یہ بھی مشہور ہے کہ یہ عموماً

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۸) بہت زیادہ ہوتی ہے۔ بحری اور بری جانور بمقابلہ، پرندوں کے طویل عمر پاتے ہیں، بندر کی چالاکیاں انسان کی مشابہ حرکات و افعال کون نہیں جانتا، ہاتھی کا قوت حافظہ مشہور ہے، کوا اپنی یادداشت کے اعتبار سے تمام جانوروں میں ممتاز ہے، خاکسار مترجم کے والد سیدنا الامام مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ آپ کا مذاق ایسا علمی تھا ہر وقت تحقیق اور انکشافات آپ کی بہترین دلچسپی تھی، حیوۃ الحیوان الدمیری کا مطالعہ فرما رہے تھے، دیکھا کہ کوے کی یادداشت حیرت انگیز ہوتی ہے اسی دن دوپہر کو کھانے کے وقت گھڑی سامنے رکھکر کوے کو روٹی کا ٹکڑا ڈالا حیرت انگیز تھی یہ بات کہ اگلے دن ٹھیک اسی وقت منٹ اور سکنڈ کی پوری رعایت کے ساتھ کوا موجود تھا تبسم فرمایا اور فرمایا کہ بھائی کوئی تیری مہمانی تھوڑا ہی کرنا تھی مصنف کے ایک دعوے کی تصدیق مطلوب تھی سو ہو گئی بھائی اپنا راستہ لے"

چیونٹی کا ذخیرہ کرنا، شہد کی مکھیوں کا ایک ایک پھول سے رس لینا۔ اس کی تلاش میں میلوں نکل جانا اور پھر واپس آنا، اس ملنے پر خوشی سے گانا۔ غصہ کے وقت میں ایک مخصوص ہیئت اختیار کرنا آج کے دور میں ان سے کون ناواقف ہے۔ سچ ہے وفی الارض لآیات للموقنین ہواؤں کے متعلق طنطاوی نے لکھا ہے کہ ان کی تیز رفتاری اور آہستہ روی وزن کے اعتبار سے ہوتی ہے صاحب المنار نے یہ بھی لکھا ہے، بارش کے بعد ہوا کا تذکرہ اس لئے ہے کہ ہوا اور بادل و بارش میں بڑا گہرا تعلق ہے یہ بھی گویا قرآن مجید (باقی حاشیہ صفحہ ۹۰ پر)

ماضی پر داخل ہوتا ہے لیکن یہاں مستقبل کے صیغہ پر داخل ہو کر استعمال ہوا اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت حق جل مجدہ کی خبریں اگرچہ وہ مستقبل سے متعلق ہوں لیکن ان کا ہونا ایسا یقینی ہے جیسا کہ کوئی چیز ہو چکی قیامت میں ایک معاملہ یہ بھی پیش آئے گا کہ دنیا میں جن لوگوں کی کفر و شرک میں انہوں نے اتباع کی تھی جب وہ ان سے بالکل بے تعلقی کا اظہار کریں گے اور بچشم خود خدا تعالیٰ کے عذاب کو دیکھ لیں گے۔ اور دین غلط کے رشتے قرابت داریاں، محبت و مودت کے واسطے سب کٹ چکیں گے تو پیروی کرنے والے کہیں گے کہ اگر ہم دوبارہ دنیا میں بھیجد یئے جائیں تو اسی طرح ان سے بے تعلق ہو جائیں جیسا کہ آج یہ ہم سے بے تعلقی کا مظاہرہ کر رہے ہیں لیکن اب دنیا میں دوبارہ کہاں جانا) بہرحال جس طرح ہم نے ان کو ایک دوسرے سے بیزاری کا یہ خطرناک منظر دکھایا بس یو نہیں، ان کی تمام باطل پرستش، خدایان باطل کی عبادت ایک ایک حسرت بنکر ان کے سامنے آتی رہے گی۔ اور جہنم سے ان کو کسی طرح نکالا نہ جائے گا۔ع

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ كُلُوا۟ مِمَّا فِى ٱلْأَرْضِ حَلَٰلًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا۟ خُطُوَٰتِ ٱلشَّيْطَٰنِ

اے لوگو جو چیزیں زمین میں موجود ہیں اُن میں سے (شرعی) حلال پاک چیزوں کو کھاؤ (برتو) اور شیطان کے قدم بقدم مت چلو

إِنَّهُۥ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ○ إِنَّمَا يَأْمُرُكُم بِٱلسُّوٓءِ وَٱلْفَحْشَآءِ وَأَن تَقُولُوا۟

فی الواقع وہ تمہارا صریح دشمن ہے وہ تو تم کو اُن ہی باتوں کو تعلیم کرے گا جو کہ (شرعاً) بُری اور گندی ہیں۔ اور یہ (بھی تعلیم کریگا) کہ اللہ کے ذمہ

عَلَى ٱللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ○ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ ٱتَّبِعُوا۟ مَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ قَالُوا۟ بَلْ

وہ باتیں لگاؤ جن کی تم سند بھی نہیں رکھتے اور جب کوئی اُن (مشرک) لوگوں سے کہتا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے جو حکم (اپنے پیغمبر کے پاس) بھیجا ہے اُس پر چلو تو (جواب میں) کہتے ہیں کہ (نہیں)

(بقیہ حاشیہ صفحہ 89 ملاحظہ ہو) کا ایک اعجاز ہے کہ بیان میں مناسبت باہمی اس کے پیش نظر رہتی ہے اسی لئے فوراً بعد بادل کا تذکرہ ہوا۔ بادلوں کا نظام ایک حیرت انگیز معاملہ ہے نہ زمین سے بہت قریب کہ انسان اور حیوانات پریشان ہو جائیں نہ بہت دور کہ آتے ہوئے دکھائی بھی نہ دیں کسطرح سمندروں سے پانی اٹھاتے ہیں، گالوں کی شکل میں آسمان پر پھیل جاتے ہیں۔ برودت سے بجتے ہیں اور آفتاب کی تمازت سے برس پڑتے ہیں۔ جہاں بارش کی ضرورت نہیں برسات کا موسم نہیں جہاں پانی کی بکثرت ضرورت وہاں برسات کتنی لمبی ہے کہ "نظام مربوط" کو سوائے خدا تعالیٰ کے کوئی اور ہرگز نہیں چلا رہا ہے۔ لیکن یقین و ایمان سے محروم دنیا نے آسمان پر سفر کئے، دریا کے سینوں کو چیر کر رکھدیا۔ بلندی میں اُڑے اور زمین کی گہرائیوں کو ناپ لیا، مگر خدا بے زار یقین سے خالی، ایمان سے محروم زندگی ان کا ساتھ نہ چھوڑ سکی اسی لئے خود ہی ارشاد فرمایا کہ ایک دلیل نہیں بلکہ اس کائنات کا ہر ذرہ وحدانیت، قدرت، قدیر و قادر مربی وخالق کے وجود پر دلائل کا انبار ہے، صرف یقین و ایمان سے لبریز دل و دماغ کیلئے۔ یہاں ایک لطیفہ یہ بھی سن لیجئے امام قرطبی نے لکھا ہے کہ کسی شخص نے اعتراض کیا کہ اگر قرآن مجید جامع ہے اور ہر چیز کا اس میں ذکر ہے تو پھر نمک، مرچ، ہلدی، دھنیا کا تذکرہ اسی قرآن میں کہاں ہے؟ قرطبی نے لکھا ہے کہ "ما ینفع الناس" کہ وہ چیزیں جو انسان کے لئے مفید ہیں" اس میں انسان کی ضرورت اور فائدہ کی تمام ہی چیزیں آگئیں "ای باللذی ینفعہم من التجارات وسائر الآ رب التی تصلح بہا احوالہم" مولانا ماجد صاحب دریا آبادی لکھتے ہیں کہ خلق کے لفظ سے دن اور رات اور اسی طرح دوسری چیزوں کے مخلوق ہونے کا اعلان بھی مقصود ہے ۵ آیات میں آپ کیلئے ایک کام کی چیز آگئی ذرا سوچئے اور اپنے اعمال و دلی کیفیات کا ایک جائزہ لیجئے، کفار کو اپنے معبودان باطل سے جو تعلق ہے اتنا گہرا کہ خدا تعالیٰ کے تعلق سے بھی بڑھ گیا پھر کہیں ایسا تو نہیں کہ ہمارا اتفاق بھی پیروں اور مردوں سے سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ اجمیری وغیرہ اکابر اولیاء اللہ سے کہیں خدا تعالیٰ کے تعلق سے تو بڑھا ہوا نہیں۔ یا عبد القادر، یا خواجہ، یا صابر وغیرہ کے نعرہ لگانے والے ذرا سوچ لیں۔

نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا

بلکہ ہم تو اسی (طریقہ) پر چلینگے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ کیا اگرچہ اُن کے باپ دادا (دین کی) نہ کچھ سمجھ رکھتے ہوں اور نہ (کسی آسمانی کتاب کی

يَهْتَدُوْنَ ۝ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا

(ہدایت رکھتے ہوں۔ اور ان کافروں کی کیفیت (نا فہمی میں) اُس (جانور کی) کیفیت کے مثل ہے کہ ایک شخص ہے وہ ایسے (جانور) کے پیچھے چلا رہا ہے جو بجز بلانے اور

دُعَآءً وَّنِدَآءً ؕ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝

پکارنے کے کوئی بات نہیں سنتا (اسیطرح) کفار بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں سو سمجھتے کچھ نہیں۔

اے انسانو! زمین پر جو حلال اور پاکیزہ موجود ہے اس میں سے کھاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو شیطان تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے وہ تو تمکو بس برائی اور گندگی کا ہی حکم دیتا ہے اور اس کا بھی حکم کرتا ہے کہ تم اللہ پر ایسی باتیں گڑھو جس کا تم علم نہیں رکھتے اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ اللہ نے اتارا ہے اس کی پیروی کرو۔ تو کہتے ہیں کہ نہیں ہم تو اس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے خواہ اُن کے باپ دادا نہ ذرا بھی عقل رکھتے ہوں اور نہ ہدایت رکھتے ہوں۔ اور کافروں کا حال تو اس جیسا ہے جو ایسے جانور کے پیچھے چلا رہا ہے۔ جو کچھ سنتا ہی نہیں بجز بلانے اور پکارنے کے یہ لوگ بہرے ہیں گونگے ہیں۔ اندھے ہیں سو کچھ بھی نہیں سمجھتے۔

حلت و حرمت سے متعلق کفار کے غلط فیصلے

کفار نے خود ہی اپنے اوپر بعض جانوروں کو حرام کر لیا تھا یہ آیات انہیں کے بارے میں نازل ہوئیں۔ کھانے پینے کا حکم کوئی واجب و ضروری درجہ کا نہیں بلکہ جائز ہونے کے حد تک بات ہے یعنی کھا سکتے ہو اتنا بتانا مقصود ہے اور کیونکہ زمین میں موجود تمام چیزیں تو ظاہر ہے کھائی نہیں جاتیں اس لئے مراد یہی ہوگی کہ زمین کی پیداوار میں بعض چیزوں کو کھا سکتے ہو گویا کہ مما میں من بعض کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ حلالًا ، ترکیب نحوی کے اعتبار سے کلوا کا مفعول ہے یا مما فی الارض سے حال واقع ہو رہا ہے۔ طیب کا مطلب یہ ہے کہ جسمیں کوئی شبہ نہو اسی کو کھاؤ۔ اور شیطان جن چیزوں کے کرنے کا حکم دے ان کی طرف ہرگز نہ جاؤ۔ خطوٰت کے معنی اصل میں اس چیز یا فاصلہ کے آتے ہیں جو چلنے والے کے قدموں کے درمیان ہو عرب والے کہتے ہیں کہ "اتبع خطواتہ" جب کوئی کسی کے نقش قدم پر چلے، اور ہم نے شیطان کی پیروی سے اس لئے منع کر رہے ہیں کہ وہ تمہارا بڑا کھلا دشمن ہے۔ اس آیت کا بظاہر ان آیات سے تعارض معلوم ہوتا ہے جن میں فرمایا گیا ہے کہ کفار کا شیطان دوست ہے ور تعارض و اختلاف اس لئے نہیں ہے کہ بظاہر شیطان دوستی ہی کے رنگ میں آتا ہے اگرچہ درحقیقت وہ نسل انسانی کا بدترین دشمن ہے اس طرح خدا تعالےٰ نے دو موقعوں پر واقعات و حقائق کے دونوں رخ ملحوظ رکھے جہاں فرمایا کہ شیطان دوست ہے اس سے مراد ظاہر اور دکھاوے کی دوستی ہے اور جہاں ارشاد فرمایا کہ دشمن ہے وہاں حقیقی دشمنی مراد ہے جسکو وہ لعین چھپا لیتا ہے فرماتے ہیں کہ ہم شیطان کی اتباع سے تمکو اس لئے روکتے ہیں کہ دوستی اور اتباع اس کی کرنی چاہئے جو کہ اچھے کاموں کی ترغیب دے اور شیطان کے متعلق خوب سمجھ لو کہ وہ کبھی نیکی کا مشورہ دے نہیں سکتا پھر اس کی اتباع عقل و دانش کا دیوالیہ ہونا ہے۔

سوء کے معنی برائیاں اور فواحش وہ برائیاں جو اپنی ظاہر و باطن کے اعتبار سے بہت ہی گھناؤنی ہوں کہہ لیجئے کہ سوء چھوٹی چھوٹی برائیوں اور بدکاریوں کی انتہائی شکل "فحشاء" ہے بعض مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ سوء، وہ برائیاں جن میں شرعاً کوئی سزا حکومت کی طرف سے نافذ نہ ہو اور فحشاء انہیں بدکرداریوں کو کہیں گے جس پر شریعت میں کوئی سزا بھی جاری ہوتی ہو۔ "وان تقولوا

ترکیب نحوی کے اعتبار سے محل جر میں ہے کیونکہ بالسوء پر اس کا عطف ہے اور مطلب یہ ہے کہ شیطان تم کو برائیوں کی ترغیب دیتا ہے
اور ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہے کہ خدا تعالےٰ کے متعلق کچھ بھی کہو جس کو تم نہیں جانتے۔ مثلاً فلاں چیز حلال فلاں حرام ہے حالانکہ ان کی حرمت و حلت
کے بارے میں خدا تعالےٰ کی طرف سے کوئی فیصلہ نہیں ہوا ان آیات کے ضمن میں ایسی تمام ہی باتیں داخل ہو گئیں جنکے متعلق کہا جائے کہ
خدا کا فیصلہ یہ ہے حالانکہ شریعت میں اس سے متعلق کوئی منصوص چیز موجود نہیں، یہودیوں یا مشرکین کی کسی جماعت کو آنحضور صلی اللہ
علیہ وسلم نے ایمان کی دعوت دی اور فرمایا کہ قرآن مجید کی اتباع کرو تو اس پر یہ بولے کہ جی نہیں ہم تو بس اسی قدیم راستہ پر چلتے رہیں گے
جس پر ہم نے اپنے آباء و اجداد کو پایا ہے کیونکہ وہ ہم سے اچھے بھی تھے اور ہمارے سے زیادہ واقف و عالم بھی اس لئے اتباع
بس انہیں کی ہونی چاہیئے۔ خدا تعالیٰ اس پر رد فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں تو کیا یہ اپنے آباء و اجداد کی ان حالات میں بھی پیروی
کریں گے کہ ان کے آباء نہ کچھ دین کی سمجھ رکھتے تھے اور نہ ہدایت پر ان کے قدم تھے، آیت میں واؤ حال کے معنی میں ہے اور ہمزہ
تردید کیلئے ہے آیت سے معنی تعجب کے پیدا ہوتے ہیں یعنی حیرت کی بات ہے کہ دین اور ہدایت سے محروم آباء و اجداد کی اتباع
پر یہ اصرار، کچھ نہیں واقعہ یہ ہے کہ ان کفار کو دین کی دعوت دینے والے کی مثال بالکل ایسی ہے جیسا کہ کوئی شخص جانوروں کے
پیچھے چلا رہا ہو۔ جانور آواز تو ضرور سنتا ہے۔ لیکن ان آوازوں کا مطلب کیا ہے یہ ان کے بس کی بات نہیں ایسے ہی یہ کافر اسلام
کی طرف بلانے والے کی چیخ و پکار سنتے ہیں لیکن اس کو اس طرح نہیں سمجھتے جسطرح اہل عقل نے سمجھا اور سمجھکر دین کو اختیار کیا۔ نعیق
کے معنی آواز کے آتے ہیں۔ اہل عرب کہتے ہیں کہ نعق المؤذن اذان دی یا نعق الراعی بالضان چرواہے نے بھیڑوں اور بکریوں کو پکارا،
نداء جو آواز سنی جاسکے۔ اور دعا وہ آواز جو کبھی سنی جائے اور کبھی نہ سنی جائے، فرماتے ہیں کہ داعی اسلام سے یہ سنی ان سنی کر دینے
والے سمجھے کہ بہرے، گونگے اور اندھے ہیں اور اسی لئے ان پر کوئی نصیحت کارگر نہیں۔ صم وغیرہ ھو مبتدا محذوف کی خبر ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُلُوا۟ مِن طَيِّبَٰتِ مَا رَزَقْنَٰكُمْ وَٱشْكُرُوا۟ لِلَّهِ إِن كُنتُمْ

اے ایمان والو جو (شرع کی رو سے) پاک چیزیں ہم نے تمکو مرحمت فرمائی ہیں ان میں سے (جو چاہو) کھاؤ (برتو) اور حق تعالیٰ کی شکر گزاری کرو۔ اگر تم خاص ان کے

إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ۝ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ ٱلْمَيْتَةَ وَٱلدَّمَ وَلَحْمَ ٱلْخِنزِيرِ وَمَآ

ساتھ غلامی کا تعلق رکھتے ہو۔ اللہ تعالےٰ نے تو تم پر صرف حرام کیا ہے مردار (جانور) کو اور خون (بہتا ہوا) اور خنزیر کے گوشت کو (اسی طرح اسکے سب اجزا کو بھی) اور ایسے جانور کو جو

أُهِلَّ بِهِۦ لِغَيْرِ ٱللَّهِ ۖ فَمَنِ ٱضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَآ إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ

(بقصد تقرب) غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو پھر بھی جو شخص (بھوک سے بہت ہی) بیتاب ہو جائے بشرطیکہ نہ تو (کھانے میں) طالب لذت ہو اور نہ (قدر حاجت سے) تجاوز کرنے والا ہو تو اس شخص

ٱللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

پر کچھ گناہ نہیں ہوتا واقعی اللہ تعالیٰ ہیں بڑے غفور رحیم۔

عہ ان آیات کی بالکل ابتداء میں حکم ہے کہ کھاؤ پیو مفسرین نے لکھا ہے کہ مراد صرف اتنی ہے کہ کھا پی سکتے ہو، کھانا پینا ضروری نہیں ہے۔ اور
مِمَّا میں، مِن تبعیضیہ ہے، جسکا مطلب یہ ہے کہ . . . . . . تمام غذائیں کھانا جائز نہیں ہیں چنانچہ بیضاوی میں ہے کہ من للتبعیض
اذلا یوکل کل ما فی الارض" حلال کا مطلب یہ ہے کہ جن غذاؤں کو شریعت نے حلال قرار دیا ہو یہ نہیں کہ تم خود حلال قرار دے
لو حالانکہ شریعت میں وہ حرام تھیں، یاد رکھنا چاہئے۔ کہ اسلام میں "اکل حلال" کی زبردست اہمیت ہے سید نا ر بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۳ پر

اے ایمان والو پاک چیزوں میں سے جو ہم نے تم کو دے رکھی ہیں کھاؤ پیو، اور اللہ کا شکر ادا کرتے رہو اگر تم خاص اسی کی بندگی کرنے والے ہو اس نے تو تم پر بس مردار اور خون، اور سور کا گوشت اور جو جانور غیر اللہ کے لئے نامزد کیا گیا ہو حرام کیا ہے لیکن اس میں بھی جو شخص مضطر ہو جائے اور نہ بے حکمی کرنے والا ہو اور نہ حد سے نکل جانے والا ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں بے شک اللہ بڑا بخشنے والا اور بڑی رحمت والا ہے۔

پاک غذائیں

لذیذ اور جائز کھانے کے متعلق ارشاد ہے کہ کھاؤ پیو اور اس لذیذ رزق پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کیونکہ وہی قابل عبادت، نعمتیں دینے والا ہے جس کا تمکو بھی اقرار ہے پھر تو صرف اسی کا شکر ادا ہونا چاہیئے۔ فرماتے ہیں کہ ہم نے تم پر مردار جانور حرام کئے ہیں مردار وہ ہیں جن کے جسم سے روح نکل گئی ہو اور جن کو شرعی طور پر ذبح نہ کیا گیا ہو، معانی کے فن کی رو سے انما حصر کیلئے آتا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ بس حرام تو یہی چیزیں ہیں نہ کہ وہ جن کو تم خود حرام کہہ رہے ہو اور خون بہنے والا بھی حرام ہے سائل (بہنے والا) ہم نے اس لئے مراد لیا کہ دوسرے موقع پر خدا تعالےٰ نے یہ قید خود ہی بڑھا دی ہے۔ لیکن یہ بھی یاد رہنا چاہیئے کہ اگرچہ تمام مردہ جانور حرام ہیں لیکن دو جانور مردہ ہونے کے باوجود حلال بھی ہیں ایک مچھلی اور دوسرے ٹڈی اور یہ حدیث سے ثابت ہے اور ایسے ہی دو خون بھی حلال ہیں، یعنی تلی، اور کلیجی، حدیث میں ہے کہ ہمارے لئے دو مردہ جانور اور دو خون حلال کر دیئے گئے ایک مچھلی اور دوسری ٹڈی، کلیجی اور تلی۔ نیز خنزیر کا گوشت بھی حرام ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ خنزیر کل کا کل حرام ہے لیکن گوشت کا خاص طور پر ذکر فرمایا کیونکہ اکثر فوائد اسی سے وابستہ ہیں اور وہ جانور بھی حرام ہیں جو بتوں وغیرہ کے نام پر ذبح کئے گئے ہوں۔ اھلال کے معنی، ذبح کرتے وقت آواز بلند کرنا اور کیونکہ مشرکین، جانور ذبح کرتے ہوئے بتوں کے نام پکارتے اسی لئے اس کو اھلال سے تعبیر فرمایا گیا پھر ان حرام چیزوں کو ذکر فرمانے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر کوئی ایسے حالات میں گھر گیا ہو جن میں ان حرام چیزوں کو کھانا ضروری ہو تو کھالے لیکن یہ یاد رہے کہ کھانے سے مقصود نہ لذت کام و دہن ہو اور نہ کھانے میں ضرورت سے زیادہ استعمال ہو۔

ایک مسئلہ فقہیہ

بعض ائمہ مثلاً سیدنا الامام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ "غیر باغ" سے مراد ہے کہ وہ امام وقت کے خلاف بغاوت کا ارتکاب نہ کرے، اور اگر سفر کر رہا ہو تو کسی برے ارادہ و نیت سے سفر نہ ہو تو اس کو حرام چیزوں کی بشرط ضرورت اجازت ہے۔ صحیح نہیں۔ کیونکہ اتنی بات بالکل سمجھ میں آتی ہے کہ اگر کوئی شخص جائز مقاصد کے لئے سفر کر رہا ہو تو بلا ضرورت اس کے لئے حرام چیزیں حلال نہیں ہو جاتیں۔ اور اپنے وطن ہی میں اگر شدید ضرورت پیش آجائے تو حرام اشیاء کا استعمال جائز ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ سفر اچھے ارادہ سے سفر، بری نیت سفر۔ ان سب چیزوں کو ان چیزوں کے استعمال کی اجازت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۳) سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مرتبہ عرض کی کہ یارسول اللہ دعا فرمائیے کہ میری تمام دعائیں قبول ہونے لگیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ سعد اگر مستجاب الدعوات ہونا چاہتے ہو تو اکل حلال کا اہتمام کرو، اکل حلال میں جسطرح کہ غذاؤں کا شرعاً طاہر و حلال ہونا ضروری ہے ایسے ہی یہ بھی ضروری ہے کہ ان کا ذریعہ حصول بھی ظاہر ہو امام رازی لکھتے ہیں کہ "المراد منہ ان لا یکون متعلقاً بحق الغیر" اسی لئے صاحب المنار نے ناجائز ذرائع آمدنی میں سود، رشوت جبراً حاصل کردہ مال، چوری اور ڈکیتی سے ہتھیایا ہو، دھوکہ اور فریب کاری سے لیا ہو اسب مراد لیا ہے اور لکھا ہے کہ "فکل ذلک خبث" بلکہ علامہ رشید رضا تو لکھتے ہیں کہ وہ کھانے جو حلال تھے لیکن بعد میں خراب ہو گئے تو وہ بھی حرمت کے ذیل میں آگئے، مثلاً خراب، متعفن اور سڑی ہوئی غذائیں "وکن اماعرض لہ الخبث بتغیرہ کالطعام المنتن"

خطوات شیطان کی تفسیر امام صادق رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بھی منقول ہے کہ طلاق کی قسم کھانا، گناہوں کی نذر ماننا (بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۴ پر)

میں کوئی دخل نہیں۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی امام وقت کے خلاف بغاوت کرے تو اس سے وہ ایمان سے خارج نہیں ہو جاتا، ہم اس کو خدا تعالٰی کی حلال کردہ چیزوں سے محروم کر دیں۔ ہاں یہ بات ضرور ملحوظ رکھنی چاہیے کہ شدید ضرورت و اضطرار کے وقت میں بس اتنا ہی ان حرام چیزوں سے فائدہ اٹھایا جائے گا۔ جس سے کام چل جائے۔ سیر شکم ہو کر کھانا کسی حال میں بھی مقصود نہ ہونا چاہیے۔ اصولی بات یہ پیش نظر رہنی چاہیے، کہ حرام چیزوں کی اجازت محض "ضرورت" کی وجہ سے ہے اس لئے بس "ضرورت" ہی کے مطابق استعمال بھی ہو۔ اگر کوئی شخص اس حرام چیز کو ضرورت پر کھائے گا تو کوئی حرج نہیں اللہ تو بڑے بڑے گناہوں کو بھی معاف کر دیتے ہیں پھر اس معاملہ پر کیوں مواخذہ فرمانے لگے۔ وہ تو بے حد رحیم ہیں انسان کی ضرورتوں کا خود ہی خیال فرماتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۳) اور خدا کے علاوہ دوسری چیزوں کی قسم کھانا (روح المعانی) صاحب جلالین نے لکھا ہے کہ یہ آیات خاص طور پر مشرکین کے بارے میں نازل ہوئیں جنہوں نے کچھ کھانے از خود حرام قرار دیئے تھے لیکن علامہ رشید رضا لکھتے ہیں کہ شان نزول خاص کا اعتبار نہیں الفاظ اگر عام ہوں اس لئے اب ان آیات کے وہ سب مخاطب ہیں جو حلت و حرمت کے فیصلے خود کرتے ہوں لان العبرۃ بعموم اللفظ لا بخصوص السبب ان آیات میں یہ بتانا مقصود نہیں کہ بس حرام اتنی ہی چیزیں ہیں جنکا یہاں ذکر ہوا ظاہر ہے کہ حرام چیزیں تو اور بھی ہیں جن میں سے کچھ کا تذکرہ خود قرآن مجید کے دوسرے مواقع پر اور کچھ کے متعلق احادیث میں ذکر آتا ہے بلکہ آیات میں بتایا ہے کہ حرمت و حلت کا فیصلہ خدا تعالٰی فرماتے ہیں مشرکین کی اس سلسلہ کی باتیں کہ فلاں حرام ہے اور فلاں حلال خود تراشیدہ ہیں چنانچہ روح المعانی میں ہے کہ "لیس المراد من الآیۃ قصر الحرمۃ علی ماذکر مطلقاً بل مقید بما اعتقدوہ حلالاً" "المیتۃ" سے مراد وہ جانور ہے جو شرعی طور پر ذبح نہ کیا گیا۔ کہ خود مرگیا ہو جیسا کہ صاحب مدارک نے لکھا ہے جصاص نے لکھا ہے کہ اگر زندہ جانور کے جسم سے گوشت کا ٹکڑہ علیحدہ کر لیا گیا ہو تو وہ بھی مردار ہی کے حکم میں ہے۔ احناف کا نقطہ نظر جصاص نے پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ مردار سے کسی طرح کا فائدہ اٹھانے کے حق میں نہیں ہیں تا آنکہ مردار زندہ جانوروں کو کھلانا بھی جائز نہیں کیونکہ مرے ہوئے جانوروں کو دوسرے جانور کھائیں مثلاً گدھ وغیرہ تو یہ بھی گویا ایک نفع اٹھانا ہے حالانکہ قرآن مجید میں مردار سے فائدہ اٹھانے کی قطعاً ممانعت ہے۔ لیکن کھال اگر رنگ لی جائے (دباغت) تو حنفیہ اس سے کام لینے کی اجازت دیتے ہیں جیسا کہ احادیث سے اس کی اجازت معلوم ہوتی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث نقل کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ "ایما اھاب اذا دبغ فقد طہر" یعنی کھال کو جب دباغت دیدی گئی تو وہ پاک ہو گئی۔

شریعت نے مردار جانور کو حرام کر کے بڑا احسان کیا ہے، کیونکہ یہ طے شدہ بات ہے کہ جانور اگر بیمار ہو کر مرا یا فوری کسی بیماری سے ہر حال میں اس میں بیماری کے اثرات باقی رہ جاتے ہیں جو گوشت میں موجود رہتے ہیں اور اگر اس گوشت کو استعمال کیا جائے تو کھانے والے خطرناک بیماریوں میں مبتلا ہو سکتے ہیں ساتھ ہی نظافت پسند طبیعتیں۔ مرے ہوئے جانور کا گوشت استعمال کر بھی نہیں سکتیں (المنار) قرآن مجید نے اگرچہ خنزیر کے صرف گوشت ہی کا تذکرہ کیا ہے لیکن جیسا کہ صاحب مدارک نے لکھا اس کے تمام اجزاء ہی حرام ہیں اس لئے فقہاء اس کو نجس العین (یعنی جس کے کل اجزاء حرام ہوں) کہتے ہیں ابن عربی نے لکھا ہے کہ "اتفقت الامۃ علی ان الخنزیر حرام بجمیع اجزائہ" صرف اس کے بالوں سے کچھ فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، چنانچہ قرطبی نے لکھا ہے کہ "لا خلاف ان جملۃ الخنزیر" شریعت کے پیش نظر ہوگی اگر ہمارے سمجھ میں نہ آئے تو صرف اس وجہ کو ہم نہیں سمجھ رہے ہیں انکار کرنا کسی طرح صحیح نہیں۔ آج سے تیرہ سو سال پہلے اس کو کون تسلیم کرتا کہ خنزیر میں بعض ایسے سمی اجزا موجود ہیں جن کی بناء پر اس کے گوشت کا استعمال بعض مہلک امراض غدودی کا خصوصاً گرم ممالک میں بڑا سبب بنتا ہے لیکن آج اس کو مسلمان ڈاکٹر اور اطباء نہیں بلکہ یورپ کی جدید تحقیقات نے بھی تسلیم کر لیا تو کیا بعید ہے کہ آنے والی کل میں کچھ اس کے متعلق ایسی اور تصریحات سامنے آجائیں جو شریعت کے فیصلوں کی بخوبی تائید کرتی ہوں۔ طب اور ڈاکٹری دونوں تسلیم کرتی ہیں کہ جس جانور کا گوشت کھایا جائے اس کے اثرات کھانے والے پر ضرور آتے ہیں بلکہ طب ہی میں یہ بیان بھی آتا ہے کہ جانور کے مخصوص حصے کھانے والے کے انہیں مخصوص حصوں پر اثر انداز ہوتے ہیں مثلاً جانور کا بھیجہ انسان کے بھیجہ کے لئے بہت مفید، کلیجی، دل، گردہ انسان کے انہیں اعضا میں مؤثر۔ جب یہ

بات سمجھ میں آگئی تو جاننا چاہیئے کہ خنزیر میں بے حیائی گندگی کیطرف میلان کامل درجہ پر موجود ہے۔ مولانا عبدالماجد صاحب دریاآبادی نے اپنی گرانمایہ تفسیری حواشی میں لکھا ہے کہ خنزیر خود عربی زبان میں "قذر الشئی" (یعنی جنپر گندگی ہوگی) سے بنا ہے۔ بلکہ انگریزی میں بھی خنزیر کے جتنے نام ہیں مثلاً Hog، Swine، Pig وغیرہ ان سب کی غفلت تا نوی گندگی دغلاظت پر ہی ہے۔ گویا کہ غلاظت وگندگی اس کا خاصہ ہے۔ بخلاف مرغی وغیرہ کے کہ وہ اگر بند کرکے رکھی جائیں اور ان کو صاف وپاکیزہ (بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۵ پر ملاحظہ (بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۴) غذا مثلاً غلہ وغیرہ کھانے کو دیا جائے تو مرغی غلاظت کیطرف توجہ نکرے گی، لیکن خنزیر کا معاملہ ایسا نہیں بلکہ اسکی غذا ہی غلاظت وگندگی ہے، مذکورہ بالا سطور میں آپ نے یہ بھی پڑھا ہوگا کہ جانور اپنی خصوصیات اور مزاج کے اعتبار سے غیر شعوری طور پر اپنے پالنے والوں پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں چنانچہ کتے کی بے حیائی سب ہی جانتے ہیں نتیجہ میں یورپ جو عصمت وعفت فروشی میں بے حیائی ورسوائی کے جس ڈگر پر آکھڑا ہوا، کیا اس کے بعد کتوں سے ان کے غیر معمولی انس کے مضر نتائج کا اور کیا انتظار کیا جاسکتا ہے اور سب ہی جانتے ہیں وخنزیر کے مسلسل گوشت کے استعمال کے نتیجہ میں اس مکروہ جانور کے خصائص سے وہ قومیں یقیناً دوچار ہو رہی ہیں۔ جو اس کو لطف سے استعمال کرتی ہیں۔ یہ بھی قدرت کا ایک عجیب لطیفہ ہے کہ موجودہ یورپ کو دیکھکر خیال ہوتا ہے کہ شاید نصرانیت کے جزو کل میں، خنزیر کے گوشت کے استعمال کی شدید تاکید وترغیب ہوگی لیکن حیرت سے سنیئے کہ خود ان کی مذہبی کتابوں میں اس جانور کے گوشت کے استعمال پر شدید قدغن ہے ان مختصر گذارشات کے ساتھ ایک اصولی بات یہ بھی سن لیجئے کہ اصل شریعت کا حکم ہے، جب خنزیر کی حرمت شریعت سے ثابت ہے تو اب اس کے گوشت میں اگر ہزار ہا فوائد بھی ہوں تو بھی حرام ہی ہوگا۔ اس لئے احکام شریعت کو بنیاد بنانا ہی ایمان وسلامتی فکر کی علامت ہے۔ ما اهل لغير الله جیسا کہ صاحب مدارک نے لکھا ہے اصلی معنی آواز بلند کرنے کے آتے ہیں کیونکہ کفار جانور ذبح کرنے کے وقت اپنے بتوں کے نام لیتے اس لئے یہ لفظ اختیار کیا گیا مفردات میں امام راغب نے لکھا ہے کہ "وهو رفع الصوت عند رؤية الهلال ثم يستعمل لكل صوت" ہمارے فقہاء کے یہاں اب اس کا مطلب یہ ہے کہ جو جانور عبادت کے طور پر، یا کسی کی عظمت کے پیش نظر یا تقریب کے لئے کسی مخلوق کے نام پر ذبح کیا جائے وہ اس کا مصداق ہے اور اس کا گوشت قطعاً حرام ہے خواہ اسکو شرعی طور پر ہی ذبح کیا گیا ہو، خواجہ اجمیری، کلیری اور تمام اولیاء اللہ رحمہم اللہ کے نام پر ذبح کرنے کے بعد فقہی اور شرعی اعتبار سے گوشت بالکل حرام ہوگیا۔ حدیث صحیح میں ہے کہ جو شخص اللہ کے سوا اور کسی کے نام پر ذبح کرے وہ ملعون ہے "ملعون من ذبح لغير الله اسی طرح جسنے یہ سمجھکر کہ اولیاء اللہ کے نام ہم اگر جانور چڑھائیں وہ خوش ہوں گے اور ہمارا کام کردیں گے یہ بھی حرام ہے جیسا کہ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے اسی ذیل میں وہ مرغے اور جانور سب ہی آجاتے ہیں جو مزارات پر چڑھائے جاتے ہیں ہاں اگر بعد میں توبہ کرلی تو پھر اس کا گوشت حلال ہوجاتا ہے دیکھو تفسیر بیان القرآن۔ فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کسی حاکم کے آنے پر کوئی جانور اس کے بھینٹ کیا وہ بھی حرام ہے۔ بلکہ فقہاء نے یہاں تک لکھدیا کہ اسطرح جانور کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنے والا مرتد ہے امام رازی لکھتے ہیں کہ "قال العلماء لو ان مسلماً ذبح ذبيحة وقصد بذبحها التقرب الى غير الله صار مرتداً" والعیاذ باللہ۔ کاش کہ ہمارے وہ بھائی ان مسائل پر غور کریں جو اس طرح کی خرافات میں دین سے ناواقفیت کی بناء پر مبتلا ہیں۔

صاحب المنار نے لکھا ہے کہ غیر اللہ کے نام پر منسوب جانور کے گوشت کی حرمت، دراصل اس سے شریعت جذبہ توحید کی پرورش اور آبیاری چاہتی ہے کہ ایک مومن وموحد کا تمام تر تعلق صرف خدا تعالےٰ ہی سے ہو لکھتے ہیں کہ "والمنع من هذا ديني محض لحماية التوحيد لانه من اعمال الوثنية فكل من اهل لغير الله على ذبيحة فانه يتقرب الى من اهل باسمه تقرب عبادة وذلك من الاشراك والاعتماد على غير الله تعالى"، آیت کے آخیر میں غفور رحیم فرمایا یہ اس لئے کہ معلوم ہو کہ حرام ونقصان رساں اشیاء کو بندوں پر حرام کرنا ان کی رحمت ہے اور ضرورت پر جائز کرنا بھی انہیں کی رحمت کا نتیجہ ہے۔

بارگاہ علم و دانش میں تفسیر مدارک اردو کی پذیرائی

یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے تفسیر مدارک کے اردو ترجمہ کو ہر حلقہ میں مقبولیت عطا فرمائی، چنانچہ مکہ معظمہ سے شائع ہونے والے ماہنامہ "رابطۃ العالم الاسلامی" نے تفسیر کے ترجمہ کی خبر اپنے خبرنامہ میں خاص طور سے اس عنوان کے تحت شائع کی۔

"قرآن کریم کی مشہور تفسیر" مدارک التنزیل وحقائق التاویل" کا اردو زبان میں ترجمہ"

ہندوستان میں جامعہ دارالعلوم دیوبند کے استاد مولانا سید محمد انظر شاہ قرآن کریم کی مشہور تفسیر" مدارک التنزیل وحقائق التاویل" کا ترجمہ اردو میں کر رہے ہیں، ایک جزء کا ترجمہ مکمل ہو چکا ہے اور شائع بھی ہو گیا۔" (رابطۃ العالم الاسلامی جمادی الثانی ۱۳۸۳ھ۔ مکہ معظمہ)

مہبط وحی مکہ مکرمہ سے شائع ہونے والے مجلہ میں ترجمہ کا ذکر ع یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے۔

سید الملت حضرت المحترم مولانا محمد میاں صاحب. رئیس نظم تعلیمات دین جمعیۃ علماء ہند

تفسیر مدارک پر اپنے گرانمایہ خیالات تحریر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

تفسیر مدارک وہ مشہور اور مقبول تفسیر ہے جو کچھ عرصہ پہلے تمام مدارس عربیہ کے نصاب میں لازمی طور پر داخل ہوا کرتی تھی اور اب بھی بہت سے مدرسوں میں داخل نصاب ہے خصوصاً اس طبقہ میں یہ خاص مقبولیت رکھتی ہے جسکا تعلق درس و تدریس سے زیادہ ارشاد و سلوک سے ہے کیونکہ اس کے مصنف حضرت علامہ ابوالبرکات نسفی سلسلۂ ارشاد و سلوک کے مرشد کامل اور جلیل القدر شیخ طریقت تھے۔ ضرورت تھی کہ اسکو اردو کا جامہ پہنایا جائے تاکہ اردو داں طبقہ بھی اس کے بیش بہا فوائد سے بہرہ اندوز ہو سکے۔ ہمیں مسرت ہے کہ رئیس المحدثین حضرت علامہ مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیریؒ کے خلف رشید مولانا سید انظر شاہ صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند نے اس ضرورت کا احساس کیا اور اس خدمت کو انجام دینا شروع کیا ہے خضر راہ بکڈپو دیوبند اسکو قسط وار شائع کر رہا ہے اس کی پہلی قسط (پارہ اول کا جزء اول) شائع بھی ہو چکی ہے جسمیں نصف پارہ کی تفسیر ہے اس احقر نے اس کے متعدد مباحث پر نظر ڈالی طبیعت کو مسرت ہوئی کہ مولانا ممدوح اس خدمت کو حسن و خوبی اور سلیقہ سے انجام دے رہے ہیں۔ دلچسپ اور عام فہم ہونا تو ہر ترجمہ کے لئے لازمی شرط ہے مگر تفسیر مدارک جیسی کتاب کے ترجمہ کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ محتاط اور واضح ہو۔ یعنی جسطرح یہ احتیاط کیجائے کہ مفسر کا منشاء صحیح طور پر ادا ہو۔ اس میں کمی بیشی قطعاً نہ ہو ایسے ہی یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ایسا واضح ہو کہ اردو خواں طبقہ آسانی سے اصل منشاء تک پہونچ سکے۔ ہمیں مسرت ہے کہ مولانا انظر شاہ صاحب کی نظر اس اصول پر ہے اور یہ ترجمہ ان خصوصیات کا حامل ہے۔ اور اس بناء پر یہ صحیح ہے کہ اس کو تفسیر مدارک اردو کہا جائے۔ گویا کسی مترجم نے ترجمہ نہیں کیا بلکہ خود مصنفؒ ہی نے اپنی کتاب اردو میں لکھی اور اپنے منشاء کو اردو زبان میں ادا کیا ہے مولانا ممدوح نے ترجمہ کے علاوہ حاشیہ میں کہیں منشاء اور مراد اور کہیں کسی روایت کے متعلق فوائد بھی درج کئے ہیں جو اپنی جگہ خاص اہمیت رکھتے ہیں اور قابل قدر ہیں۔ ہمیں توقع ہے کہ علم دوست حضرات اس کی قدر کریں گے۔

("الجمعیۃ دہلی ۸ ستمبر ۱۹۶۳ء)

عالم اسلام کی مشہور یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند کے ترجمان مجلہ "دارالعلوم" میں رئیس التحریر

مولانا سید محمد ازہر شاہ صاحب. قیصر تفسیر مدارک پر تبصرہ میں رقمطراز ہیں۔

یہ حق تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے کہ دیوبند میں اب بھی درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کی شکل میں علوم قرآن اور معارف حدیث کی بڑی خدمت انجام پا رہی ہے، مختلف اداروں کی طرف سے حدیث و تفسیر کی قدیم و جدید کتابیں بڑی خوبصورتی کے ساتھ شائع ہو رہی ہیں، اور ابھی بہت سی کتابوں کی اشاعت کا پروگرام ہے۔ مولانا سید محمد انظر شاہ کشمیری نے جو عرصہ سے ایک ممتاز استاذ کی حیثیت سے دارالعلوم میں درس قرآن کی خدمت انجام دے رہے ہیں، اور اس سے پہلے تفسیر ابن کثیر اور تفسیر حقانی کو جدید ترتیب کیساتھ پیش کر چکے ہیں۔ (بقیہ صفحہ ۴ پر دیکھئے

صرف پہلا پارہ غیر ممبران کو بھی رعایتی قیمت یعنی عہ میں دیا جا
اردو ترجمہ
تفسیر ابن جریر
ابن جریر ہی تفسیر کی وہ عظیم ترین کتاب ہے جس کو بعد کے تمام تفسیری ذخیرہ کا اگر سرچشمہ کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا
یہ تفسیر صدیوں سے قرآنیات کے سلسلے کی بنیاد چلی آ رہی ہے۔ اس عظیم کتاب کی خصوصیات درج ذیل
(۱) قرآنِ مجید کو احادیث کی روشنی میں حل کرنے کی کامیاب کوشش
(۲) اقوالِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے استدلال
(۳) معتبر مفسرین کی رائے کے پیش نظر جچے تلے فیصلے
(۴) لغت و زبان کے ٹکسالی محاورات سے صحیح استناد
(۵) اجماعِ اُمت کی قطعی راہ نمائی
(۶) خاتمہ کلام پر علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا آخری فیصلہ
(۷) یہی تفسیر آپ کو بتائے گی کہ قرآن علوم و حکمت کا
بحر ذخار، اور حکمت الٰہی کا ایک مستور خزانہ ہے۔
(۸) اس عظیم شاہکار کی خصوصیت امن یقین کی آبیاری ہو کر
واقعی ایک صحیفۂ الٰہی، انسانیت کو ایک پیغام اور کائنات
اور ایک نسخۂ شفاء ہے!
بلاشبہ لاکھوں احادیث کے مہتابی سایہ میں قرآنِ عظیم کی اہم ترین خدمت
ضرورت تھی کہ اس عظیم و گرانمایہ شاہکار کو اردو میں اس طرح منتقل کیا جائے کہ علماء و فضلاء کا یہ مخصوص سرمایہ مسلمانوں کی عام دولت
اس لئے اس کے ترجمہ کے لئے مستند علماء کی خدمات حاصل کی گئی ہیں، اور اب یہ ترجمہ ماہ بماہ پیش کیا جاتا ہے۔
آپ کے تعاون کی صورت
یہ کہ آپ اس اہم دینی خدمت کے لئے صرف ایک روپیہ بذریعہ منی آرڈر روانہ کر
ممبر بن جائیے۔ ممبران کی خدمت میں ہر ماہ تفسیر ابن جریر اردو کا ایک پارہ بذریعہ
روانہ کیا جائے گا۔ ایک پارہ کی عام قیمت دو روپے ہوگی، لیکن ممبران کو عہ میں دیا جائے گا۔ ہر پارہ پر ڈاک خرچ ۸۵ نئے پیسے
آئیگا۔ لیکن اگر پانچ یا اس سے زیادہ حضرات ایک ساتھ ملکر وی۔ پی منگائیں گے تو اوسطاً ہر پارہ پر ڈاک خرچ ۷ آنے پڑ
ایک پارہ کی ضخامت اوسطاً ۱۶۰ صفحہ ہوگی۔ سائز ۳۰×۲۰/۸ کاغذ عمدہ گلیز، کتابت و طباعت عمدہ اور روشن
آج ہی خود ممبر بن جائیے!، اور دوسروں کو بھی ممبر بنائیے! مزید تفصیلات کے لئے اس پتہ پر لکھیے۔
بیت الحکمت دیوبند۔ (یو۔ پی)
مذہبی، علمی، ادبی، سیاسی، اور ہند و پاکستان کے تمام مشہور کتب خانوں کی مطبوعات کے لئے
بیت الحکمت کی خدمات حاصل کیجیے!
دیانت، کفایت اور خریدار کی سہولت اس مکتبہ کا
امتیاز ہے پتہ صاف اور ہو سکے تو انگریزی میں بھی لکھیے
فہرست کتب مفت طلب کیجیے۔
بیت الحکمت دیوبند یو